قرآن کریم

اور

eBook

اس کے چند مباحث

AL-HUDA
Publications (Pvt) Ltd.

مرتب

محمد ادریس زبیر

پی۔ایچ۔ڈی

قرآن کریم

اور

اس کے چند مباحث

مرتب

ابو ہشام

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

جملہ حقوق بحق ناشر

نام کتاب ------------ قرآن کریم اور اس کے چند مباحث
مؤلف ------------ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر
ناشر ------------ الہدیٰ پبلی کیشنز، اسلام آباد
ایڈیشن ------------ ہشتم
ISBN ------------ 978-969-8665-33-3
تعداد ------------ 1000
قیمت ------------
تاریخ طبع ------------ جولائی 2019ء، ذوالقعدہ 1440ھ

ملنے کے پتے

پاکستان
7-AK Brohi Road, H-11/4, Islamabad, Pakistan
فون: +92-51-4866130-1, +92-51-4866150-1 +92-51-4866125-9
www.alhudapublications.org
www.alhudapk.com **www.farhathashmi.com**

امریکہ
PO Box 2256 Keller TX 76244
فون: +1-817-285-9450 +1-480-234-8918
www.alhudaonlinebooks.com

کینیڈا
5671 McAdam Rd ON L4Z IN9 Mississauga Canada
فون: +1-905-624-2030 +1-647-869-6679
www.alhudainstitute.ca

برطانیہ
14 Wangey Road, Chadwell Heath Romford,
Essex RM6 4AJ London U.K.
فون: +44-20-8599-5277 +44-79-1312-1096
alhudauk.info@gmail.com
alhudaproducts.uk@gmail.com

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

فہرست عنوانات

مقدمہ	۱۳
باب۔۱ قرآن کریم	۱۴
تعلیمات	۱۶
اللہ کی کتاب ہونے کے دلائل	۱۹
مفہوم قرآن کی حفاظت	۲۷
قرآن کریم کے اثرات	۲۸
باب۔۲ قرآن کی تعریف کیا ہے؟	
ایک غلط خیال	۳۵
تعارف قرآن	۳۷
قرآن کی خصوصیات	۳۸
قرآن مجید کے چند اور مشہور نام	۴۲
قرآن کریم مؤثر ربانی منہج	۴۸
باب۔۳ تعلیم قرآن	
تعلیم قرآن: اہمیت وضرورت	۵۶
رسول اکرم ﷺ بحیثیت ایک معلم	۶۱
تعلیم قرآن یا تفسیر قرآن؟	۶۳

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

چند بنیادی علوم کی ضرورت	٦٩
تعلیم قرآن کیسے؟	٧٤
طالب علم کی خصوصیات	٧٩
ترجمہ ومفہوم قرآن	٨٠

باب۔۴ وحی

وحی کا معنی ومفہوم	٨٤
شرعی وحی کی اقسام	٨٧
ابلاغ وحی	٩٠
وحی غیر متلو کی متعدد صورتیں	٩٠
نزول وحی کی ابتداء	٩٢
نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت	٩٤
نزول وحی کا دارومدار	٩٦
وحی کی زبان	٩٦
وحی کی حقیقت	٩٦
وحی کے سچ ہونے کے دلائل	٩٧
تورات وانجیل کا حال	١٠١
قدیم الزام	١٠٢
کشف والہام	١٠٣

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

باب۔۵	علم نزول قرآن	
نزول قرآن کے مقاصد		۱۰۶
مراحل نزول قرآن		۱۰۸
مرحلہ وار نزول کی وجوہات		۱۱۱
حکمتیں		۱۱۲
مقدار نزول		۱۲۰
آخری آیات کون سی؟		۱۲۱
باب۔۶	جمع قرآن اور اس کی تدوین	
مقصد جمع قرآن:		۱۲۳
جمع قرآن کے چار ادوار		۱۲۳
عہد نبوی میں		۱۲۴
زمانہ نبوی میں قرآن ایک ہی مصحف میں جمع کیوں نہ ہوسکا؟		۱۳۰
خلافت صدیقی میں		۱۳۱
سیدنا زید کا انتخاب کیوں؟		۱۳۲
جمع قرآن کا طریقہ		۱۳۲
جمع کردہ نسخہ کا نام اور خصوصیات		۱۳۴
خلافت عثمانی میں جمع قرآن		۱۳۵

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

چار رکنی کمیٹی کا قیام	۱۳۷
صوتی وطباعتی جمع	۱۴۰
قرآنی رسم کے تحسینی مراحل	۱۴۱
نقطے اور اعراب	۱۴۲
تحسین حروف کی کوشش	۱۴۳
معنی اور تلاوت کے اعتبار سے تقسیم	۱۴۴
احزاب یا منازل	۱۴۵
اخماس واعشار	۱۴۶
آیت، رکوع، سیپارے اور سورت	۱۴۶
طباعت قرآن	۱۵۰
مصحف مرتل اور قراءت قرآن کے انداز	۱۵۰

باب۔۷ علوم قرآن

تعریف	۱۵۴
فوائد علوم قرآن	۱۵۴
تدوین علوم قرآن کی مختصر تاریخ	۱۵۵
مضامین قرآن	۱۶۱

باب۔۸ علم رسم الخط

عام عربی رسم الخط اور قرآنی رسم الخط	۱۶۷

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

ان دونوں میں فرق اور چھ قاعدے	۱۶۸
رسم عثمانی کی خصوصیات	۱۷۴
رسم مصحف توقیفی ہے یا اجتہادی	۱۷۵
باب۔۹ **حروف سبعہ**	
تعریف اور دلیل	۱۷۸
مقصد حروف سبعہ	۱۸۰
وجوہات	۱۸۰
حروف سبعہ سے مراد؟	۱۸۱
اعتراضات	۱۸۵
فوائد	۱۸۹
حروف سبعہ اب بھی موجود ہیں؟	۱۸۹
قراءت اور حروف میں فرق	۱۹۰
باب۔۱۰ **علم قراء ات**	
لغوی واصطلاحی معنی	۱۹۳
آغاز واسباب	۱۹۴
آپ ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟	۱۹۶
صحیح قراءت کی شرائط	۱۹۷
قراء سبعہ	۱۹۸

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

قراءات کی انواع	۱۹۸
قراءعشرہ	۲۰۴
متعدد قراءات کے فائدے	۲۰۶
مشہور کتب	۲۰۷
باب۔۱۱ علم ناسخ ومنسوخ	
لغوی واصطلاحی معنی	۲۰۹
نسخ کی دلیل	۲۰۹
نسخ کی شرائط	۲۱۰
حکمت نسخ	۲۱۰
آیات منسوخہ کی تعداد	۲۱۰
نسخ کی اقسام	۲۱۰
آغاز بحث	۲۱۵
مقامات نسخ	۲۱۶
نسخ اور بداء میں فرق	۲۱۹
باب۔۱۲ علم اعجاز قرآن	
تعریف	۲۲۱
معجزہ، جادو اور کرامت	۲۲۲
نبوت کی علامات	۲۲۴

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

معجزہ اور امتحان ۲۲۴

دلائل اعجاز ۲۲۵

تاریخ اعجاز قرآن ۲۳۱

قرآن کا چیلنج ۲۳۲

چیلنج کا جواب ۲۳۴

باب۔۱۳ علم مکی ومدنی

تعریف ۲۳۸

مکی ومدنی دور ۲۳۸

حکمت ۲۳۸

مکی ومدنی سور کی پہچان کا طریقہ ۲۳۹

مکی ومدنی سورتوں کی خصوصیات ۲۴۰

اس علم کا فائدہ ۲۴۰

متفقہ مدنی ومکی سورتیں ۲۴۱

مختلفہ سورتیں ۲۴۱

باب۔۱۴ علم محکم ومتشابہ

لغوی واصطلاحی تعریف ۲۴۳

علم محکم ومتشابہ کی حقیقت ۲۴۴

مسئلہ اسماء وصفات ۲۴۵

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

اہل زیغ کا رجحان ۲۴۶

راسخ علماء کا موقف ۲۴۷

متشابہات کی حکمتیں اور فوائد ۲۴۹

باب۔۱۵ علم اسباب نزول

تعریف ۲۵۱

سبب نزول کی بنیاد پر آیات کی تقسیم ۲۵۱

اہمیت وفوائد ۲۵۲

اسباب نزول کی روایات ۲۵۴

مصادر اسباب نزول ۲۵۸

اسباب نزول جاننے کا بنیادی قاعدہ ۲۵۸

باب۔۱۶ علم تفسیر

لغوی واصطلاحی معنی ۲۶۰

تاویل لغوی واصطلاحی معنی ۲۶۰

تفسیر اور اصول تفسیر کا ارتقاء ۲۶۳

ضرورت تفسیر ۲۶۵

تفسیر قرآن کی شرائط ۲۶۶

تفسیر کی قدیم وجدید اقسام ۲۶۷

تفسیر صحابہ کو قبول کرنے کے اصول ۲۷۴

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

تفسیر ماثور میں اختلاف کے اسباب ۲۷۵

کتب تفسیر میں اختلاف ۲۷۷

تفسیر بالرائے اور اقسام ۲۸۰

تفسیر اشاری و باطنی ۲۸۲

تفسیر از لغت عرب ۲۸۶

تفسیر اور اسرائیلی روایات ۲۸۷

چند مفسرین صحابہ و تابعین ۲۹۰

مطبوعہ تفسیر کا انتخاب ۲۹۷

تفسیر ابن جریر تفسیر کبیر تفسیر ابن کثیر تفسیر روح المعانی تفسیر کشاف

چند اردو تفاسیر اور مفسرین ۳۰۳

تفسیر عثمانی ترجمان القرآن تفہیم القرآن تذکیر القرآن تدبر قرآن
احسن البیان معارف القرآن تفسیر القرآن

انحرافی تفاسیر ۳۰۶

غلام احمد پرویز اور ان کی تفسیر بیان القرآن

قادیانی تراجم

مصادر ۳۱۱

©AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

انتساب

اپنی رفیقہ حیات کے نام

جنہوں نے نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم خواتین میں بھی قرآن کریم
کے صحیح فہم کی روح پھونک کرانہیں خواب غفلت سے جگایا
اور رسول رحمت کی محبت واطاعت سے
آشنا کرایا۔

مقدمہ

اسلام کے مقدس دین ہونے کا درست تعارف قرآن کریم کراتا ہے اور اس کی عملی و وضاحتی صورت کی عکاسی جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ کتاب پندرہ سو سال سے ایک زندہ کتاب ہے جس کی ضرورت کل بھی تھی، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی۔ دنیا میں بلین سے زائد مسلمان اس کتاب کے پیغام کو (timeless) سمجھتے ہیں۔ اس لئے اس پر ایمان لانے کا پیغام دنیا کے ہر خطے میں تسلسل سے جاری ہے۔ کتب مقدسہ کے نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر ترقی کی انتہاء پر ایک نئے عروج کی طرف راہنمائی کرنے والی آخری کتاب کا نزول ضروری تھا۔ جس میں خلائی سٹیشن کے قیام کا ذکر ہو اور فضائی حملوں کا بھی۔

اخلاق و شائستگی سے مرصع اس کی عبارت نے ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ جدید تہذیب نے اپنی ترقی کے باوجود جاہلیت، وحشت ناکی، تعصب، نفرت اور عداوت کے جو ڈیرے ڈالے ہیں قرآن انہیں ظلمات سے تعبیر کرتا ہے۔ آخر اسلامی سپین کے ساتھ تعلق و قربت نے اہل مغرب کو کچھ تو فائدہ دیا مگر کیا آج مغرب مسلمانوں سے بیزاری کا اظہار کر کے اپنی شناخت باقی رکھ سکا ہے؟ ماڈرن ازم، پروگریسو اسلام اور مختلف نظام ہائے زندگی وغیرہ پر انسانی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سب ہوا و ہوس کی تکمیل کے پر کشش نام ہیں جن میں اخلاق و تہذیب کا کوئی عنصر یا اصول نہیں پایا جاتا۔

یہ کتاب کسی خاص فرد یا قوم کو ہدف بنا کے اپنے خیالات کو پیش نہیں کرتی بلکہ ہر انسان اور ہر قوم کو یکساں پیغام دیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کوئی قدیم دستاویز نہیں اور نہ ہی صرف محدود وقت اور خطہ عرب کی قوم کی باتیں اس میں ہیں۔ اس نے عقلی دلائل کے ساتھ ایمان اور کفر جیسے نظریات میں تقسیم کی ہے۔ اہل ایمان کو اپنے پیغام سے تازہ بہ تازہ رکھتی ہے اور شیطانی خیالات سے متنبہ بھی۔ کفار کو کفر ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس کا مرکزی نقطہ دعوتِ ربِ ذو الجلال کی صحیح پہچان ہے۔ اس لئے کہ وحی کے بغیر اللہ تعالی کو پہچاننے کی کوشش نے مذاہب کے جنگل کو جنم دیا ہے۔

کچھ ایسے علوم ہیں جنہیں جانے بغیر قرآن کو سمجھا یا جانا نہیں جا سکتا۔ ان علوم کو چھوئے بغیر قرآن فہمی یا قرآنی تدبر کی دعوت قرآن کریم پر سب سے بڑا ظلم ہوگا۔ القابات یا حاصل کردہ سوو ینئر ان کے بغیر بیکار ہیں۔ چند علوم خود قرآن کریم نے ہی بیان کر دئے ہیں اور کچھ علوم علماء کے غور و خوض کا نتیجہ ہیں۔ کتاب ہذا میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ ان علوم کا تعارف طلبہ کو کرا دیا جائے۔ بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے۔ آمین۔

مؤلف

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب : 1

قرآن کریم

القرآن۔۔۔ایک مقدس کتاب ہے جو اللہ کا کلام ہے جسے فرشتوں کے پہرے میں اللہ تعالی نے اتارا اور ہر قسم کی ملاوٹ سے اسے محفوظ کر کے ہر انسان، نبی، فرشتے یا شیطان کی دسترس سے بھی بچا لیا۔ یہ صحیفہ الٰہی ہر شخص کو اس کے مقصد زندگی اور مقام ابدی سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ الہامی الفاظ ہمارے خالق کے ہیں جو ہماری منزل وانجام سے باخبر ہے اور باخبر کرتا ہے۔ یہ سب کے لئے پیام رحمت ہے اور مسلمان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

یہ عظیم کتاب۔۔۔آدمؑ تا رسول رحمت ﷺ، تمام اہم رسل وانبیاء اور ان کی اقوام کی تہذیبی ونظریاتی حالت پر روشنی ڈالتی ہے۔ ان کی ہدایت کا جو سامان اللہ نے فراہم فرمایا اس کا ذکر بھی اس میں ہے۔ گذشتہ قوموں کا عروج وزوال اور اپنی مقدس کتاب سے ان کی عدم دلچسپی کا تذکرہ بھی ہے اور ان کی تحریفی کوششوں کا بھی۔ چند ترقی یافتہ اقوام کا ذکر ان کے قائدین وراہنماؤں سمیت بھی ہے جن کی شرکیہ حرکتوں اور خرافاتی عقائد پر تنبیہ کے بعد انہیں نشان عبرت بنا دیا گیا۔ کتنی سادہ اور صاف بات تھی ان صالح بندوں کی جو ہر دور میں انہیں مخلوق اور بندوں کی عبادت سے توڑ کر رب ذوالجلال کی چوکھٹ پر جھکنے کا درس دیتے رہے۔ جو باز آگئے وہ رب کریم کی رحمت سے بچ گئے اور جو دانستہ اڑے رہے انہیں ان کی ترقی وعروج سمیت توڑ کر رکھ دیا۔ یہ قرآن انہی پیغامات کا تسلسل اور صدائے بازگشت ہے جو تا قیامت وہی نظریہ وعقیدہ ہر اس شخص کو پیش کرنے کے لئے آیا ہے جو زندہ ہے اور شرک کی دلدل میں پھنس کر مختلف توہمات وخرافات میں غرق ہو چکا ہے اور اسے دوبارہ مالک حقیقی کی چوکھٹ پر جھکانا چاہتا ہے۔

اس کتاب نے۔۔۔سابقہ انبیاء سے اور ان پر نازل شدہ کتب وصحیفوں سے کاٹ کر ہمیں صرف اپنے آپ سے اور رسول آخر الزمان ﷺ سے جوڑا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء نہیں رہے، کتب محرف ہو چکیں۔ اس لئے اب کسے رہنما کرے کوئی؟ عالمی راہنمائی کی یہ آخری کوشش ہے جو قرآن کریم کو نازل کر کے اور آپ ﷺ کو رسول خاتم النبیین ﷺ مبعوث فرما کے کی گئی ہے۔ تا کہ دنیا کو توحید کا پیغام امن ملے اور خداؤں کی بھرمار اور شخصیات کی تقلید سے نجات دلائی جائے۔

یہ صحیفہ آسمانی۔۔۔اسلامی عقائد وایمانیات کو عقلی ونقلی دلائل سے پیش کرتا ہے۔ اور یقین دلاتا ہے کہ یہ ایسے نبی اُمی پر نازل ہوا جو مدرسہ، استاذ، قلم وقرطاس سے خالی اپنا بچپن وجوانی رکھتا ہے۔ پڑھنا لکھنا تو کجا، اسے اپنی مادری زبان کے علاوہ کچھ نہیں آتا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تھا۔اس کا یہ حال اس کے معاصرین پر کھلا تھا۔اس لئے ناممکن ہے کہ وہ زمانہ قبل از تاریخ کی باتیں کرے؟ وہ اس فضائے غیر محیط کے چھپے رازوں کو یا بارش وہوا کے نظام کو یا بچے کے رحم مادر میں بڑھنے کے مختلف ادوار کو بہت باریکی اور تفصیل سے از خود بیان کرے؟ ناممکن ہے یہ!!!

یہ عظیم کتاب۔۔۔سیرت رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔اس کی سچائی میں رسول کی سچائی اور رسول کی سچائی میں اس کی سچائی جھلکتی ہے۔آپ ﷺ تو نزول کتاب سے قبل ہی صادق وامین کہلاتے۔سچائی سے لبریز یہ کتاب بذریعہ روح الامین آپ ﷺ تک پہنچی جو آپ ﷺ کے اطلاع دینے پر کلام اللہ تسلیم کی گئی۔اس کے علاوہ جو آپ ﷺ نے فرمایا وہ حدیث رسول بن گئی۔اس فرق کو واضح کرنے کے بعد آپ ﷺ کے رسول اللہ ہونے پر شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ورنہ آپ اپنے کلام کو بھی کلام اللہ فرما سکتے تھے!!! قابل غور بات تو یہ بھی ہے کہ کلام رسول ﷺ میں قرآنی کلمات کا وہ مخصوص انداز و نادر الفاظ کا ذخیرہ تک نہیں جیسا کہ شاعر و ادیب ایک دوسرے کی نقالی کر کے پیش کرتے ہیں۔

یہ الٰہی کلمات۔۔۔ہماری راہنمائی کرتے ہیں کہ ہم کس چیز سے بنے؟ ہماری اصل کیا ہے؟ ہم یہاں کیوں آئے؟ مقصد حیات کیا ہے اور مقصد موت کیا؟ بقاء کیا ہے اور فنا کیا؟ دوسری مخلوقات کے مقابلے میں ہمارا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ ہم کس طرح اس دنیا میں رہ کر صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟ صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ گمراہی کیا ہے اور ہدایت کیا؟ کفر کیا ہے اور ایمان کیا؟ توبہ وانابت کا کیا مقام ہے اور تکبر ونخوت کس مرض کو کہتے ہیں اسی نے ان سے آگاہ کیا۔اسی نے نیکی کا معیار بتایا اور برائی وگناہ کی وضاحت کی۔مجرم کون ہیں اور معصوم کون؟ عاجزی کیا ہے اور تکبر کیا؟ اس کی بھی تفصیلات بتائیں۔ایمان، نفاق اور کفر کے درمیان حد فاصل اسی کتاب نے کھینچی۔سبھی کی وضاحتیں ان کے ذرائع ووسائل سمیت قرآن نے کردیں۔

انسان، تخلیق الٰہی کا بہترین شاہکار ہے۔عام حیوان کی طرح جسم وروح سے اسے مرکب کیا مگر غذا مختلف کردی۔اس کی جسمانی غذا زمین سے عطا کی اور روحانی غذا آسمان سے، جو وحی ہے۔عقل دے کر اسے یہ ملکہ عطا فرمایا کہ وہ قرآن کی آیات اور مفاہیم کو سمجھ سکے۔اس طرح روحانی وجسمانی ضروریات فراہم کر کے انسانی ذوق کو بامقصد اڑان دے دی۔بے مقصد زندگی آوارگی کی نظر ہو جاتی جس سے دنیا کا یہ جمال ماند پڑ جاتا اور بتدریج جہنم کا گڑھا بن جاتی۔یہی قرآن کا پیغام ہے۔

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾(ص:۲۹) یہ کتاب جسے ہم نے اتارا ہے، بہت بابرکت ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔

☆......**العلم** کو اسی نے متعارف کرایا۔قراءت کو اسی نے شہ دی،قلم وقرطاس اسی نے اٹھوائے۔سوچ کو اسی نے مہمیز دی اور درس وتدریس کا مشغلہ اسی نے عطا کیا۔نتیجتاً کائنات میں بکھرے چھپے راز انسان نے ڈھونڈ نکالے۔حقائق پر غور وفکر کرنے کا زور اسی نے ڈالا۔محنت وکوشش کا پھل اسی نے متعین کیا۔جو کرے وہی بھرے کا آفاقی اوراخروی اصول اسی نے پیش کیا۔عروج وترقی کے مدارج اسی نے متعین کئے اور زوال وپستی کی گہری کھائیاں اسی نے دکھائیں۔عزت وذلت ،علم وجہالت، اتحاد واخلاص کو ممتاز اسی نے کیا۔

☆......یہ عظیم کتاب۔۔ڈیڑھ ہزار صدی گذرنے کے باوجود اپنی جدت اوراپنی تاثیر سمیت پوری آن بان کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔گردش زمانہ کے باوجود بتدریج اپنی حقانیت ثابت کرتی جارہی ہے۔ہرسال سینکڑوں غیرمسلم اسے معجزاتی کتاب مان کرحلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔انہی خوش قسمت افراد کے بارے میں ارشادفرمایا:

﴿ قُلۡ هُوَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ فِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرٌ وَّهُوَ عَلَيۡهِمۡ عَمًى اُولٰٓـئِكَ يُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّكَانٍۢ بَعِيۡدٍ ۝﴾ (فصلت:۴۴) کہہ دیجئے!یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اورشفاء ہےاور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں پر یہ بوجھ ہےاور یہ ان پر اندھاپن ہے ایسے لوگ بڑی دوردراز جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔

موضوع قرآن: قرآن کا موضوع حضرت انسان ہے تاکہ وہ اپنے رب وخالق کے پیغام سے آگاہ ہواوردنیا کی بھول بھلیوں میں اتنا گم نہ ہوجائے کہ اس خالق کو بھول جائے جس کے پاس دوبارہ اسے پلٹ کرجانا ہے۔

تعلیمات :

☆......قرآن نے معاشرتی اقدار کی بنیادیں رکھیں اورمہذب دنیا آباد کرنے کا سلیقہ بھی دیا۔فحاشی اور بے حیائی کو بہیمیت قرار دیا۔اتنی واضح اور برحق باتیں کیں کہ ہرچہ باداباد۔معاشرہ کس طرح بنتا یا بگڑتا ہےاس کی بھی نشاندہی کردی۔عروج یازوال کس سے وابستہ ہے؟ دنیا کی ظاہری ترقی سے؟ یاپڑھالکھا ہونے یانہ ہونے سے؟ ارشادفرمایا :

﴿يَهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ﴾ (المائدة:١٦)

اس کے ذریعے اللہ تعالی سلامتی کی راہوں کی طرف اسکی رہنمائی کرتا ہے جواس کی رضامندی کا تابعدار ہواورانہیں اپنے اذن سے اندھیروں سے نکال کرنور کی طرف لے جاتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ قوموں کو عروج عطا کرتا ہے اور کچھ کو اس کے ذریعے سے ذلیل کرتا ہے۔

☆...... اس نے بتایا کہ انسان پر دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں۔ ہاں اس سے یہ مطالبہ ضرور ہے کہ اپنے محسن کی مرضی کا ضرور خیال رکھے۔ اس لئے اگر انسان اچھے کام کرے گا تو اس کا انجام اچھا ہوگا اور اگر برے کام کرے گا تو برا۔ اسے بھی اچھے برے کے اختیار کی آزادی دیتا ہے۔ دوسری مخلوقات کی طرح اسے باندھا اور جکڑا نہیں بلکہ اسے چھوڑ دیا تا کہ آزادی کا بھر پور فائدہ اٹھائے اور اپنی خوشی و مرضی سے اعمال بجالائے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے۔

﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (البقرة: ٢٥٦) دین میں کوئی جبر نہیں بھلائی گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا ○﴾ (الدهر: ٣) ہم نے اسے راہ دکھادی ہے خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا بنے۔

☆......زندگی اور موت کی تخلیق کو امتحان قرار دیا کہ کون احسن عمل سے ہمکنار ہوتا ہے اور کون سوءِ عمل کا شکار؟ اس امتحان میں کامیاب کون ہوتا ہے اور ناکام کون؟ بندے کی آخری سانس پر اس کا فیصلہ رکھا ہے جو اسے اس لمحہ باور کرادے گا کہ اس کی منزل اب کہاں ہے؟

﴿وَفِيْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففين: ٢٦) اسی کے حصول میں مقابلہ کرنے والوں کو ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

☆......حضرت انسان اپنی فردوس گم گشتہ کو دوبارہ کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ اس کے گر بھی بتادئے۔

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○﴾ (البقرة: ٣٨) اگر تمہارے پاس میری طرف سے راہنمائی آئی تو تم میں جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو ایسوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......جو اس کی پیروی نہیں کرے گا وہ ضلالت و بدبختی کا پیکر ہے اور آتش جہنم کا ایندھن ہے۔

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ﴾(ھود: ۱۷) جماعتوں میں سے جو بھی اس قرآن کا انکار کرے تو اس کے لئے دوزخ ہی وعدے کی جگہ ہے۔

اور جو اس کی پیروی کرے گا وہ ہدایت کی روشنی میں ہے۔ ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ (طٰہٰ:۱۲۳) تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا اور نہ ہی بدبخت ہوگا۔

☆......کتاب کے کچھ حصے کو مانا جائے اور کچھ کو نہ مانا جائے تو ذلت اور رسوائی مقدر ہو جاتی ہے۔

﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.﴾(البقرۃ: ۸۵) کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں۔ جو بھی تم میں ایسا کرتا ہے اس کی سزا دنیاوی زندگی میں سوائے رسوائی کے اور کچھ نہیں۔

☆......ایسے ناصح سے اعراض برتنے والے زیبرے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگتے ہیں۔

﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ٥ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ٥ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ (المدثر: ۴۸-۵۰) انہیں کیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے اعراض کر رہے ہیں گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں۔

☆......مبارک ہے وہ جو اسے حجت سمجھتا ہے اور ستیاناس ہو اس کا جس کے خلاف یہ حجت بن جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْقُرآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَو عَلَيْكَ۔ قرآن یا تو تمہارے حق میں ایک حجت بنے گا یا تمہارے خلاف۔

☆......کتاب اللہ ہو مگر اس پر عمل نہ ہو تو طور جیسے کئی پہاڑ عذاب کی صورت میں سر پر لا کھڑا کرتا ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا۔﴾(۹۳/۲) اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر طور اٹھا کھڑا کیا۔ پکڑو اس کتاب کو قوت کے ساتھ اور غور سے اس کے احکام سنو۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اللہ کی کتاب ہونے کے دلائل

کیا قرآن واقعی اللہ تعالی کی کتاب ہے؟ اس دعوی کی کیا دلیل ہے؟ اس حیران کن سوال کے بے شمار جواب اور دلائل ہیں جو یقینی شہادت دیتے ہیں کہ قرآن کریم واقعی اللہ تعالی کی کتاب ہے۔ آیئے ان دلائل کو دیکھتے ہیں:

دلائل: توراۃ وانجیل کے برعکس، قرآن مجید ہی واحد کتاب ہے جس میں عربوں کی تاریخ ہے نہ سیرت رسول۔ جیسا کہ توراۃ میں یہود کی تاریخ بتائی گئی ہے اور انجیل کی متی (Matthew)، مرقس (Mark)، لوقا (Luke) اور جان (John) میں سیدنا عیسی علیہ السلام کے حالات زندگی بتائے گئے ہیں۔ مگر قرآن کریم میں صرف توحید کی دعوت اور دین وشریعت کا تعارف ہی ہے

☆ ......قرآن کہتا ہے اور اہل عرب بھی جانتے تھے کہ ہمارے رسول ﷺ امی تھے۔ آپ ﷺ نہ سکول وکالج گئے اور نہ ہی کسی استاذ کے آگے زانوئے ادب تہہ کئے۔ عبرانی وسریانی زبانیں سیکھنا تو کجا آپ ﷺ کی کسی عیسائی یا عجمی سے دوستی تک نہ تھی کہ اس سے آپ ﷺ کی مذہبی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر عرب عجمی شخص سے آپ ایسی فصیح زبان اور نظریہ سیکھیں جو مقامی عرب خطباء کو بے بس کردے اور عقیدہ توحید، آل یعقوب وآل عمران کے حقائق اس طرح منکشف کرے جو سابقہ مذاہب کی جڑ کاٹتے ہوں؟ کسی مشرک وکافر نے اسے بطور ہتھیار بھی آپ ﷺ کے خلاف پروپیگنڈہ نہیں بنایا۔ بار ہا چیلنجز بھی دئے گئے کہ اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ مگر وہ بھی نہ لاسکے۔ آپ ﷺ نے بھی اس کتاب کو اپنی طرف منسوب نہ کیا۔

☆ ......کیا یہ ممکن ہے کہ ایک امی نبی ورسول اپنے کلام میں سائنسی باتیں کرے، پیشین گوئیاں دے، اور کائنات وحضرت انسان کے آغاز ونشو ونما کے چھپے رازوں سے پردہ اٹھائے؟ امی ہوکر ایسے کلام کو پیش کرنا عظیم معجزہ نہیں؟۔

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ﴾ (العنکبوت:٤٨،٤٩) آپ اس کتاب کے نزول سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی اپنے داہنے ہاتھ سے کچھ قلمبند کیا کرتے تھے ورنہ یہ باطل پرست تو شک میں رہتے۔ بلکہ یہ روشن آیات ہیں۔

☆ ......حاسد خود متذبذب تھے کہ آخر ہم اس کتاب کو کیا کہیں۔ کیونکہ وہ کبھی اسے شعر کہتے اور کبھی کہانت، کبھی جادو، تو کبھی مجنونانہ باتیں کہہ کے ٹرخاتے۔ مگر قرآن کریم اپنی لطیف وٹھوس گفتگو سے انہیں یہ قائل کرتا رہا کہ یہ اللہ تعالی کا کلام ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......رسول اکرم ﷺ کو یہ اجازت نہیں تھی کہ آپ ﷺ قرآن میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی کریں۔

﴿ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾(یونس: ۱۵) اور جب ان پر ہماری روشن آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجیے۔آپ فرما دیجیے کہ میرے لئے جائز نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔

☆......اگر آپ ﷺ تبدیلی کرتے تو یہ انتہائی سنگین جرم ہوتا۔کیونکہ دین میں معمولی سی تبدیلی سارے منصوبہ کو خاک میں ملا دیتی ہے۔اللہ تعالی نے اس کی بھی ضمانت دی اور فرمایا:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ ۝ لَأَخَذْ نَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنِ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (الحاقة:۴۸،۴۴) اور اگر یہ رسول ہم پر کوئی بات گھڑ لے تو ہم اس کے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیں پھر اس کی رگ جان کاٹ دیں تب تم میں کوئی نہ ہو جو اسے بچا سکے۔اور بلاشبہ اس میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔

دین میں معمولی ہیر پھیر کی اجازت جب رسول اللہ ﷺ کو نہیں تو علماء ربانی کو بھی نہیں۔کیونکہ ایسا کردار یہودی ربی اور عیسائی پوپ کا ہے۔جس کی مذمت قرآن کریم کر چکا ہے۔

☆......جبریلؑ امین سے بھی اسے پہنچانے میں کوئی بھول چوک نہیں ہوئی۔

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝﴾ (التکویر:۱۹ ۔ ۲۱) بے شک وہ معزز قاصد کا کلام ہے جو قوت والا ہے۔خدائے عرش کے نزدیک مرتبے والا ہے اسکی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ وہاں امین ومعتبر ہے۔

☆......قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا۔جس کا مقصد اصحاب رسول کو بہ آسانی یاد کرانا تھا۔آپ ﷺ ہی پہلے فرد تھے جنہوں نے قرآن پاک کو حفظ کیا اور آپ ﷺ ہی پہلے فرد تھے جنہوں نے صحابہ کرام کو اس کی حفاظت کی ترغیب دی۔

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۶) اور اس قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے نازل کیا ہے تا کہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناؤ۔

☆......قرآن مجید عرب ماحول میں نازل ہوا تھا۔عرب اگر چہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے مگر پختہ قوت حافظہ کے مالک ضرور تھے۔ انہیں اپنی تاریخ، جنگوں کے حالات، نہ صرف اپنے نسب نامے بلکہ اونٹوں کے نسب بھی سات پشتوں تک یاد ہوتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا تو انہوں نے اس کی قدر و منزلت جانی اور اسے یاد کرنے کا خاص اہتمام کیا۔

☆......قرآن کی حفاظت کتابت کے ذریعے بھی ہوئی۔ کاتبین وحی گو کم تھے لیکن ہر وقت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ پھر جونہی کوئی وحی نازل ہوتی آپ ﷺ انہیں بلوا کر وہ آیات لکھوا لیتے۔ یہ کاتب انتیس۔۔اور بعض علماء کے نزدیک۔۔ انچاس تھے۔ان کاتبین میں مرد حضرات کے علاوہ خواتین بھی شامل ہیں۔جن میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن بھی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

☆......آنے والے واقعات کے بارے میں قرآن مجید نے جو اشارے دیے جو حرف بحرف ثابت ہوئے اور ہو رہے ہیں مثلاً:

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ...﴾

(الروم:۱۔٤) الم۔اہل روم مغلوب ہو گئے اس ملک میں جو حجاز سے متصل ہے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غلبہ حاصل کرلیں گے چند برسوں میں۔

☆......قرآن مجید نے بعض ایسی قوموں کے حالات بیان کئے جن کا نام و نشان مٹ چکا تھا اور قصہ پارینہ بن چکے تھے۔عرب بھی انہیں بھول چکے تھے۔ان کے حالات کی طرف قرآن مجید نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ....﴾

(ھود: ٤٩) یہ واقعات غیب کی خبروں میں سے ہیں جنہیں ہم آپ کو وحی کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔وحی سے قبل نہ آپ انہیں جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔

☆......جدید سائنس نے کائنات کے بارے میں جن حقائق کا انکشاف کیا ہے یہ ابھی ابتداء ہے مگر اس متأخر سائنسی تحقیق سے کہیں آگے کے گہرے اشارے قرآن کریم نے ڈیڑھ ہزار سال قبل دے دئے تھے۔جن کا پہلے کسی کو علم تھا اور نہ ان کی حقیقت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سائنس دانوں پر منکشف ہو سکی۔ ان آیات میں یہ اشارے ملتے ہیں:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾ (الأنبياء: ۳۰) کیا ان کافروں کو یہ بات معلوم نہیں کہ آسمان وزمین دونوں باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے ان کو الگ الگ کیا ہم نے ہی ہر شے کو پانی سے زندگی عطا کی کیا اس پر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

پہلی آیت میں لفظ رَتْقٌ اور فَتْقٌ کے الفاظ پر غور کریں تو ساری سائنس سمجھ آ جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی موجودہ سائنسی تعبیرات کی علمی کم مائیگی و عاجزی بھی۔ رتق کسی چیز کا باہم گڈمڈ اور باہم گتھا ہوا ہونا۔ اور فتق کسی چیز میں بڑا سا شگاف ڈال کر اسے کھول دینا یا دو متصل چیزوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا۔ Big Bang یا Little Bang جیسی بدلتی تھیوریز میں ابھی یہ پختگی کہاں؟

﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَسْقَيْنٰكُمُوهُ ۚ وَمَآ أَنْتُمْ لَهُ بِخٰزِنِينَ ۝﴾ (الحجر: ۲۲) ہم ہی بھیجتے ہیں بار آور بوجھل ہوائیں، پھر آسمان سے پانی برسا کر وہ تمہیں پلاتے ہیں۔ جب کہ تم اس کو سٹور کرنے والے نہیں ہو۔

اس آیت میں لفظ أرسلنا الرياح لواقح قابل غور ہیں کہ ایک مرتب نظام کے تحت ہوائیں بن کر آتی ہیں اور بیجوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا (Pollinate) کر چلی جاتی ہیں۔ نیز ہر قطرہ بارش Y, X کا بھی حامل ہے جو اس بیج میں جامؤ ثر ہوتا ہے۔

☆...... گو قرآن مجید سائنسی کتاب نہیں مگر جدید سائنس کے کائناتی انکشافات کے اشارے اس میں موجود ہیں۔ جن سے حضرتِ انسان صدیوں لاعلم رہا۔ مثلاً:

☆...... قرآن کریم نے زمین کے گردش کرنے اور اس کے گول ہونے کا دعوی کیا ہے۔ ﴿وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا﴾ (النازعات: ۳۰) اس کے بعد اس نے زمین کو پھیلا دیا دحوة: شتر مرغ کے انڈے کو کہتے ہیں۔ جو بیضوی شکل کا مگر گول زیادہ ہوتا ہے۔ گولائی میں زمین کو دور دور تک پھیلانے کو عربی میں دحٰی کہتے ہیں۔

☆...... بارش کیسے ہوتی ہے؟ قرآن کریم اس کی تفاصیل دیتا ہے:

﴿...اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ...﴾ (النور: ۴۳) بے شک اللہ تعالی بادلوں کو چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے۔ پھر ان بادلوں کو تہہ در تہہ کر دیتا

ہے پھر تم دیکھتے ہو بادل میں سے مینہ برس رہا ہے۔

☆...... تمام اشیاء میں نر و مادہ کا وجود ہے۔قرآن کریم کہتا ہے:

﴿وَمِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ﴾ اور ہر شے سے ہم نے جوڑے پیدا کئے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (الذاريات: ٤٩)

زوج کا لفظ نر و مادہ کے وجود یا شعور کے لئے ہے۔

☆......چاند، سورج، گلیکسیز، بلیک ہولز اور سیاروں کے مقررہ راستے ہیں اور وہ گردش کر رہے ہیں:

﴿كُلٌّ فِيۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ O﴾ (الأنبياء: ٣٣) ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گھوم رہا ہے۔

☆......سورج کی اپنی روشنی ہے اور چاند اس کی روشنی سے منور ہوتا ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا﴾ (یونس: ٥) وہی تو ہے جس نے سورج کو ضیاء دی اور چاند کو روشن بنایا۔

ضیاء اس روشنی کو کہتے ہیں جو اپنی ہو اور نور دوسرے سے مستعار روشنی کو کہتے ہیں۔

☆......مادہ مکھی ہی شہد جمع کرتی اور بناتی ہے نیز اس کی طرزِ معاشرت بھی عجیب ہے:

﴿وَأَوۡحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحۡلِ أَنِ اتَّخِذِيۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا﴾ (النحل: ٦٨) تمہارے رب نے مادہ مکھی کو الہام کیا کہ وہ پہاڑوں پہ اپنے گھر بنائے۔

☆...... بچہ رحمِ مادر میں کن تدریجی مراحل سے گذرتا ہے۔اس کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟ اور کتنے پردوں میں اس کی حفاظت کی جاتی ہے؟ قرآن مجید آگاہ کرتا ہے کہ ﴿فِيۡ ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ﴾ (الزمر: ٦) تین پردوں میں رہتا ہے۔اور بالآخر ایک نئی اٹھان کے ساتھ دنیا میں آتا ہے۔

☆......خلاء میں ٹوٹ پھوٹ کا ہیبت ناک نظام ہے اور اس سے جتنا پھیلاؤ ہو رہا ہے حضرت انسان ابھی تک حیرت زدہ ہے۔قرآن کہتا ہے: ﴿وَإِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ﴾ (الذاريات: ٤٧) ہم کائنات کو وسعت دیتے اور پھیلاتے جا رہے ہیں۔اب وہ خود کو اور اپنے (Planet) کو اس (Cosmos) کا حصہ تو ضرور سمجھنے لگا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆...... یہ بھی حقیقت ہے کہ زمین کا قطر کم ہو رہا ہے۔ ﴿نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ (الرعد: ٤١) ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں۔

☆...... مادہ مچھر کے اوپر کیا چیز ہوتی ہے جس کی مثال قرآن میں دی گئی ہے: ﴿مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ (البقرة:٢٦) مائیکروسکوپ بتاتی ہے کہ وہ اس کی جوں ہے۔ کتنی حیران کن ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں ان گنت بیان شدہ حقائق ہیں جن کے سامنے حیاتیات (Biology) ارضیات (geology) اور طبیعیات (Physics) اور دیگر علوم وسائنسز ابھی طفل مکتب ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر کیا ان حقائق کا انکشاف آج کے مسلمان سائنس دان نے کیا؟ اور کیا سائنس دانوں نے اللہ تعالی کی عظمت وکبریائی کو تسلیم کیا؟

☆......قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو تورات وانجیل میں کی گئی تحریف وتبدیلی سے آگاہ کرتی ہے اور انبیاء ورسل پر تھوپے گئے بے سروپا واقعات والزامات کی سختی سے تردید کرتی ہے۔ بلکہ ان کی عصمت واحترام اور رب کریم کے ہاں ان کے مقام عالی کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے مھیمن کہا گیا ہے۔ عورت کو الزام دینا کہ وہی گناہ کی جڑ ہے اور جنت سے آدم کے اخراج کا سبب بنی ہے جس کی سزا اسے اللہ تعالی نے حیض کی تکلیف میں ڈال کر دی ہے۔ ان نامعقول باتوں کا جواب انتہائی معقول انداز میں دیا ہے۔ یہ کتاب عصمت انبیاء اور احترام خاتون کی محافظ ہے۔ اقوام کے عروج وزوال کے اسباب کھل کر بیان کرتی ہے تاکہ مجرم اپنی حرکتوں کو معصومیت کا یا نسلی تفاخر کا درجہ نہ دے دیں۔ اور جرائم کی دنیا میں انہیں کوئی ملامت کرنے والا نہ رہے۔ ایسا انکشاف اللہ تعالی کا کلام ہی کر سکتا ہے۔

☆......قرآن مجید نے سابقہ کتب وانبیاء کی تصدیق کی۔ اور واضح کیا کہ توحید کے احیاء اور شرک کی بیخ کنی کے لئے ہی انبیاء کرام کی بعثت ہوئی، انہیں معجزات بھی عطا کئے۔ کتب وصحیفے نازل کئے۔ اسی کی تعلیمات ہیں کہ سیدنا عزیر ہوں یا عیسی علیہما السلام دونوں ابن آدم ہیں۔ جن کے لئے حیات وموت لازمی ہے۔ اہل کتاب کا رسول اکرم ﷺ کی آمد کا بے تابانہ انتظار اور رب کریم کے حضور آپ ﷺ کی آمد کے لئے ان کی گڑگڑاتی دعائیں یہ سب حقائق ہیں جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے۔ آپ ﷺ کے بارے میں اہل کتاب کے ہاں اتنی واضح علامات کا ہونا جیسے اپنے حقیقی بیٹے کو پہچاننا، نیز صحابہ رسول کی صفات کا توراۃ وانجیل میں مذکور ہونا اور سیدنا عیسی بن مریم علیہ السلام کا علی الاعلان بنو اسرائیل کو آپ ﷺ کی آمد کے بارے میں آگاہ کرنا حتی کہ نام تک کا بتادینا، ان سب کی تصدیق قرآن کریم نے کی۔ مگر کس چیز نے انہیں اپنی کتاب کے احکام تسلیم کرنے سے روک دیا؟۔

☆......صحف ابراہیمی وموسوی ناپید ہو گئے مگر ان کی تعلیمات کیا تھیں؟ اہل کتاب ہمیں بتائیں یا نہ بتائیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ان میں بھی اللہ تعالی کے بااختیار اور مالک کل ہستی ہونے کا تعارف تھا اور لوگوں کو اسی کی چوکھٹ پر جھکنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ان میں واضح ہدایت یہ بھی تھی کہ روز قیامت نسلی تفاخر کی بجائے صحیح ایمان کے ساتھ انفرادی نیکی وشرافت ہی کام آئے گی۔مثلاً:

کیا اسے خبر نہیں کہ کیا کچھ صحف موسی اور ابراہیم میں تھا۔ابراہیم بھی وہ جس نے وفا کا حق ادا کیا۔(وہ یہ تحریر تھا) کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔اور یہ بھی کہ انسان کے لئے کچھ نہیں مگر اتنا جتنا وہ خود کوشش کرتا ہے،اور بے شک اس کی کوشش ودوڑ دھوپ بھی ضرور دیکھی جائے گی۔پھر اسے اس کی پوری جزاء دے دی جائے گی۔اور یہ بھی کہ اپنے رب ہی کی طرف انتہاء ہے۔۔اور یہ بھی کہ وہی ہے جو ہنساتا ہے اور رلاتا ہے،اور یہ بھی کہ وہی ہے جو مارتا ہے اور جلاتا ہے۔یہ بھی کہ اسی نے جوڑے نر اور مادہ پیدا کئے۔ایک ایسے نطفے سے جب وہ ٹپکایا جائے۔اور یہ کہ اسی کے ذمہ ہے دوبارہ اٹھانا،اور اسی نے ہی غنی کیا اور مالدار بنایا ہے،اور وہی ہے جو شعری (ستارے) کا رب ہے۔اور بلاشبہ اسی نے ہی پہلی قوم عاد کو ہلاک کیا،اور قوم ثمود کو بھی۔پھر کچھ باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی،بلاشبہ یہ سب انتہائی ظالم اور سرکش لوگ تھے۔اور اسی نے پلٹا الٹی ہوئی بستیوں کو، پھر ان پر چھا گیا جو چھانا تھا۔تو تم اپنے رب کی کون کون سے نعمتوں پر جھگڑو گے؟ یہ تو تنبیہ ہے پہلی تنبیہات میں سے،آنے والی قریب آ گئی،اللہ کے علاوہ کوئی اسے ظاہر کرنے والا نہیں۔تو کیا تم اس قرآن سے تعجب کرتے ہو؟اور ہنستے ہو، روتے نہیں،اور تم کھیل تماشہ کر رہے ہو؟ پس سجدہ کرو اللہ کے لئے اور عبادت کرو (اسی کی)۔(النجم:٣٦-٦٢)

اسی طرح یہ ذکر بھی فرمایا:

بلاشبہ وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا،اور یاد کیا اس نے اپنے رب کے نام کو اور نماز پڑھی نہیں بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔یقیناً یہ نصیحتیں تھیں پہلے صحیفوں میں،ابراہیم وموسی کے صحیفوں میں۔

(الأعلی:١٤-١٩)

☆......سابقہ کتب وصحائف مکتوب نازل ہوئے جن کی حفاظت کی ذمہ داری انہی کی تھی۔حکمت یہ تھی کہ جب ان کی نااہلی کے سبب ان میں تحریف ہو تو انہیں ناقابل عمل قرار دے کر آخر میں ایک ابدی کتاب بتدریج نازل کر دی جائے جو تمام انسانیت کی فلاح کا پیغام لئے ہوئے ہو۔قرآن پاک ہی وہ آخری الہامی کتاب ہے جو ہر قسم کی تحریف وتبدیلی سے پاک آج بھی اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے۔صحابہ کرام نے اسے آپ ﷺ سے محفوظ کیا اور پھر نسلاً بعد نسلٍ اس کی حفاظت کی ریت چلی آ رہی ہے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾ (الحجر:۹) بے شک ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

☆ ......مشہور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے: وہ مصحف جسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا تھا وہی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتا ہم تک بغیر کسی تحریف کے پہنچا ہے۔ اس کی حفاظت ایسی کی گئی کہ شمہ برابر اس میں تبدیلی نہ ہوسکی۔ بلکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس مصحف کے بے شمار نسخوں میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوسکی۔ اسلامی ممالک میں متداول یہی نسخے تمام مسلمان فرقوں میں عام ہیں۔ کوئی ایسا نسخہ قرآن نہیں ملتا جو متنازعہ ہو۔ یہی قرآن پاک کے منزل ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

☆ ......قرآن پاک میں کسی بھی قسم کی تحریف و تبدیلی نہ ہونے کا ثبوت ایک رپورٹ سے ملتا ہے جو اس صدی کے اوائل میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ایک طویل ریسرچ کے بعد شائع کی گئی۔ دنیا میں موجود قدیم و جدید قرآن کے نسخے اکٹھے کر کے ان کا آپس میں مقابلہ کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۳۳ء تک تقریباً بیالیس ہزار نسخے خریدے گئے جن کی مائیکروفیلمز اس انسٹی ٹیوٹ میں پہنچائی گئیں۔ یہ کام ابھی جاری تھا کہ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک بم گرا اور عمارت، اس کی لائبریری اور عملہ سب کچھ برباد ہوگیا۔ لیکن جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں:

”قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیاں تو کہیں کہیں ملتی ہیں لیکن اختلافی روایت کوئی نہیں ملتی۔ مراد یہ کہ کتابت کی غلطی جو کسی ایک نسخے میں ہو باقیوں میں نہیں ہے۔ یہ چیز تو پائی جاتی ہے لیکن اختلافی روایت یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں ملے، ایسا کہیں نہیں۔“

☆ ......الحمد للہ مشرق و مغرب میں قرآن کریم کے تمام نسخے ایک جیسے ہیں۔ گو مسلمانوں میں فرقہ واریت ہے مگر ایسا نہیں کہ ہر ایک فرقے کے الگ الگ نسخے ہوں جیسا تورات و انجیل کا حال ہے کہ عیسائیوں کے پاس جو تورات ہے وہ اس تورات سے مختلف ہے جو یہود کے ہاتھ میں ہے اور سامرہ کے پاس ان دونوں کے نسخوں سے مختلف نسخہ ہے۔ اسی طرح انجیل کی چاروں کتب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ایک انجیل وہ ہے جسے سیدنا عیسی علیہ السلام کے شاگرد متی نے عبرانی زبان میں شام میں رفع عیسی کے نو سال بعد تالیف کی۔ دوسری وہ جو شمعون کے شاگرد مرقس ہارونی نے انطاکیہ میں یونانی زبان میں تئیس سال بعد لکھی۔ کہا یہ جاتا ہے کہ شمعون نے یہ لکھی مگر ان کا نام شروع ہی سے مٹ گیا اور مرقس کی جانب منسوب ہوگئی۔ تیسری انجیل شمعون کے ایک اور شاگرد لوقا نے انطاکیہ میں ہی لکھی۔ چوتھی وہ ہے جو سیدنا عیسی علیہ السلام کے شاگرد یوحنا نے رفع عیسی کے ساٹھ سال بعد لکھی۔ یہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

چاروں کتب انجیل کہلانے کے باوجود ایک دوسرے سے مختلف، غیر مرتب اور منتشر ہیں۔ (یہود و نصاری تاریخ کے آئینہ میں ص ۱۱۳)

مفہوم قرآن کی حفاظت۔ ایک اور معجزہ

☆ ......مختلف حربوں سے اسے مشکوک بنانے، اسے دہشت گرد کتاب قرار دینے اور اسے محرف کرنے کی اندر اور باہر جو کوشش وسازش ہوئی اس کی تاریخ اہل علم پر عیاں ہے۔ مگر اللہ نے اس کی حفاظت خود ذمہ لی اور مسلمانوں کی قوت حفظ سے بھی کر ڈالی۔ رسول اکرم ﷺ کی تشریح وعمل کو دوام بخش کے قرآن کریم کے کلمات ومصطلحات کی حفاظت بھی فرما دی۔ یوں حدیث رسول بھی محفوظ ہو گئی۔ مسلم علماء نے بھی انہی تراجم وتفاسیر کو معتبر قرار دیا جو تعلیمات رسول سے ہم آہنگ تھیں۔

☆ ......قرآن کا ہر لفظ مختلف پہلوؤں سے غور وفکر کا طالب ہے۔ علماء نے کوشش کی کہ عوام کو اصل عربی زبان میں قرآن سمجھایا جائے تا کہ ترجمہ کی ضرورت نہ رہے۔ انہوں نے علوم صرف ونحو مرتب کئے۔ گردان بنائی جس میں واحد، تثنیہ وجمع اور مذکر ومؤنث، غائب وحاضر اور متکلم کے صیغے نیز ماضی وحاضر ومستقبل کے لفظ متعین کئے۔ امر ونہی وافعل التفضیل کے افعال وغیرہ نے قرآن کریم میں مذکور افعال کے مفہوم کو سمجھنے میں خوب معاونت کی۔ اسماء وافعال اور حروف کی خصوصیات واضح کیں۔ مرفوعات، منصوبات اور مجرورات نیز معرب ومبنی کے تعین نے طلبہ کو سمجھا دیا کہ صحیح مفہوم کیا ہے تا کہ معنوی غلطی سے بچا جا سکے۔

☆ ...... جہاں ترجمہ وتشریح کی ضرورت محسوس ہوئی اسے قرآن مجید کے الفاظ وحی سے جدا کرنے کی کوشش کی اور نہ اس کی اجازت دی۔ قرآن مجید کو محفوظ کتاب سمجھ کر اب مسلم علماء نے بغیر نص (Text) کے ترجمہ شائع کرنے کی اجازت دی۔ پہلے یہ پابندی اس لئے تھی کہ سابقہ کتب کی تحریف اسی اجازت ہی سے ہوئی اور نص غیر اہم ہو کر محفوظ نہ رہی۔

☆ ......دنیا کی ہر زبان وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے مگر قرآن کی وجہ سے عربی زبان بدل نہ جا سکی۔ اس کے اصل معنی برقرار رکھنے کے لئے جاہلی دور کے محاورات اور ہزاروں اشعار محفوظ کئے گئے تا کہ ان سے استدلال لیا جا سکے۔ حالانکہ ان اشعار ومحاورات کی روح اسلامی تعلیمات کے منافی تھی۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ زبان کی مستقبل میں ممکنہ وقتی تبدیلی مفاد پرستوں کو قرآن مجید کے مفہوم بدلنے میں معاونت نہ کر دے۔ جیسا کہ عربی زبان کو ماڈرن زبان بنانے اور مختلف مقامی لہجات کو رواج دینے کی تحریک عرب دنیا میں عیسائی اور یہودی عربوں نے چلائی مگر قرآن کریم کی موجودگی نے یہ سازش ناکام بنا دی۔ حفاظت قرآن وحدیث کے لئے ان دونوں کی مشترکہ اور علیحدہ لغات لکھی گئیں۔ جن میں واقعہ اور موقع کی تبدیلی کی نشاندہی بھی کی گئی تا کہ مستقبل میں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

زبان کی تبدیلی ان دونوں کے مفاہیم پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

☆......قرآن کی اصل تفسیر رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہے آپ ﷺ پر ہی وہ اترا ہے اس لئے آپ ﷺ ہی اس کے صحیح اور مستند معلم ومفسر ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالی نے انسانی عقول پر فہم قرآن کا دارومدار نہیں رکھا بلکہ جناب رسالت مآب ﷺ کے ذریعے سے اپنے کلام کی مراد واضح کردی تاکہ احتمالات کا دارومدار ہی ختم ہو جائے یا کم از کم مختصر ہو جائے۔ اس ضمن میں قرآن کے مفاہیم کو جاننے کے لئے آپ ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبنی لاکھوں ابواب اور ہزاروں اوراق احادیث وسیرت کو جمع کیا گیا۔

☆...... ماہرین قرآن نے یہ بھی قرار دیا کہ قرآن کریم کے الفاظ کا حقیقی معنی کیا جائے۔ مجازی معنی صرف وہاں ہو جہاں کوئی قرینہ ہو۔ ورنہ یہ کوشش قرآن کے مفہوم کو بدلنے اور بگاڑنے کی ہوگی۔ جیسے **استوی علی العرش ، جنت وجھنم ، ملائکة، والتین والزیتون** کے الفاظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہوں گے کیونکہ مجازی معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

☆......وحی الہی نے یہ بھی طے کیا کہ جن شرعی اصطلاحات کو قرآن مجید نے خود متعارف کرایا ہے ان کی مراد وہی لی جائے گی جو رسول اکرم ﷺ نے قولاً وعملاً اختیار فرمائی۔ جیسے صلوۃ، زکوۃ، صوم اور حج وغیرہ۔ (ماخوذ از مقدمہ تفسیر ثناء اللہ امرتسریؒ)

مقام شکر ہے کہ یہ کوششیں کافی حد تک کامیاب رہیں۔ مگر الحاد پرستوں نے قرآنی مفہوم کو بگاڑنے میں بھی پورا زور صرف کیا اور اپنی دانش وتدبر کے ایسے تاویلی مفاہیم ایجاد کئے کہ شیطان بھی حیران رہ گیا۔ ان بددیانت مولفین نے حقائق کو بدلنے میں انتہاء کردی۔ کبھی لغت کا سہارا لیا تو کبھی حدیث کو تاریخ کہہ کر ٹرخانے کی کوشش کی۔ کبھی سنت نبوی کو خرافات سے تعبیر کیا اور کبھی حدیث کے حجت شرعی ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ سب دوڑ دھوپ اس لئے کی کہ کسی طرح سنت رسول راہ سے ہٹ جائے۔ زمانہ نبوت کی تشریحات پر اعتماد نہ رہے اور قرآن مجید کو من پسند تاویلات کی سان پر چڑھا کر حسب منشاء خرافات کا راستہ صاف کر دیا جائے۔ یا پھر غیروں کے سہارے نئی نبوت کا ڈھونگ رچایا جائے۔ اس آویزش وجدال میں فریقین کہاں تک کامیاب ہوئے ہر فریق کو اپنے دل سے دریافت کرنا چاہئے کہ ہمارا رب بھی ہماری نیتوں کو جانتا ہے اور بہر حال اس کے حضور پیش بھی ہونا ہے۔

☆☆☆☆☆

قرآن کریم کے اثرات:

☆......یہ مکی لوگ ہی تھے جو قرآن کریم کی تاثیر سے خائف تھے اور منصوبہ بند تھے کہ جہاں کہیں یہ پڑھا جائے خود نہیں سننا اور

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نہ ہی سننے دینا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ صرف اس کا سماع ہی ہمارے دل کے تاروں کو نہ صرف چھیڑتا ہے بلکہ رام کر دیتا ہے۔ ابن ہشام نے سیرت میں لکھا ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق تینوں رات کے اندھیرے میں ایک دوسرے سے چھپ کر اس لئے نکلے کہ آپ ﷺ سے وہ قرآن سنیں جو رات کے وقت آپ اپنے گھر میں پڑھا کرتے۔ اتفاق سے جو بھی آیا دوسرے کو علم نہ ہوا اور اس نے بیٹھ کر خاموشی سے قرآن سنا۔ فجر سے پہلے جب واپس ہوئے تو راستے میں ایک دوسرے کو ملے۔ جب سبھی نے اپنا مقصد بتایا تو ایک دوسرے کو ملامت کی اور نصیحت بھی کی کہ اپنی اس حرکت کا علم عام مکی لوگوں کو نہ ہونے پائے ورنہ ان کے دل میں خوانخواہ آپ ﷺ کے بارے میں سچائی کا خیال آنے لگے گا۔ پھر چلے گئے۔ یہی کچھ انہوں نے دوسری رات کیا۔ اور تیسری رات بھی۔ آخر کہنے لگے کہ ہم جب تک کوئی عہد نہ کر لیں علیحدہ نہیں ہوں گے۔ چنانچہ عہد کے بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ بعد میں اخنس، ابوجہل سے ملا اور آپ ﷺ سے سنے قرآن کے بارے میں رائے لی۔ اس نے کہا: میں نے کیا سنا! ہم اور بنوعبد مناف شرف کے حصول میں الجھے۔ انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا انہوں نے ذمہ داریاں اٹھائیں تو ہم بھی پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے سخاوت دکھائی تو ہم بھی سخی بنے۔ لیکن جب ہم دوڑ کے لئے تیار ہوئے تو ہمارے گھوڑے پیچھے کر دئے گئے۔ اور یہ کہا: ہم میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو یہ مقام ہم کیسے پا سکتے ہیں!!۔ واللہ! ہم کبھی نہیں اسے مانیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۳۳۷) ۔

یہی اخنس ایک بار ابوجہل سے علیحدگی میں کہتا ہے دیکھو! اس وقت کوئی بھی نہیں جو ہماری بات سن رہا ہو۔ یہ بتاؤ محمد سچے ہیں یا جھوٹے؟ اس نے کہا: واللہ! محمد ﷺ سچے انسان ہیں انہوں نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا۔ مگر جب ابوقصی والے لواء، سقایہ، حجابہ اور ندوہ و نبوہ سبھی کچھ لے گئے تو پھر باقی قریش کے لئے کیا رہا؟ (اسباب النزول الواحدی، آیت ۳۳ سورۃ الأنعام)

☆...... رئیس مکہ ولید بن مغیرہ نے جب قرآن کو آپ ﷺ سے سنا تو اس کا دل پسیج گیا اور بے ساختہ پکار اٹھا:

یَا عَجَبًا لِّمَا یَقُولُ ابْنُ أَبِی کَبْشَةَ --یَعْنِی مُحَمَّدًا ﷺ-- فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ بِشِعْرٍ، وَلَا سِحْرٌ، وَلَا بُهْمَزُ مِنَ الْـجُنُونِ، وَإِنَّ قَوْلَهُ لَمِنْ كَلَامِ اللّٰهِ۔ بڑے تعجب کی بات ہے جو ابن ابی کبشہ یعنی محمد ﷺ کہتے ہیں بخدا یہ نہ تو شعر ہے اور نہ ہی کوئی جادو۔ اور نہ ہی کسی پاگل کی بڑ، یہ تو بلاشبہ اللہ کا کلام ہے۔

☆......سیدنا عمرؓ نے (اسلام لانے سے قبل) رسول اکرم ﷺ سے ایک بار سورہ الحاقہ پڑھتے ہوئے سنی۔ مقفی عبارت محسوس ہوئی۔ جب آپ ﷺ نے تلاوت کا رکوع ختم کیا تو سیدنا عمرؓ کو خیال آیا کہ واقعی یہ کوئی شاعر معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ باتیں

شعر کی مانند ہیں۔ جب آپ نے دوسرے رکوع میں ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ..... إِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِيۡمٍ ○ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ○﴾ (الحاقه:۴۱-۳۸) کی تلاوت فرمائی۔ تو حضرت عمرؓ سن کر کہنے لگے۔ کہیں یہ کاہن نہ ہو کیونکہ اس نے میرے دل کی بات معلوم کرلی ہے۔ آگے آیت یہ تھی ﴿وَلَا بِقَوۡلِ کَاهِنٍ قَلِيۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ○ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○﴾ (الحاقه:۴۳-۴۲) یہ سن کر سیدنا عمرؓ نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ کسی پاگل، مجنون، سحر زدہ یا شاعر کا کلام نہیں اور نہ جناب رسالت مآب ﷺ کا اپنا تصنیف کردہ ہے۔ بلکہ یہ رحمٰن ورحیم اور رب العالمین کا نازل کردہ کلام ہے۔ (الاتقان)

☆...... یہ درست کہا جاتا ہے کہ فُتِحَتِ الْبِلَادُ بِالسَّيْفِ وَفُتِحَتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْقُرْآنِ ۔ دنیا کے مختلف علاقے تلوار سے فتح ہوئے مگر مدینہ منورہ صرف قرآن کریم سے ہی فتح ہوا۔ سیدنا مصعب بن عمیر اور عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو جناب رسالت مآب ﷺ نے مدینہ بھیجا۔ دونوں نے وہاں جم کر قرآن کریم کو پڑھایا۔ لوگ آتے اسے سنتے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مدینہ کے بڑے بڑے زعماء اسلام میں داخل ہو گئے اور رسول اکرم ﷺ کی آمد کے راستے آسان ہو گئے۔

☆...... یحییٰ بن اکثم کہتے ہیں: مامون الرشید کی سالانہ علمی مجلس میں شرکت کے لئے علماء وشعراء اور ادباء کے ہمراہ ایک بار ایک یہودی بھی آیا۔ وہ ایک خوش پوش اور خوشبو کا دلدادہ نوجوان تھا۔ محفل میں بھی اس نے بہت اچھی علمی گفتگو کی۔ مجلس جب ختم ہوئی تو مامون نے اسے بلایا اور پوچھا: اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ مامون نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور کہا قبول کرو تاکہ میں تمہارے لئے کچھ کروں۔ اس نے کہا: میرا مذہب اور میرے آباء کا مذہب ہی ٹھیک ہے۔ اور چلا گیا۔

سال بعد یہی یہودی دوبارہ اس محفل میں آیا تو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس بار اس نے فقہ اسلامی پر بڑی سیر حاصل عالمانہ گفتگو کی۔ مجلس برخواست ہوئی تو مامون نے اسے بلا کر پوچھا: تم وہی اسرائیلی ہو جو گذشتہ سال بھی آئے تھے؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ میں وہی ہوں۔ مامون الرشید نے کہا: تم نے اسلام کیسے قبول کیا؟ وہ بولا: میں جب آپ کی محفل سے اٹھ کر گھر لوٹا تو مجھے خیال آیا: کیوں نہ میں ان مذاہب کو ذرا کھنگال لوں۔ آپ مجھے جانتے ہیں کہ میں خوشنویس بھی ہوں۔ چنانچہ میں نے سب سے پہلے تورات کے تین خوبصورت نسخے تحریر کئے جن میں الفاظ کی کمی وبیشی بھی میں نے کردی۔ پھر ان نسخوں کو لے کر میں کنیسہ گیا تو یہود نے مجھ سے یہ فوراً خرید لئے۔ اسی طرح میں نے انجیل کے کچھ نسخے تیار کئے جنہیں میں بیعہ لے گیا۔ عیسائی حضرات نے انہیں بہت نادر پا کر فوراً خرید لیا۔ پھر میں نے قرآن کے بھی تین نسخے کمی وبیشی کے ساتھ لکھے اور مسجد جا پہنچا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے تو ان کی ورق گردانی کی اور معلوم کرلیا کہ ان نسخوں میں کمی وبیشی کی گئی ہے۔ انہوں نے انہیں خریدنے سے انکار

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کر دیا۔اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اس میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔یہ میرے اسلام لانے کا سبب تھا۔

یحیی بن اکثم کہتے ہیں: میں اسی سال حج پر گیا تو میری ملاقات امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے ہوئی۔جنہیں میں نے یہ داستان سنائی۔وہ فرمانے لگے: یہ واقعہ تو اللہ تعالی کے ارشاد کو مزید سچ دکھاتا ہے۔میں نے عرض کی: وہ کونسی آیت ہے؟ فرمانے لگے: اللہ تعالی نے توراۃ وانجیل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾ (المائدة:٤٤) انہیں اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا مگر وہ عہدہ برآ نہ ہو سکے اس لئے وہ ضائع ہو گئیں۔اور قرآن کریم کے بارے میں فرمایا﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ○﴾(الحجر:٩) ہم نے قرآن اتارا ہم خود ہی اس کی حفاظت کریں گے۔اللہ تعالی نے ہمارے لئے اس کتاب کی حفاظت فرمائی اس لئے وہ ضائع نہ ہو سکی۔(تفسیر القرطبی ۱۰/۵۔٦)

☆...... اسلام کے درست تعارف کے لئے اس سے بہتر کوئی اور کتاب غیر مسلم کے لئے نہیں۔یہ عقل اور جذبات دونوں کو بیک وقت اپیل کرتی اور اسے دلیل سے قائل کرتی ہے۔ناقدین بھی اس کے عدیم النظیر کلام ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔یہ زندہ کتاب ہے جس میں نئے مسائل کا حل ضرور ملتا ہے۔شیرون نامی ایک امریکی نو مسلم خاتون نے قرآن مجید اس دعا کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔اے اللہ: مجھے دکھا دے اگر یہ کتاب حق ہے۔اس نے قرآن مجید کا ترجمہ کھولا تو اس کی نظر پہلی وحی پر پڑی: **پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا**۔اس کے بعد ورق الٹے تو یہ آیت سامنے آئی: **اہل کتاب میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی نظر جب حق پر پڑتی ہے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں**۔شیرون لکھتی ہے: مجھے اچانک احساس ہوا کہ میں ایسی چیز کو پہلی بار ہاتھ لگا رہی ہوں جو واقعی مقدس ہے۔میں خوف سے لرز اٹھی مجھے معلوم ہو گیا: میں خدا کے کلام کو تھامے ہوئے ہوں۔مجھے انتہائی اطمینان نصیب ہوا کہ میں نے حقیقت کو پا لیا۔ **(The Islam Is Rising in The West)**

☆......یہی مفہوم ہے پہلی وحی کا، جس میں جبریل امین آپ ﷺ کو بار بار بھینچتے ہیں۔اور ہر دفعہ کہتے ہیں: پڑھو۔آپ ﷺ فرماتے ہیں۔پڑھنا نہیں آتا۔انہوں نے فرمایا: پڑھنا نہیں آتا تب بھی پڑھو اور لکھنا نہیں آتا تب بھی لکھو۔اس لئے اگر محمد بن عبد اللہ۔امی۔۔کے لئے پڑھنا لازمی ہے تو دنیا کی اکثریت خواہ اس کی زبان نہ سمجھتی ہو ان کے لئے بھی اس کا سیکھنا اور پڑھنا فرض ہے تاکہ دل بے تاب کو اطمینان نصیب ہو۔عرب کے بدو اگر اسے پڑھ کر بہترین قاری یا عالم بن سکتے ہیں تو دوسروں کے لئے کیا عذر ہے؟ عربی زبان کی تاثیر اور اس کا ترنم ہی کچھ ایسا ہے جو پڑھنے اور سننے والے کو مجبور کرتا ہے کہ اسے عربی میں ہی پڑھا اور سیکھا جائے۔اس کی تلاوتی موسیقی نے دنیا کے بڑے بڑے پاپ سنگرز کو رام کیا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

غور وفکر اور تدبر:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا بڑا جامع کلام ہے۔جس میں بہت ہی گہرے معانی پوشیدہ ہیں۔اس میں تاریخ ہے،نظام ہائے جاہلیہ کا ذکر ہے۔راست عقائد واحکام بھی ہیں۔ملحد ومشرک کی خرافاتی سوچ،عمل اور ذہنیت کا تذکرہ بھی ہے۔اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کی صفات بھی ہیں۔انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کی منقبت اور واقعات بھی ہیں۔ان سب میں اسباق ہیں،عبرتیں ہیں اور تاریخ ہے۔جنہیں پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں تدبر بہت ضروری ہے:

ا۔**اپنی فکری وعملی اصلاح:** ماضی وحال کے افکار وعمل کے مقابلے میں اپنی فکر وعمل کو آباءواجداد اور اکابرین کی عقیدت سے ہٹ کر صرف قرآنی تعلیم کی روشنی میں کرنا۔جس کا بہترین نمونہ سنت نبوی نے پیش کر دیا ہے۔اور اسی کی روشنی میں اپنے تدبر کو مزید پختہ بنانا ہے۔اس منہج سے ہٹا ہوا تدبر الحادی وغیر دینی تدبر ہے جو بجائے خود قابل تدبر ہوتا ہے۔

۲۔**تابناک وروشن مستقبل کے لئے تگ ودو:** الحاد وشرک کی خرافات معاشرتی زندگی کے لئے مہلک ثابت ہوئے ہیں۔عقل سلیم ان کا انکار کرتی ہے اور دوسری طرف الٰہی پیغام کے آگے سرنگوں بھی ہوتی ہے۔پاکیزگی ذہن اور پاکیزگی عمل ہی معاشرے کو پاکیزہ ومنصفانہ بناتے ہیں۔جس سے مستقبل بھی تابناک ہوتا ہے۔شرکی قوتوں میں یہ خیر و پاکیزگی کہاں؟ اس لئے کفر، شرک،بے حیائی اور اباحت پسندی کو تو پسند کرتے ہیں مگر الہ واحد کی مطلق العنانی کو تسلیم کرنے پر تو بہت سے عبا پوش بھی فرعونیت کا روپ دھار لیتے ہیں۔قرآن کریم اس تاریکی میں روشنی کا دیا ضرور جلاتا ہے۔جس سے تاریکی چھٹنے کی امید بر آتی ہے۔

۳۔**عمل اور دعوت:** قرآن پاک کی صحیح تلاوت قلوب کفار پر اپنا اثر چھوڑتی ہے اور اس کا صحیح فہم مومن کو اندر سے توڑ پھوڑ کر رب ذوالجلال کے آگے جھکا دیتا ہے۔تعلیم قرآن کے بعد عملی تبدیلی کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ فکر وعمل کی اٹھان اب دین کی تعلیمات کے مطابق ہونی ہے نہ کہ خاندانی،آبائی،عرفی یا معاشرتی اقدار پر۔یہ بغاوت کی دعوت نہیں بلکہ دین سے بچھڑے ہوؤں کو راہ راست پر لانے کی دعوت ہے۔خود بدلئے! ماحول بدل جائے گا۔اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنا گھرانہ بچا رہے گا جس کا جواب دہ ہر مسلمان ہے۔اس دعوت کا انتہائی مناسب طریقہ ہر گھر، ہر مسجد یا ہر مدرسہ وسکول میں حلقات کا انعقاد کرنا،تحفیظ قرآن کے مراکز کھولنا اور دینی مسائل سے آگاہی کے لئے اہل علم کے لیکچرز میں بیوی بچوں سمیت شرکت کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۱۔قرآن کریم کا تعارف مثالوں کے ذریعے بیان کیجئے۔

۲۔اس کی تعلیمات آپ کو کیسی لگتی ہیں؟ کیا کوئی اور الہامی کتاب بھی ایسی روشن ہدایات سے آراستہ ہے؟

۳۔تورات وانجیل اور قرآن کا موازنہ اس طرح کیجئے کہ دونوں کی تحریر میں بنیادی فرق کیا ہے؟ یا دلائل سے ثابت کیجئے کہ قرآن پاک تحریف وتبدیلی سے محفوظ کتاب ہے؟

۴۔بتائیے کہ تورات وانجیل کے نسخوں میں اور قرآن کے نسخوں میں کیا خاص فرق نوٹ کیا گیا ہے؟

۵۔قرآن مجید واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے؟ اس کے چند عقلی اور کم از کم تین نقلی دلائل دیجئے۔

۶۔بلاغت قرآنی سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت مثال سمیت دیجئے۔

۷۔وہ کیا اہم مسائل ہیں جن کا مستقبل میں واقع ہونا از روئے قرآن یقینی ہے اور جن کا ذکر قرآن کریم وقت نزول کر چکا ہے۔

۸۔جدید سائنسی انکشافات کون کون سے ہیں۔اور ہم ان کا ذکر کیا اپنی کتاب میں پاتے ہیں؟

۹۔مفہوم قرآن کی حفاظت کے لئے کیا ذرائع ووسائل ہیں جو علماء نے بیان کئے ہیں۔

۱۰۔ بتائیے قرآن کریم اپنی تاثیر میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہے اور کیسے؟

مشق

۱۔قرآن سائنس اور بائبل مؤلفہ موریس بکائی کو پڑھ کر یہ بتائیے کہ قرآن اور بائبل میں کون سے واضح فرق واختلاف ہے۔

۲۔سورہ یونس کی آیات ۲۴ تا ۲۶ میں ان الفاظ: زُخْرُف، حَصِیْداً، لَمْ تَغْنَ، الْحُسْنٰی، لَا یَرْھَقُ، قَتَرٌ کا معنی مترادفات القرآن سے لکھئے۔نیز ان آیات میں کون سے علوم قرآن پائے جاتے ہیں۔تفسیر ابن کثیر سے مدد لیجئے۔

☆☆☆☆☆

باب۲:

قرآن کی تعریف کیا ہے؟

لفظی تعریف: لفظ قرآن، قرآن مجید میں ساٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کا اصل نام ہی قرآن ہے۔ صحیح لفظ **قُرآن** اور صحیح تلفظ بھی **قُرآن** ہے۔ بقول امام ابن کثیر، صرف ابو عمرو بن العلاء ہی اسے بغیر ہمزہ کے پڑھا کرتے تھے۔ یہ نہ حرف ہے نہ فعل بلکہ اسم ہے اس پر اتفاق کرتے ہوئے اسے جامد یا مشتق مانا گیا ہے۔ کچھ علماء نے اسے اسم جامد کہا اور غیر مہموز بھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اسماعیل بن قسطنطین سے علم حاصل کیا وہ القران کہا کرتے یعنی بغیر ہمزہ کے اسے پڑھا کرتے تھے۔

قرآن: قَـــرَأْتُ سے ماخوذ بھی نہیں۔ ورنہ ہر چیز جو پڑھی جاتی اسے قرآن ہی کہا جاتا۔ بلکہ یہ قرآن کا اسم ہے جیسے توراۃ اور انجیل ہے۔ قرأت ہمزہ سے ہے اور القران ہمزہ کے بغیر۔ جیسے: ﴿وإذا قرأتَ القرآنَ﴾ قرأت ہمزہ سے آیا ہے اور القران ہمزہ کے بغیر۔ ابن کثیر کی قراءت یہی ہے۔

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ قرآن اسم مشتق ہے۔ پھر اس کے بعد دو آراء بن گئیں:

......اس میں نون اصلی ہے جو مادہ ق ر ن سے مشتق ہے۔ پھر اختلاف اس پر ہوا کہ:

☆......قَرَنْتُ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ سے مشتق ہے۔ جب کوئی شے کسی شے سے ملا دی جائے۔ اسی سے عربوں کا قول ہے: قَرَنَ بَيْنَ الْبَعِيْرَيْنِ۔ جب وہ ان دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ ایک ہی احرام میں حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے حج قران نام پڑا ہے۔

☆......مگر فراء کا یہ کہنا ہے یہ قرائن سے مشتق ہے جو قرینہ کی جمع ہے۔ کیونکہ اس کی آیات ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ اس کا ہمزہ اصلی ہے۔ پھر ان کی بھی آگے دو آراء ہو گئیں:

پہلی رائے: **فُعلَان** کے وزن پر قرآن ہے یہ قرأ سے مشتق ہے جو بمعنی تلا ہے۔ یہ مصدر ہے قرأ کا۔ جیسے غَـفَـرَ يَغْفِرُ سے غُـفران ہے اسی وزن پر شُـكـران، رُجـحـان، خسران، كفران، وغیرہ بھی ہیں۔ یہ مصدر بمعنی اسم مفعول ہوگا۔ یعنی **بکثرت تلاوت کیا گیا**۔ کیونکہ دیگر صحیفوں کو اس طرح کی تلاوت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے جس میں قرآن بار

بار بار پڑھنے اور پڑھوانے کے معنی میں ہے۔

﴿ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ○﴾ (القیامۃ:۱۷-۱۹) قرآن کا جمع کرنا اور اسے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر آپ اسے پڑھئے۔ اسے بیان کرنے کی ذمہ داری بھی ہماری ہے۔

یہاں ﴿قرآنہ﴾ بمعنی قراءت ہے۔ (الإتقان ۱/۸۷)

دوسری رائے: یہ **فُعْلان** کے وزن پر بطور وصف کے ہے۔ اور قَرَءَ سے جو بمعنی جمع کرنے کے ہے **مشتق** ہے۔ جیسے: قَرَأَ الْمَاءُ فِی الْحَوْضِ جب حوض پانی کو جمع کرلے تو یہ کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں قُرآن کا مطلب: جمع کرنا بھی ہے۔ جو ظاہر ہے ایک مصدری معنی ہے۔ اگر یہ مصدر بمعنی اسم فاعل لیں تو معنی: **اخبار واحکام کا جامع** ہوگا۔ اگر مصدر بمعنی مفعول لیں تو پھر قرآن کا معنی **مصاحف اور سینوں میں جمع شدہ۔**

ابن الأثیر کا کہنا ہے: کہ قرآن سورتوں کو باہم جمع کرتا اور ملاتا ہے یا وہ قصص، امرونہی، وعدہ ووعید سب کا جامع ہے۔ اور یہ غفران کی طرح پھر مصدر ہے۔ (النہایۃ ۴/۳۰) مگر اس کی معقول معنوی توجیہ امام راغبؒ نے پیش کی ہے کہ قرآن نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ سابقہ سماوی کتب کا جامع ہے۔ اس اعتبار سے قرآن کریم پچھلی تمام الہامی کتابوں کا جامع اور نچوڑ ہے۔ تورات تو صرف احکام وقانون کی کتاب تھی۔ زبور حمد وثناء اور مناجات کا مجموعہ اور انجیل اخلاق کی کتاب تھی۔ مگر قرآن مجید ان سب کا جامع ہے۔ اس میں قانون بھی ہے اور اخلاق بھی، حمد وثنا بھی اس میں ہے اور مناجات بھی۔

بہر حال دوسری رائے جو اللحیانی اور زجاج کی ہے وہی ہی راجح ہے کہ اس میں ہمزہ اصلی ہے اور لفظ قرآن مہموز ہے وصف ہے یا مصدر ہے۔ رہا اس کا غیر مہموز ہونا تو یہ بعض قراءات میں از باب تخفیف ہے اور اس کی حرکت اپنے ماقبل کی طرف منتقل کی گئی ہے جو عام بات ہے۔ پھر اسے مصدریت یا وصفیت سے نکال کر علم بنا دیا گیا ہے جیسا کہ محققین کا کہنا ہے۔

☆......**امام شافعیؒ کی رائے** یہ ہے اور جسے امام سیوطیؒ نے ترجیح بھی دی ہے کہ لفظ قرآن ایسا عَلَم ہے جو کسی سے مشتق نہیں یہ اللہ کی کتاب کا نام ہے جیسے دوسری کتب سماویہ کا اپنا اپنا نام تھا۔

ایک غلط خیال: مستشرق جارج سیل کا کہنا ہے کہ قرآن عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت **یحمیاً** نبی کی کتاب کا نام یہود نے قرا یا مقرا **(Charrah or Macharrah)** رکھا۔ اسی طرح وہ مجموعہ تورات کو قرا یا مقرا بھی کہتے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تھے۔لہذا قرآن بھی اسی لفظ قـرا یا مـقـرا سے ماخوذ ہے۔یعنی اس کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کا یہ دعوی غلط ہے کہ وہ خالص عربی زبان میں ہے بلکہ اس میں عبرانی الفاظ بھی مستعار لئے گئے ہیں۔ جارج سیل وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے ۱۷۳۴ءعیسوی میں قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ کیا تھا۔جس کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ آیتوں کی تقسیم کئے بغیر اسے ایک بیان مسلسل کی طرح پیش کیا ہے۔اہل علم کو اس تحریفی کوشش پر سخت شکایت ہوئی اور جاہلوں کو بھی ہنسنے کے مواقع مل گئے۔۔

علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ عبرانی لغت میں قـرا یا مـقـرا کے معنی پڑھنے کے ہیں۔جس کا مقابل اور ہم جنس لفظ عربی زبان میں لفظ قراءت ہے نہ کہ قرآن۔اس بناء پر اگر قرآن کا لفظ قـرا سے ماخوذ ہوتا تو اس کا نام بجائے قـرآن کے قـراءت ہوتا۔ لفظ قرآن محض عربی زبان کا لفظ ہے نہ کہ کسی اور زبان سے اخذ شدہ۔نیز زبانیں بھی اللہ تعالی کی پہچان کی علامات ہیں۔

☆☆☆☆☆

استفہامی انداز قرآن کریم میں

استفہام تقریری: ﴿ألم نشرح لک صدرک﴾

استفہام تہدیدی: ﴿ ألم نهلک الأولين﴾

استفہام تعجب: ﴿ألم إلى الذين تولوا قوماً غضب الله عليهم﴾

استفہام تعظیم: ﴿من ذا الذی يشفع عنده إلا بإذنه﴾

استفہام تقریعی: ﴿أفعصيت أمری﴾

استفہام تحقیر: ﴿أهذا الذی يذكر آلهتكم﴾

استفہام اِبطائی: ﴿ألم يأن للذين آمنوا أن تخشع قلوبهم﴾

استفہام تنبیہ: ﴿ألم تر أن الله أنزل من السماء ماء﴾

استفہام انکار: ﴿ألكم الذكر وله الأنثى﴾

استفہام استبعاد: ﴿أنى لهم الذكرى﴾

استفہام توبیخ: ﴿أولم نعمركم ما يتذكر فيه من تذكر﴾

استفہام ایناس: ﴿وما تلک بيمينک يموسى﴾

استفہام عرض: ﴿ألا تحبون أن يغفر الله لكم﴾

استفہام اکتفاء: ﴿أليس في جهنم مثوى للكفرين﴾

استفہام تحضیض: ﴿ألا تقتلون قوما نكثوا إيمانهم﴾

استفہام تہکم واستہزاء: ﴿ أصلوتک تأمرک﴾

استفہام تجاہل: ﴿ء أنزل عليه الذكر من بيننا﴾

استفہام امر : ﴿فهل أنتم منتهون ﴾

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعارف قرآن کریم

قرآن مجید کا تعارف اللہ تعالی نے بھی کرایا اور رسول اکرم ﷺ نے بھی۔ نیز سلف نے بھی اصطلاحی تعریف پیش کی۔

اللہ تعالی کے نزدیک: سورۃ الشعراء میں قرآن کریم کا تفصیلی تعارف ہے کہ یہ کس کی طرف سے ہے؟ کس کے ذریعے آیا ہے؟ کس پر نازل ہوا ہے؟ مقصد نزول کیا ہے؟ عربی میں کیوں نازل ہوا؟

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ○﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۶) ۔ بلاشبہ یہ قرآن مجید رب العالمین کا نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر نازل ہوئے، آپ ﷺ کے قلب اطہر پر انہوں نے نازل کیا تا کہ آپ ﷺ متنبہ کرنے والے ہوں۔ صاف عربی زبان میں ہے۔ اور بلاشبہ (اس کا ذکر) پچھلی کتب میں بھی ہے۔

سورہ القمر میں اسے آسان کتاب فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ ﴾ (القمر: ۱۷) بلاشبہ ہم نے قرآن کریم کو آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرنے والا ہو؟

رسول اکرم ﷺ کے نزدیک: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن کے باب فضائل القرآن (۲۹۰۶) میں درج ذیل حدیث بیان کی ہے جس میں آپ ﷺ نے قرآن کا تعارف پیش کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خبردار رہنا! عنقریب فتنے اٹھیں گے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! ان سے بچا کیسے جاسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی کتاب سے۔ جس میں تم سے پہلے جو کچھ ہوا اس کی خبریں ہیں اور جو بعد میں ہوگا اس کی بھی اطلاعات ہیں، جو تمہارے مابین اختلاف ہوگا اس کا فیصلہ بھی ہے۔ یہ فیصل کتاب ہے مذاق وٹھٹھہ نہیں ہے۔ جو مغرور اسے چھوڑے گا اللہ تعالی اسے توڑ کر رکھ دے گا۔ جس نے اس کے علاوہ کہیں اور سے راہنمائی لی اسے اللہ بھٹکا دے گا۔ یہ قرآن اللہ کی بڑی مضبوط رسی ہے اور بڑا حکیمانہ ذکر ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی قرآن ہے جس سے خواہشات کبھی نہیں بہکتیں نہ ہی زبانیں لڑکھڑاتی ہیں، علماء اس سے کبھی سیراب نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ بار ہا پڑھنے سے پرانا لگتا ہے۔ اس کے عجائب نہ ختم ہونے والے ہیں۔ یہ وہی قرآن ہے جسے سن کر جن نہ رک سکے اور پکار اٹھے: بلاشبہ ہم نے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو راستی کی طرف راہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لائے (سورہ الجن) جس نے اس قرآن کے مطابق بات کہی اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے کہے پر عمل کیا اس نے اجر پایا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ دیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم کی راہ دکھادی گئی۔ (عن علی بن ابی طالب)

علماءِ سلف کے نزدیک: بہت سے اصولی علماء اور فقہاءِ کرام کی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعریف کرنا ممکن ہی نہیں اس لئے کہ اس طرح بہت سی قرآنی خصوصیات کو ہم محدود کر دیں گے۔ یہ رائے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد رشید امام ابنؒ قیم کی بھی ہے۔ **دیگر علماء نے قرآن مجید کی ایک جامع تعریف یہ ہے:**

هُوَ كَلَامُ اللهِ تَعَالَى، غَيْرُ مَخْلُوقٍ، خَالٍ عَنِ الْحَشْوِ، وَمَعْنِيٌّ بِهٖ ظَاهِرُهٗ، الْمُعْجِزُ، الْمُنَزَّلُ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ، بِوَاسِطَةِ جِبْرِيْلَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ، الْمَكْتُوْبُ فِي الْمَصَاحِفِ، الْمُتَعَبَّدُ بِتِلَاوَتِهٖ، وَ الْمَنْقُوْلُ إِلَيْنَا نَقْلًا مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبْهَةٍ۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ **غیر مخلوق ہے**۔ لا حاصل گفتگو سے خالی ہے۔ **اس کے ظاہری الفاظ اپنا معنی رکھتے ہیں، عاجز کر دینے والا کلام ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر جبریل کے ذریعے نازل ہوا، واضح عربی زبان میں ہے**۔ جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ جس کی تلاوت کو عبادت جانا گیا ہے۔ اور جسے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

قرآن کریم کی خصوصیات: مندرجہ بالا تعریف میں قرآن مجید اور اس کی خصوصیات کا اجمالی (summery) تذکرہ آ گیا ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کلام اللہ: قرآن میں صرف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کسی انسان، جن یا فرشتے کا کلام اس میں شامل نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ نے خود ہی کلام اللہ یا آیات اللہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿.. حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ۝﴾ (التوبة:٦).... تاکہ وہ کلام اللہ کو سن لے۔

﴿...يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ ۝﴾ (آل عمران: ١١٣) وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔

غیر مخلوق: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح غیر مخلوق ہے۔ گو ہم اس صفت کی **حقیقت نہیں** جانتے اور نہ ہی اسے مخلوق کی طرح سمجھتے ہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ ﴿**لیس کمثلہ شیء**﴾۔ اس جیسا کوئی ہے ہی نہیں۔ دو فرقے اس بارے میں گمراہ ہو گئے۔ **ایک قدریہ معتزلہ** ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ظاہری

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

معنی کو چھوڑ کر تاویلیں کرتا ہے۔تاویل سے صفات کی تخفیف وانکار لازم آتا ہے جو انتہائی کفر ہے۔دوسرا فرقہ **مشبہہ مجسمہ** ہے وہ اس صفت کو مخلوق کے مشابہ بتاتا ہے یہ بھی پہلے سے کم گمراہ نہیں۔مناسب یہی ہے کہ جو اللہ تعالی کی صفات قرآن کریم اور حدیث رسول میں آئی ہیں ان کے لفظی معنی معلوم ہونے کے بعد پھر کیفیت کی کھدیڑ نہ کی جائے۔جب اصل حقیقت کا علم نہیں تو اسے مخلوق کے مشابہ قرار دینا کون سی دانش مندی ہے۔یہ ازلی صفات کا اقرار ہے اور تاویل کا انکار۔

زائدازضرورت: یعنی قرآن مجید کا کوئی لفظ زائد نہیں بلکہ اس کے فوائد ہیں۔یہ مختصر، جامع، تعمیری، اور واقعیت پسندی کے ساتھ اپنے معانی واہداف کو بیان کرتے ہیں۔مثلاً **طـٰہ، ألم ، عسق** وغیرہ۔انہیں ہم زائد نہیں کہتے مگر اس کے فوائد عرب بہتر جانتے ہیں کیونکہ ان کے خطباء کے ہاں ان کی زبردست اہمیت ہے۔ان کی مراد اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں۔امام حسن بصری رحمہ اللہ کے حلقہ میں کچھ لوگ کہا کرتے کہ یہ الفاظ زائد اور بے فائدہ ہیں۔جس پر انہوں نے فرمایا: خُذُوْا هٰـؤُلَاءِ، وَجَنِّبُوْهُم فِيْ حَشَا الْحَلْقَةِ۔انہیں پکڑو اور انہیں ہمارے حلقے سے الگ کرکے اس کے حاشئے میں بٹھادو۔اس لئے انہیں **حشویہ** کہا گیا۔

ظاہری معنی ہی مراد ہوگا: اس کے باطنی معنی لینے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ہی ہم اس کے مکلّف ہیں۔ایسے دعوے دراصل قرآن کریم کو اپنے من پسند عقائد ونظریات میں ڈھالنے کی دعوت ہے۔مگر جو معنی ومفہوم اللہ تعالی نے اپنے رسول کو بتائے، صحابہ کرام نے جن پر عمل کیا انہیں قابل اعتناء نہ **سمجھا جائے یہ کون سی قرآن دانی ہے؟**۔باطنیہ کہا کرتے: قرآن کے الفاظ کا ظاہری مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا اور اس کے باطن کا مفہوم ہر کوئی نہیں جانتا۔اسے **صرف** ہمارے باطنی ائمہ ہی جانتے ہیں۔ باطنی معنی میں اشاری معنی بھی آجاتا ہے۔مثلاً کوئی یہ کہے کہ اس لفظ کے معنی ومفہوم کا مجھے اشارہ ہوا ہے۔یہ اشارے اگر اللہ کے رسول کے کہے یا مراد کے مطابق ہوں تو درست ورنہ یہ شیطانی اشارے بھی ہو سکتے ہیں۔یہ دونوں انداز فکر رسول اللہ ﷺ سے اور امت کے اجماع سے جان چھڑانے اور اپنی الگ شریعت سازی کے مترادف ہیں۔

عاجز کردینے والا: المُعْجِز کا مطلب ہے عاجز کردینے والا۔قرآن مجید نے ثابت کردیا کہ عرب فصحاء ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسان اس جیسی کتاب پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہیں۔اس میں غیب کی خبریں اور امم سابقہ کے حالات ہیں۔زمان ومکان کی مناسبت سے معاشی اور معاشرتی ضرورت کو دیکھ کر اس میں محکم قانون سازی کی گئی ہے۔عقل انسانی دنگ اور بے بس ہے کہ اس جیسی کوئی چیز مقابلہ کے طور پر لا سکے۔خود قرآن نے بنی نوع انسان کو متعدد بار یہ چیلنج دیا جو ہمتوں کو ابھارنے والا اور مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے والا تھا۔محرک بھی موجود تھا مگر پھر بھی وہ اس کے مقابلہ سے عاجز رہے۔مثلاً ارشاد باری تعالی ہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝﴾ (الإسراء : ۸۸) کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب جمع ہوکر اس قرآن کی مانند ایک کتاب لانا چاہیں تو نہ لاسکیں گے۔ خواہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

اسی چیلنج کو ایک اور جگہ ذرا کمی کر کے ان الفاظ میں دہرایا گیا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (هود : ۱۳) کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے رسول نے گھڑا ہے۔ کہہ دیجئے کہ اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلانا چاہو بلالو اگر تم سچے ہو۔

جب اس سے بھی عاجز رہے تو ایک آدھ چھوٹی سورت کا کہہ دیا۔

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (البقرہ:۲۳) اگر اس چیز کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اللہ کے سوا اپنے تمام مددگار بلالو اگر تم سچے ہو۔

اس چیلنج کا اولین مقصد یہی تھا کہ نبی امی جناب محمد بن عبداللہ ﷺ کی رسالت ونبوت ثابت کی جاسکے۔ رسول اکرم ﷺ کا امی ہونا آپ ﷺ کے حق میں معجزہ ہے مگر امت کا امی ہونا امت کے حق میں معجزہ نہیں۔ قرآن مجید کو نازل ہوئے آج پندرہ سو سال گزر گئے ہیں یہ بھی اس کا معجزہ ہے جس نے افراد امت کا تعلق نہ صرف اللہ سے جوڑا بلکہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھی منسلک کر دیا۔ اس کے علاوہ بے شمار پہلو ایسے ہیں جو معجز ہیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

نازل کیا گیا: الْمُنَزَّلُ کا مطلب ہے بتدریج نازل کردہ۔ یعنی صرف وہ کلام، قرآن یا کلام اللہ ہے جو آپ ﷺ پر بذریعہ وحی اترا۔ صحف ابراہیم وموسی، تورات، زبور، انجیل وغیرہ کلام الٰہی ہونے کے باوجود قرآن میں شامل نہیں کیونکہ وہ دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں۔ مُنَزَّل کہنے سے یہ نکات بھی معلوم ہوئے کہ غیر اللہ یعنی کسی انسان، نبی، فرشتہ کا کلام اس میں شامل نہیں۔ خواہ وہ حدیث قدسی ہی کیوں نہ ہو۔ نیز قرآن مجید عربی میں ہے اور لفظ و معنی دونوں کا نام ہے۔ اس بناء پر احادیث قرآن میں شامل نہیں کیونکہ ان کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اگرچہ ان کے مضامین ومطالب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحیِ خفی آپ ﷺ

پر نازل ہوئے ہیں۔اسی طرح تفسیر قرآن بھی اس میں داخل نہیں خواہ وہ عربی میں ہی کیوں نہ ہو۔ایسے ہی عربی سے دوسری زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی قرآن نہیں اور نہ یہ ترجمہ قرآن میں شامل ہے۔

بذریعہ جبرائیل: قرآن مجید، سیدنا جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے کیونکہ وہی حفظ ویادداشت کا مرکز ہے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۝ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ۝﴾(الشعراء: ۱۹۲۔ ۱۹۵) اور بلاشبہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے جسے روح الامین لے کر اترے ہیں اسے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا ہے تاکہ آپ انذار کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف، واضح عربی زبان میں ہے۔

اس طرح قرآن کی عظمت، ملائکہ اور اہل ایمان دونوں پر واضح کر دی گئی اور آپ ﷺ کو بھی یقین ہو گیا کہ یہ شیطانی کلام نہیں بلکہ جبریل امین ہی اسے میرے پاس لائے ہیں جو فرشتوں کے مطاع ہیں۔باقی قائمۃ الکروبین، اہل المراتب والتمکین جیسے فرشتے یا نون فرشتہ اور قلم فرشتہ سب اختراعات ہیں جو عوام کو قرآنی عقیدہ سے ہٹانے والی باتیں ہیں۔

لسان عربی: ابن فارس نے لکھا ہے:﴿ خلق الإنسان علمه البيان﴾ اللہ تعالی نے بیان کو دیگر مخلوقات مثلاً: شمس وقمر، نجوم وشجر کے ذکر سے قبل بیان کی۔جس کا سکھا دینا بہت بڑی عنایت ربانی ہے دوسرے اس سے محروم ہیں۔پھر یہ بیان عربی زبان میں ہے کیونکہ دیگر زبانوں میں یہ وسعت نہیں اسی بناء پر عربی زبان کا انتخاب اللہ تعالی نے فرمایا۔باقی وحی کا کسی زبان میں اترنا بڑا مسئلہ نہیں۔اگر وحی عبرانی یا سریانی زبان میں اتر سکتی ہے تو خالص عربی میں کیوں نہیں؟ لسان عربی سے مراد یہ نہیں کہ قرآن مجید سابقہ الہامی کتب کے مثل ایک کتاب ہے بلکہ بنیادی طور پر دوسری کتب کے مقابلے میں قرآن مجید کو اپنا منفرد مقام حاصل ہے۔

کتابی شکل: المکتوب کا مطلب ہے لکھا ہوا۔اور المصاحف جمع ہے مصحف کی،یعنی یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے نیز آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ بھی اسے لکھوا لیتے۔مگر کتابت سے پہلے بھی یہ قرآن، قرآن کہلاتا تھا۔معلوم ہوا کہ قرآن محض زبانی الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ کتابی شکل میں بھی ہے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالطُّوۡرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۝ فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۝﴾ (الطور:۱۔۳) قسم ہے طور کی، اور لکھی ہوئی کتاب

کی، پھیلے ہوئے صفحات میں۔

اس کی قراءت عبادت ہے :یعنی اس کتاب کی تلاوت کو عبادت کا درجہ حاصل ہے تا کہ مومن رب کی قربت حاصل کرے۔ اسے اقامت صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ رکھا گیا ہے اور اس پر نہ ضائع ہونے والی تجارت کی بشارت دی گئی ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝﴾ (فاطر:٢٩) بے شک وہ لوگ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انہیں رزق دیا اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز ضائع نہیں ہوگی۔

آپ ﷺ نے تلاوت قرآن پر ثواب کی بشارت یوں ارشاد فرمائی:

جو شخص قرآن مجید کے ایک حرف کی تلاوت کرے گا۔ اسے دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ اور میم ایک حرف ہے۔

غیر منقطع متواتر روایت : اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے صحابہ کرام نے قرآن مجید لیا پھر ان سے لے کر آج تک قرآن مجید ایک سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا آیا ہے اور کسی بھی مرحلے میں یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔ جس کی ایک متواتر سند یہ ہے: رسول اللہ ﷺ سے سیدتنا ام سلمہؓ نے ان سے حسن بصری نے، ان سے یحییٰ بن یعمر نے اور ان سے ابوعمر بن العلاء البصری نے اور پھر ان کے بے شمار شاگردوں نے حاصل کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ جس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہو، جس کی سند متصل ہو، جسے صرف مطہرون ہی چھوتے ہوں اور جسے حفظ کیا جاتا ہو۔ جو بغیر نقاط اور اعراب کے تھا اور جس کی تلاوت میں یا فہم میں بکثرت غلطیاں ہو سکتی تھیں۔ اس میں آسانی کے لئے نقاط اور اعراب ڈالے گئے ہوں اور جو ابھی تک بے شمار محاسن لے کر نشر ہوتا ہے۔ ایسی خوبیاں آخر کون سی کتاب میں ملیں گی؟ اس عنوان سے ایک اور نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی وہ قراءتیں جو تواتر سے ہٹ کے ہیں وہ بھی معتبر نہیں۔ کیونکہ انہیں تواتر کی حیثیت حاصل نہیں۔

قرآن مجید کے چند مشہور نام: قرآن مجید کے متعدد نام ہیں جو اس کے مقام و شرف اور فضیلت کی گواہی دیتے ہیں۔ ناموں کی یہ کثرت باہم اشتراک بھی رکھتی ہے اور امتیاز بھی۔ امتیاز اس معنی میں کہ ہر نام مختصر ہے اور دوسرے مختصر نام کے مقابلے میں مخصوص معنی رکھتا ہے جو اپنے تمام مطالب اور غرض و غایت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو عنوان بن جاتے ہیں۔ مثلاً:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قرآن کریم کا ایک نام ھُدًی ہے یعنی یہ کتاب ہدایت ہے اور ایک نام ذِکْر ہے یعنی اس میں نصیحت ہے۔ نصیحت ہوگی تو ہدایت نصیب ہوگی۔ یہ اشتراک بھی ہے اور امتیاز بھی۔ مثلاً امام ابنؒ تیمیہ فرماتے ہیں:

السَّیْف، الصَّارِم اور المُھَنَّد تلوار کو کہتے ہیں جو مشترک ہیں مگر اپنے مخصوص معنی کی وجہ سے ہر لفظ دوسرے سے جدا اور ممتاز بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی کے نام، رسول اللہ ﷺ کے نام اور کتاب اللہ کے نام بھی مشترک اور ممتاز ہیں۔ (مجموع الفتاوی ۲۰/۴۹۴)

لوگوں کی عادت ہے کہ وہ جس چیز کو محبوب رکھتے ہیں اس کا ایک نام رکھنے کی بجائے پیار و محبت سے اسے سینکڑوں ناموں سے پکارتے اور بیسیوں بار دہراتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس قوم کو جس چیز کی زیادہ ضرورت ہو اس کے لیے اس کے پاس بکثرت الفاظ ہوتے ہیں وہ اس کا بار بار نام لیتی ہے۔ اللہ تعالی نے جس کثرت و تکرار سے قرآن کے نام لیے ہیں وہ اس کی محبت اور ہماری ضرورت کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان ناموں کو قرآن مجید کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔ اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ صرف معنی پر نظر ڈال کر ہر شخص فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان میں کا ہر نام قرآن مجید کی اعلی صفات، اس کے محاسن، اس کی غرض و غایت کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ (ماخوذ از بصائر ذوی التمیز ۱/۸۸، مقالات سلیمان جلد سوم)

یہ وصفی نام قرآن مجید کی عظمت، برکت، تاثیر اور جامعیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ علماء نے ان ناموں پر کتب لکھی ہیں۔ علامہ ابوالمعالی جو شَیذَلہ کے نام سے بھی معروف تھے ان کی رائے کے مطابق قرآن کے پچپن (۵۵) نام ایسے ہیں جو خود اس کی آیات کریمہ میں موجود ہیں۔ (البرہان از زرکشی ۱/۲۷۳) ان ناموں میں چند مخصوص نام ایسے ہیں جو قرآن مجید کے سوا کسی اور کے لئے مستعمل نہیں ہوتے۔ یہ نام فرقان، مصحف، الکتاب اور قرآن ہیں۔ الکتاب اور فرقان، قرآن کے مشہور نام ہیں۔ ان سے زیادہ مصحف اور ان دونوں سے مشہور تر قرآن ہے۔

❶ **القرآن:** عربی زبان کے امام جاحظ کہتے ہیں: اللہ تعالی نے اپنی کتاب کا نام "قرآن" رکھا ہے یہ ایسا نرالا اور بے مثال نام ہے جسے عربوں نے کبھی اپنے کلام کے مجموعوں کو یہ نام دیا اور نہ ہی کبھی دنیا میں کسی کتاب کا یہ نام رکھا گیا۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۝﴾ (البقرہ ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ یہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور جس میں۔۔۔۔فرقان ہے۔

قرآن کا نام اللہ تعالیٰ نے ہی موسوم کیا ہے۔ نیز اول روز سے یہ سپرد تحریر ہوا اور نماز کے علاوہ محافل ومجالس میں بھی پڑھا اور تلاوت کیا جانے لگا۔ صرف لیبیا میں اس کے حفاظ کی تعداد اتنی ہے جو شاید یورپ میں تورات یا انجیل پڑھنے والوں کی نہ ہو۔

❷ **الفرقان**: فرقان کا کیا معنی ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے یہ آیت پڑھنے کے قابل ہے۔

﴿اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ [الأنفال : ٤١] اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر اس دن اتاری جو دن حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن تھا۔

اس آیت میں جنگ کو یوم الفرقان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ جنگِ بدر نے حق وباطل اور کفر واسلام کے درمیان صحیح فیصلہ کر دیا تھا۔ مومن کون ہے اور منافق کون؟ یوم فرقان نے بتا دیا۔ قرآن کو فرقان کہنے کا بھی یہی مطلب ہے: حق وباطل میں فرق کرنے والی کتاب۔ فرقان مصدر ہے۔ عربی زبان میں مصدر فُعْلَان، اکثر اسم فاعل کے معنی دیتا ہے۔ جس سے یہ لفظ بھی مشتق ہیں: ﴿فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا﴾ (المرسلات) قسم ہے۔ ان چیزوں کی جو حق وباطل میں فیصلہ کرنے والی ہیں۔ اس آیت میں فارق کے معنی: دلائل وبراہین کے ساتھ فیصلہ کن یا ممتاز کر دینے والی کتاب۔

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا﴾ [الانفال:٢٩] ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے فرقان بنا دے گا۔

یہاں بھی فرقان، فارق کے معنی میں ہے جو اسم فاعل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمانو! اگر اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں قوتِ فیصلہ یا قوت ممیّزہ عطا کرے گا۔ اسی معنی میں فرقان کا لفظ قرآن مجید میں متعدد جگہ مستعمل بھی ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرًا ۞﴾ (الفرقان: ١) بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کی تا کہ وہ جہان والوں کے لیے تنبیہ کرنے والا ہو۔

﴿وَأَنْزَلَ التَّوْرَاۃَ وَالْإِنْجِیْلَ ۞ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ...﴾ (آل عمران:٣-٤) اور تورات اور انجیل کو اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا اور فرقان اتارا۔

یہی وجہ ہے کہ فرقان کا لفظ صرف تورات اور قرآن کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ بنو اسرائیل کے لئے تورات میں قانون تھے۔ اور قرآن میں اس امت کے لئے۔ باقی صحیفے صرف روحانی اور اخلاقی احکام پر مشتمل تھے۔ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قانون کا کام ہوتا ہے۔اس لیے فرقان کا لفظ انہی صحائف کو دیا گیا جو قانون پر مشتمل تھے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ فرقان نام اس لئے ہے کہ قرآن ،فرق فرق سے یعنی الگ الگ نازل ہوا ہے۔اس کا **فرقہ** یا **فرق** سے کوئی تعلق نہیں۔ جو ٹکڑے یا حصے کو کہتے ہیں اور جسے یہود تورات کے مختلف اوراق کے لیے استعمال کیا کرتے۔قرآن مجید نے فرقہ کا لفظ ٹکڑے یا حصہ کے معنی میں استعمال کر دیا ہے۔

❸ **مصحف**: عرب دنیا میں قرآن کریم کو مصحف کہا جاتا ہے۔اس کی دو وجہیں بتائی جاتی ہیں:

پہلی وجہ: سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کریم کی تدوین کے بعد فرمایا اس کا کوئی مناسب نام تلاش کرو۔ کسی نے کہا کہ اس کا نام سفر رکھا جائے۔ یہودی اور عیسائی آج بھی تورات کے اجزاء کو أسفار کہتے ہیں۔مگر یہ رائے ناپسند کی گئی۔

دوسری وجہ: ہجرت حبشہ کرنے والے صحابہؓ میں سیدنا ابن مسعودؓ یا سالم مولی ابی حذیفہؓ نے یہ رائے دی کہ اہل حبشہ اپنی مذہبی کتاب کو مصحف کہتے ہیں۔ یہ نام رکھ لیا جائے۔ بقول بعض یہ رائے بہت پسند کی گئی اور قرآن مجید کو مصحف کہا جانے لگا۔

مگر یہ دونوں واقعات درست نہیں۔اس لئے کہ یہود کی مشابہت سے صحابہ بچے اور حبشہ کے عیسائیوں کی تقلید کر ڈالی؟

علماء کہتے ہیں: عربی زبان میں صحیفہ چند اوراق کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جو کتاب کی شکل میں جمع کر دیا جائے۔ (لسان العرب ۱۲/۸۸) اور مصحف اسم مفعول ہے۔ یہ نام یوں متعارف ہوا کہ قرآن مجید عہد رسالت میں تحریری طور پر اجزاء اور اوراق میں تھا۔ خلافت صدیقی میں اسے جب یکجا کیا گیا تو واقعہ کے اعتبار سے اس کا نام مصحف ہی زیادہ موزوں تھا۔ آپ ﷺ کے عہد میں یہ نام اس لئے نہیں رکھا گیا کہ ابھی وہ نازل ہو رہا تھا اس لئے نہ مصحف تھا، نہ مرتب تھا اور نہ ہی مرتب ہو سکتا تھا۔اس لئے مصحف نام خلاف واقعہ ہوتا۔ ہاں قرآن اس وقت صحف (اوراق) میں ضرور تھا۔اس لئے قرآن کو صحف کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

﴿كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝ فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ﴾ (عبس: ۱۱-۱۴)
ہرگز نہیں! یہ نصیحت ہے جو چاہے یاد رکھے یہ نصیحت۔ ایسے صحف میں ہے، جو بزرگ، بلند اور پاک ہیں۔

اس لئے فقہی مسئلہ یہ بھی ہے کہ بیع مصحف کہنا جائز ہے مگر بیع قرآن کہنا ناجائز۔ کیونکہ مصحف ایک بشری عمل ہے اور اس کی کارکردگی ہے جس سے کوئی اگر رزق کماتا ہے تو یہ کسب حلال ہے۔ مگر قرآن نہیں۔اسی طرح قرآن عثمان، قرآن علی یا قرآن أُبی کہنا بھی درست نہیں۔ ہاں مصحف عثمان، مصحف علی یا مصحف أُبی کہا جا سکتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

❹ **الکتاب:** قرآن کا یہ چوتھا نام ہے جو اس لئے ہے کہ قرآن کریم صرف زبانی کلام نہیں بلکہ الفاظ وحروف کا لکھا ہوا مجموعہ بھی ہے۔ لوح محفوظ میں بھی مکتوب ہے۔ اسی لئے لفظ قرآن میں تلاوت کا مفہوم ملتا ہے اور لفظ کتاب میں قلم سے لکھے ہوئے کا۔ دونوں اعتبار سے یہ نام اسم بامسمی ہے کہ یہ سینوں میں بھی محفوظ ہوا اور سفینوں میں بھی۔ اگر حافظ نہ ہوں تو لکھا ہوا مل جائے گا اور اگر لکھا ہوا نہ ملے تو حفاظ سے اس کا دفاع ہوگا۔ اسی معنی میں فرمایا:

﴿ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (البقرہ:۲) یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ متقیوں کے لئے باعث ہدایت ہے۔

مزید صفاتی نام: قرآن مجید کے کچھ اور وصفی نام بھی ہیں جو جا بجا اللہ تعالی نے ذکر کئے ہیں۔ جن میں:

❺ **ذکر:** قرآن کا یہ وصفی نام ہے۔ جس کا لغوی معنی: ذکر کرنا یا بھولی ہوئی چیز یاد دلانا ہے۔ قرآن مجید انسان کو زندگی کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے۔ اس لئے یہ ذکر ہے۔ اسے بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک بار پڑھنے سے یاد نہیں رہتا بلکہ بہت بڑی بھول کا سبب بن سکتا ہے۔ نیز گذشتہ اقوام کے انجام کی روشنی میں خیر خواہی اور حکمت پر مبنی نصائح ہیں۔

﴿وَهٰذَا ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْکِرُوْنَ ۝﴾(الانبیاء:۵۰) اور یہ مبارک ذکر ہے جسے ہم نے نازل کیا۔ کیا تم اس کے منکر بنتے ہو؟

ذکر بمعنی شرف بھی ہوتا ہے۔ اسے وَإِنَّهُ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ کہا گیا ہے۔ یہ آپ اور آپ کی قوم قریش کے لئے باعث شرف ہے۔ یہی شرف ہی بہت ہے جس نے اسے مانا اس کا ذکر خیر اس میں ہو گیا اور جس نے مان کر نہ دیا اس کا ذکر شر بھی کر دیا۔

❻ **تنزیل:** قرآن کریم کا یہ نام بتدریج نازل ہونے کی وجہ سے ہے۔ علماء تفسیر بجائے قرآن کے تنزیل کا لفظ زیادہ استعمال کرتے ہیں۔

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝﴾(الشعراء:۱۹۲) اور بے شک یہ سب جہانوں کے پروردگار کا نازل کردہ ہے۔

❼ **حدیث:** قرآن کے لئے اللہ تعالی نے لفظ **حدیث** استعمال کیا ہے اس لئے کہ اللہ تعالی کی ہم انسانوں سے خیر خواہی پر مبنی گفتگو ہے۔ جس میں عقائد کی درستگی اور عمل صحیح کی دعوت ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ ۝﴾ (الزمر:٢٣) اللہ نے بہترین بات اتاری۔

اسے ھدی وبشریٰ بھی کہا گیا ہے۔ مراد یہ کہ جو اسے کتاب ہدایت سمجھے وہ اپنی مراد پا کر خوشخبری کا مستحق بنتا ہے ورنہ بدبختی کا۔

طٰسٓ تِلۡکَ اٰيَاتُ الۡقُرۡاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيۡنٍ ۝ هُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾ (النمل: ١-٢) طس، یہ قرآن مجید کی اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔ مومنوں کے لئے باعث ہدایت وخوشخبری ہیں۔

❽ **نور:** اس مقدس کتاب کا ایک یہ وصف بھی ہے۔ کتاب منیر بھی اسے فرمایا جو تاریکی میں چراغ کا کام دیتی ہے۔ اسی طرح بصارت کو بصیرت کی نعمت بھی یہ کتاب عطا کرتی ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

﴿وَ أَنۡزَلۡنَا إِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ۝﴾ (النساء: ١٧٤) اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا ہے۔

❾ **موعظہ:** اس صفت سے یوں لگتا ہے جیسے قرآن مجید ہمارے حالات سے بخوبی واقف ہے اور حالات وواقعات کو جس پیرائے میں بیان کرتا ہے وہ ہم پر ہی منطبق ہوتے ہیں۔ یوں اس کی نصیحت دل پر اثر کرتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤأَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَتۡكُمۡ مَّوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوۡرِ وَرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾ (یونس:٥٧) لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آچکی ہے اور سینوں میں جو تکالیف اور بیماریاں ہیں ان کیلئے شفا بھی اور اہل ایمان کے لئے رحمت بھی۔

موعظة یوں کہ دنیا وآخرت میں کامیابی کے کیلئے توازن بہت ضروری ہے۔ نہ انسان صوفی وتارک الدنیا بن جائے اور نہ بالکل دنیادار۔ **شفاء** بھی ہے کہ دل میں بسے آبائی، معاشرتی اور رسمی خیالات وخرافات کو جڑ سے اکھاڑ کر اچھے اور درست عقائد اور اعمال کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور جو ضرر رساں ہیں ان سے بچاتا ہے۔

❿ **مجید:** بڑی شان والا، وہ اس طرح کہ یہ ساتویں آسمان کے اوپر موجود لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں اترا، پھر جبریل امین علیہ السلام اسے لے کر دنیا کے سب سے بڑے ہادی وراہنما کے قلب اطہر پر، رمضان المبارک کی شب قدر میں، دنیا کے مرکز مکہ مکرمہ میں، اس خوش قسمت امت کی راہنمائی کے لئے اتارنے کا آغاز کر گئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ۝﴾ (البروج:٢١) نہیں! بلکہ وہ قرآن ہے بڑی شان والا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۱۱۔ روح: اللہ تعالی نے اسے **روح** بھی کہا جس سے واقعی قلبی وروحانی حیات ملتی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ..... ﴾ (الشوری: ۵۲) اسی طرح ہم نے آپ ﷺ کی طرف اپنے حکم سے روح کو اتارا، آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا؟

اسی طرح قرآن مجید کو **کتاب مبارک** بابرکت کتاب، **الکتاب المبین** واضح وظاہر کرنے والی کتاب، **الکتاب الحکیم** دانائی والی محکم کتاب جو حاکم بھی ہے اور **کتاب عزیز** پیاری کتاب بھی کہا گیا ہے۔ دیگر صفات **مثلاً بیان، العلم، القصص، الحق**، وغیرہ۔ بھی ہیں جو کم وبیش ایک سو چالیس مقامات میں بیان ہوئی ہیں۔

قرآن کریم مؤثر ربانی منہج

ان پڑھ عرب اس کے اولین مخاطب تھے پھر بھی قرآن مجید نے ان پر اپنا گہرا اثر چھوڑا۔ انہیں مہذب انسان بنا دیا۔ وہ سرزمین عرب سے نکل کر جب عراق، شام، مصر اور وسطی ایشیا گئے تو نہ صرف اس کتاب وا پنی جدید تہذیب کے ذریعے انہیں حلقہ بگوش اسلام کیا بلکہ عربی زبان کی محبت نے ان نو واردوں سے اپنی زبان وتہذیب تک چھڑوا دی۔ حیرت کی بات تو ہے کہ یہ کیسی کتاب ہے جس کی زبان عربی ہے مگر غیر عربوں کی کثیر تعداد اسے آسان جان کر عرب بن بیٹھی اور بڑی عقیدت ومحبت سے اس کی بھرپور خدمت کر ڈالی۔ آج بھی دنیا کا ہر شخص اس کتاب کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہ نسل انسانی کی تعلیم وتربیت کا تیار کردہ الٰہی نصاب ہے جو انسانوں کو پستی سے نکال کر دنیا کی انتہائی مہذب اور شائستہ قوم بنانے آیا ہے۔ ورنہ پستی کا سبب بھی سوائے اس کتاب کو ترک کرنے کے اور کچھ نہیں۔ خوش قسمت ہے وہ قوم جسے یہ مقدس کتاب نصیب ہوئی اور تبدیلی کے لئے اس کی تدریس وتعلیم کے آسان منہج میں وہ لگ گئی۔

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ (القمر: ۱۷) بے شک ہم نے قرآن کریم کو آسان بنایا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

آسان کتاب، آسان منہج: قرآن کریم کی خوبی یہ ہے کہ اس کی ابتداء کریں تو مشکل لگتی ہے مگر جوں جوں اسے پڑھتے جائیں تو یہ آسان تر ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر پڑھانے والا واقعی استاذ ہو تو بہت ہی آسان کتاب لگتی ہے۔ جب کہ دنیاوی کتب کا

حال یہ ہے کہ ان کی ابتداء کریں تو بھی مشکل اور ایم اے، پی ایچ ڈی کرتے جائیں تو مشکل سے مشکل تر۔اس سے مبتدی بے نیاز ہوسکتا ہے اور نہ ہی کوئی علامہ دہر۔ بلکہ ہر درجے کا آدمی اس سے ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔اس میں جتنا غور کریں نئے نئے اسرار کھلتے ہیں۔اس لئے جو اسے سیکھنے یا جاننے کا شوق رکھتا ہے وہ بتدریج اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔اس کے بیان کردہ مسائل واحکام اور عقائد میں کوئی گنجلک نہیں، نہ ہی عقل سے ماوراء اس کی باتیں ہیں۔﴿ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (آل عمران:۱۱۸) ہم نے کھول کھول کر تمہارے لئے آیات میں عقائد واحکام بیان کردئے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔جی ہاں! اس میں انسانی مسائل کا ہی تذکرہ ہے نہ کہ جانوروں یا حشرات الارض کے مسائل کا یا میڈیکل وسائنس کا۔اسی میں ہی ہمارے عروج وزوال کی تاریخ ثبت ہے اور ثواب وعقاب کی بھی۔ **إن في ذلک لآیت لقوم یسمعون،... لقوم یعقلون،... لقوم یتذکرون،.... للعالمین،** میں مخاطب ابن آدم ہی ہے جو صاحب عقل ہے اور خود مختار وآزاد ہے۔اس لئے اسے مشکل نہیں کہا جاسکتا البتہ اسے آسان بنا کر پیش کرنا علماء کرام کا فرض ضرور بنتا ہے۔اس لئے یہ کتاب:

اتنی مشکل بھی نہیں کہ اسے صرف علماء ہی سمجھ سکیں اور عام مسلمان اس سے محروم رہے۔یا اسے صرف مسلمان سمجھ سکتا ہے اور غیر مسلم نہیں۔ بلکہ کئی غیر مسلم محض اسے سن کر یا خود پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔نہ ہی یہ پر اسرار کتاب ہے کہ اس کا ایک مفہوم ظاہری ہو اور دوسرا باطنی۔یا ظاہری مفہوم، عام اور باطنی، خاص لوگ ہی جان سکتے ہیں۔یہ سوچ اگر دنیاوی علوم کے بارے میں ہو تو کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟ کیا اللہ کی کتاب ایسا کہنے کا حق کسی کو دیتی ہے۔بلکہ ایسا کہنے سے انسان میں عملی اور اخلاقی تبدیلی آسکتی ہے نہ اللہ کی عظمت دلوں میں سماتی ہے اور نہ الہامی ہدایات کی قدر باقی رہتی ہے۔یہ سب غلط اصول مسلمان کو کتاب سے دور کرنے اور ذاتی سوچ میں ڈبونے کے ہیں۔ہاں اس کی گہرائی میں جانے کے لئے بلاشبہ چند بنیادی علوم کی ضرورت ہے تاکہ عصری اشکالات اور مسائل کا حل اس سے تلاش کیا جاسکے۔

بہترین تربیت کا قرآنی نصاب:

ا۔تلاوت آیات میں تلاوت سیکھنا، خود تلاوت کرنا اور تلاوت سننا شامل ہیں۔تلاوت قرآن ہر ذکر سے بلند تر ذکر ہے۔عربی زبان میں تلاوت دو معنوں میں مستعمل ہے۔ پہلا معنی قراءت کرنا ہے۔تلا یتلوا تلاوۃ سے مراد پڑھنا ہے۔یعنی الفاظ وحروف کو ان کے اصل مخارج دینا۔ دوسرے معنی تلا یتلوا تلواً سے مراد: پیچھے پیچھے چلنا۔جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے اسی طرح قاری قرآن بھی قرآن کے کسی حکم کو پڑھتے ہی اس کے پیچھے چل پڑا اور مطیع وفرمان بردار بن گیا۔یہی حق تلاوت کا مفہوم

ہے۔جس کا صحیح لطف عمل کے بعد ہی نصیب ہوتا ہے۔ہمیں اس قول سے ڈرنا چاہئے:

رُبَّ قَارِئٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَالْقُرْآنُ يَلْعَنُهُ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت بھیج رہا ہوتا ہے۔

اس لئے کہ قران کی ایک آیت قاری قرآن پڑھ رہا ہے جس میں مثلاً سود، دھوکہ، شرک و بدعت، جھوٹ و حرام سے اجتناب وغیرہ کی تعلیم ہے مگر یہ صاحب ہیں کہ اسے پڑھتے ہیں نہ رک کر سوچتے ہیں اور نہ ہی ان ممنوعات سے توبہ کرتے ہیں۔تو ایسی صورت میں قرآن یہی کچھ تو کرے گا۔

فضیلت تلاوت: تلاوت قرآن کا بھی ثواب ہے خواہ پڑھنے والا قرآن کریم کا ترجمہ نہ جانتا ہو۔مگر چونکہ قاری قرآن کا یہ ایمان ہے کہ یہ مقدس کتاب اللہ تعالی کا کلام ہے اس لئے اللہ اس کے عمل کی قدر کرتا ہے۔افضل قرائت نماز میں اس کی تلاوت ہے جس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔جس میں بالخصوص سورۃ فاتحہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

(لَا صَلاَةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)(صحاح ستہ)۔اس کی نماز نہیں جو سورہ فاتحہ کو نہیں پڑھتا۔

اپنی دینی محفلوں میں قرآن پاک کی قراءت کو زندہ کیجئے۔رسالت مآب ﷺ کے یہ ارشادات ہم یاد رکھیں:

إِقْرَؤُوا الْقُرآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيمَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ قرآن پڑھا کرو اس لئے کہ روز قیامت یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کے آئے گا۔(صحیح مسلم عن أبی أمامہؓ)

يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقرآنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَتِكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَأُ۔ صاحب قرآن کو کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔اور اسے ترتیل سے پڑھنا جس طرح تم اسے دنیا میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ تیرا مقام اس آیت کے آخر پر ہوگا جو تو پڑھے گا۔(سنن ابی داؤد:۱۴۶۴)

اَلْمَاهِرُ بِالْقُرآنِ مَعَ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقرآنَ وَيَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ(متفق علیه) قرآن کا ماہر کل محترم و پاکباز لوگوں میں ہوگا۔اور وہ بھی جو قرآن پڑھتے وقت ہکلاتا ہے، پڑھنا اس کے لئے دشوار ہے اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔(عن أم المؤمنین عائشۃ رضی اللہ عنہا)

تلاوت کے آداب وحقوق: اس عظیم کلام کی تلاوت کے چند آداب ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۱۔تلاوت سے قبل اپنی نیت،قرآن سے دل کومنور کرنے، اپنے ظاہر کواس سے آراستہ کرنے اورروز قیامت رب کاتقرب حاصل کرنے کی کرنی چاہئے۔خواہشات، مرغوبات نفس اور چمٹی ہوئی دنیوی اغراض سے بے غرض ہوکر تلاوت کی جائے تو تلاوت اپنا اثر دکھاتی ہے۔ورنہ قاری اوراللہ کے کلام کے درمیان ان میں سے کوئی شے بھی ایک گاڑھا حجاب ڈال سکتی ہے۔نیت خالص رہے تو اس کی برکت پھلے اور پھولے گی اور اگر ناخالص ہوتو سب محنت اکارت جانے کے علاوہ ثواب سے محرومی کا سبب بھی ہوگی۔امام سفیان ثوریؒ فرمایا کرتے:مَا عَالَجْتُ شَيْئاً أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ نِيَّتِيْ۔مجھ پر میری نیت سے بڑھ کرکوئی معاملہ سخت ترین نہیں رہا۔

۲۔ تلاوت سے قبل مسواک کیجیے۔خوشبو میسر ہوتو اسے بھی ضرور لگایئے،قبلہ رو ہوکر بیٹھئے اور غیر ضروری کاموں کو وقتی طور پر ترک کر دیجئے۔

۳۔ قلب کوحاضر کرلیجئے اس یقین وکیفیت کواپنے اوپر طاری کرلیجئے گویا اللہ تعالی سے یہ قرآن سنا جارہا ہے۔

۴۔ ابتداء قراءت أعوذ باللّٰہ پڑھ کر کیجئے۔یہ اللہ کاحکم ہے۔پھر بسم اللّٰہ ہرسورۃ سے پہلے بھی پڑھئے سوائے سورہ براءۃ کے۔کسی بھی مقام سے تلاوت کے لئے أعوذ باللّٰہ پڑھنا ہی کافی ہے۔

۵۔سب سے پہلا ذریعہ اس کا حق تلاوت ہے۔اسے سیکھنا یا سکھانا ہوگا تاکہ قرآن کریم کی تلاوت صحیح نطق کے ساتھ ہواور تصحیف ولحن سے پاک ہو۔تجوید صوتی جمال کو کہتے ہیں جسے کان محسوس کرتے ہیں یہ ابھارتی ہے کہ ہوشیار باش،اور ہر انسان میں قرآن کریم کی طرف مائل ہونے کا داعیہ پیدا کرتی ہے۔۔تجوید وترتیل کے ساتھ قرآن کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔قرآن میں ہے:﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا﴾ (المزمل: ٤)۔ترتیل دانتوں کی ترتیب کو کہتے ہیں۔یعنی جس طرح ہر دانت الگ الگ ہے اور ساتھ جڑا ہوا بھی، اسی طرح پڑھنے میں بھی قرآن کا ہر حرف ولفظ الگ الگ محسوس ہو اور ساتھ ملا ہوا بھی ہو۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

زَيِّنُوا الْقُرآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ:(ابوداؤد:۱۴۶۸،النسائی:۱۷۹/۲) اپنی آوازوں سے قرآن کو مزین کیا کرو۔

۶۔ قرآن مجید کا استماع۔۔غور سے سننا۔۔بھی فرض ہے۔آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کی تمام ترحرکات اور توجہات کو وحی وصول کرنے کی طرف پھیر دیا جاتا تھا۔یہی وہ مشقت تھی جسے آپ برداشت کرتے ورنہ یہ عدم توجہی کی بنا پر نہ دل پر اترتا، نہ اس میں قرار پکڑتا، نہ یاد ہوتا اور نہ ہی آپ اسے برداشت کرپاتے۔سامع پر بھی یہ واجب ہے کہ وہ قرآن کو توجہ سے سنے اور اس کی آیات پر غور کرے خواہ وہ اسے کسی قاری سے سن رہا ہو یا ٹی وی آڈیو اور ریڈیو سے۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (الأعراف: ٢٠٣) جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(یہ رحمت فرشتوں کا نزول بھی ہے)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۷۔اجتماعی قراءت بھی بہت مؤثر ہوسکتی ہے۔اجتماعی سیشن برائے تلاوت منعقد کرکے اس مجلس کواورزیادہ وسیع اور منظم کیا جاسکتا ہے تاکہ قراءت کرنے والاکمل یکسوئی اورآرام وسکون کے ساتھ پڑھ اورسیکھ سکے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰهِ ، یَتْلُونَ کِتَابَ اللّٰهِ وَیَتَدَارَسُونَهُ بَیْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ، وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِکَةُ، وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهُمْ۔ اللہ تعالی کے کسی گھر(مسجد) میں جب بھی لوگ اکٹھا ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور پڑھتے پڑھاتے ہیں توضروران پرسکینت نازل ہوتی ہے رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے فرشتے گھیراڈال دیتے ہیں اوراللہ تعالی اپنے پاس والوں کے ہاں ایسے لوگوں کو یاد کرتا ہے۔(صحیح مسلم:۲۶۹۹)

☆......حلقات بھی قرآنی تعلیم کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئے ہیں۔علماءتفسیر حالات وواقعات کوسامنے رکھ کرپوری ہمدردی اور ذمہ داری کے ساتھ اگراسے واضح کریں تو لوگوں میں قرآن سیکھنے کا جذبہ وذوق دوبالا ہوجائے۔

☆......خواتین اپنے محلے کے بچوں بچیوں کوقرآن سے آشنا کرنے کے لئے گھر گھر میں یہ خیر لاسکتی ہیں۔حفاظ کرام مسجدوں میں یا سکولوں میں اپناوقت دے کرکئی پیاسوں کوسیراب کرسکتے ہیں۔

☆......قرآن فنڈ قائم کرکے بے روزگار حفاظ کوخادم قرآن بنایا جاسکتا ہے اور دیہاتوں قصبوں میں پھیلی ہوئی بے راہ روی کواس قرآن کے ذریعے دور کیا جاسکتا ہے۔

۸۔قرآن کریم کے اخلاق عالیہ اورآداب فاضلہ کیا ہیں؟ دوران تلاوت،انہیں اپنائے بغیر قرآن کریم کا حق ادانہیں ہوسکتا۔مثلاً تدبر وتفکر ہی اخلاق وآداب سے آگاہی دیتا ہے۔خشیت الٰہی اسی سے ہی پیدا ہوتی ہے اور قرآن کی عظمت دل میں براجمان ہوکراس کا ادب واحترام سکھاتی ہے۔زوالی کیفیت سے دوچار یہ امت غوروتدبر سے ہی اپنی عظمت رفتہ بحال کرسکتی ہے۔اس کی قائدانہ باتیں ہی امت میں نئی قیادت ابھارسکتی ہے۔ہمیں رب العالمین کے اس ارشاد پرہی صرف غور کرلینا چاہئے۔

﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ﴾ (النساء : ٦٠) وہ چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں اس کے انکار کا حکم دیا گیا ہے شیطان بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ انہیں بڑی دور کی گمراہی میں لے جائے۔

قرآنی نسل کی تیاری کے لئے یہ سبھی کام اولاد کے بچپنے سے ہی شروع کرنے کے ہیں۔اس کے لئے سازگار ماحول مہیا کرنا والدین کا فرض ہے۔اولاد کی درست اورصحیح فکری وعملی روش کا یہی وقت ہی بہت مناسب ہوتا ہے بڑے ہوکراس کی طرف راغب ہونا آسان نہیں ہوتا۔ایسی تقریروں اورگفتگو سے اجتناب کرنا چاہئے جو بگاڑ اوراخلاقی انحطاط کا سبب ہیں۔جس کا نتیجہ بے شرمی ہے۔اوراپنی نظروں میں گرنا بھی۔الا ماشاءاللہ۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تزکیہ: اس سے مراد طہارت نفس ہے۔ دل بھی لوہے کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ دلوں میں جمی جہالت، رسم ورواج، آباء پرستی، اکابر پرستی، سوءفہمی، کج فہمی، فرسودہ نظریات وعقائد، دل کو نجس بنادیتے ہیں۔ جو اعمال وگفتگو کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ ہر شر اور خیر کا مرکز دل ہے۔ یہ اگر ان نجاستوں سے پاک ہو جائے تو سارا جسم، سوچ اور عمل سمیت صاف ستھرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ بدبودار اور متعفن ہو تو اعمال واقوال بھی متعفن ہو جاتے ہیں۔ دلوں کی طہارت اللہ کے کلام کو یاد کرنے، سیکھنے اور سمجھنے سے ہوتی ہے نہ محض خالی مراقبوں سے۔ شیطانی خیالات اور ہر قسم کے شک وشبہ کا ازالہ اسی سے ہوتا ہے اور دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو یہی جگاتا اور بساتا ہے۔ آپ ﷺ نے تزکیہ نفس فرما کر ایسی پاکیزہ ہستیاں تیار کیں کہ فرشتے بھی گردوں سے اتر کر قطار اندر قطار انہیں سلام کرتے اور مدد کرتے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جو ان دنیوی اغراض سے بھی باز رہیں جن میں جاہ ومال یا شہرت ومخدوم ہونے کا شائبہ ہوتا۔ اور نہ ہی انہیں اپنے معاصرین پر سبقت لے جانے کی حرص تھی۔ امام سفیانؒ بن عیینہ فرماتے ہیں: مجھے قرآن کا فہم حاصل تھا لیکن جب میں نے خلیفہ ابوجعفر سے تھیلی قبول کر لی تو اس علم سے میں محروم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے ان لائق شاگردوں میں اطاعت شعاری کا ایسا سچا جذبہ بیدار کیا کہ وہ تقوی کی انتہاؤں تک پہنچ گئے۔ اور رضائے رب کے مستحق بن گئے۔ یہی وہ سچی تعلیمات ہیں جو ہمیں سیرت رسول سے ہی ملتی ہیں اور جن سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے: لَيْسَ الْعِلْمُ مَا حُفِظَ، اَلْعِلْمُ مَا نَفَعَ۔ علم وہ نہیں جو یاد کیا ہوا ہو بلکہ علم وہ ہے جس کا فائدہ ہو۔

تعلیم کتاب: لفظ تعلیم میں کتاب کی بتدریج تعلیم وتربیت کا مفہوم ملتا ہے۔ جس میں ماحول ومواقع اور مکمل کتاب کی تعلیم حاصل کرنا اور کرانا ہے نہ کہ اس کے بعض آیات یا سورتوں کی تعلیم۔ اور نہ ہی ایک ہی ہلے میں سارے قرآن مجید کی تعلیم اس سے مراد ہے۔ مکمل کتاب کا بتدریج سیکھنا ایمان، یقین، اخلاص، عمل اور علم میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ جس کے لئے مذاکرے، گروپ سٹڈیز، حلقات، دروس، بچوں، بڑوں اور عورتوں تک کی تعلیم کے لئے قرآنک سنٹرز کا احیاء واجراء ہو۔ اسی کو آپ ﷺ نے رواج دیا اور اس کی شمع گھر گھر جلائی گئی۔ آپ ﷺ خود معلم تھے اس لئے تعلیم قرآن وحکمت ہی کے فوائد آپ ﷺ بہت بہتر جانتے تھے۔ آپ ﷺ معلمین کا انتخاب فرماتے اور انہیں متعین کرتے۔ یہ وہ شرف ہے جو آپ ﷺ نے معلمین کو بخشا۔

تعلیم حکمت سے مراد وہ دانائی وحکمت کی باتیں یا اعمال ہیں جو آپ ﷺ قرآن کریم کی روشنی میں کرتے یا بجالاتے۔ حکمت کسی چیز کو اس کے مقام پر انتہائی اتقان (Accuracy) کے ساتھ رکھنے کو کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے نہ صرف الفاظ وآیات قرآنیہ میں پوشیدہ معانی اور حکمتوں کو سکھایا بلکہ عملاً بھی انہیں کر دکھایا۔ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ۔ آپ ﷺ کے اخلاق، قرآن پاک کی صحیح تصویر

تھے۔آپ ﷺ ہی اس کے معلم اول تھے اس لئے آپ ﷺ ہی کی قولی و عملی اور اخلاقی تعلیم اس کی بنیاد بنی۔نہ کہ کفار کے فلسفہ و عقل سے۔یہی وہ حکمت تھی جس کے سیکھنے کا حکم ازواج مطہرات کو دیا گیا۔

تبصرہ: یہی وہ اصلاحی ،اسلامی ،تربیتی اور روائتی نصاب ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے ایسے صاحب علم افراد تیار کئے جنہیں دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ، کوئی غلط دعوت و تحریک کسی دام نہ خرید سکی۔ایسے نوجوان نکالے جنہوں نے اپنی زندگیاں حق وصداقت اور علم وہدایت کے لئے قربان کر دیں۔جنہیں کسی کے لئے بھوکا رہنے میں ایسی لذت آئی جو کسی کو پیٹ بھر کر کھانے اور نان ونوش میں آتی ہے۔جنہیں کھونے میں وہ مسرت حاصل ہوتی جو بعض اوقات کسی کو پانے میں نہیں ہوتی۔جنہوں نے اپنی بہترین توانائیاں، ذہن کی بہترین صلاحتیں انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے وقف کر دیں۔یہی وہ دستار فضیلت ہے اور یہی درس نظامی ہے جس کی آج ہر فرد کو ضرورت ہے۔

☆......اس میں کوئی شک نہیں کہ امت آج اپنی افادیت کے سب سے اہم پہلو کو نظر انداز کر کے گونا گوں مسائل کا شکار ہے اور اس منہج سے ہٹ کر ترقی کے نام سے بہکا دی گئی ہے۔ہمارا دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو جانا، فکر کے سوتوں کا استعمال نہ کرنا، غیروں کی سوچ اور فکر کا دست نگر بن جانا، تعلیم و تدریس میں اپنی آمدنی و بجٹ کا ایک خاطر خواہ حصہ نہ رکھنا، بحثیت ایک مسلمان کے قرآن مجید کی تعلیم کو ثانوی حیثیت دینا، اس کی تعلیم کے لئے معلمین کا۔۔معدودے چند کے۔۔غیر عالم اور پیشہ ور ہونا، حکومتی سطح پر جدید تعلیم کی سرپرستی کر کے قرآنی تعلیم کو غیر اہم بنانا، ذہین وفطین نوجوانوں میں اس کے جاننے اور سمجھنے کا ذوق وشوق نہ ہونا، نیز غور وفکر کر کے دور حاضر کے سوالات کا جواب اس کتاب میں تلاش نہ کرنا وغیرہ یہ امت کی بدقسمتی ہے کہ اتنی اعلی کتاب جسے اچھی توقعات وابستہ کر کے دی گئی آج وہی اس سے روگرداں ہے۔ خاص وعام مسلمان نے اس کتاب کو جتنا (ignore) کیا ہے شاید ہی کوئی اور مذہبی یا دنیاوی ناول وکہانی کی کتاب ہو جس سے یہ سلوک روا رکھا گیا ہو۔انجینئرنگ، میڈیکل، کمپیوٹر سائنس، اکنامکس، ریاضی وغیرہ کی کسی کتاب کا کوئی صفحہ سمجھے بغیر طالب علم آگے نہیں بڑھتا مگر یہ کتاب بغیر سمجھے پڑھ بھی لی جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

سوالات

۱۔قرآن کریم کا تعارف کراتے ہوئے اس پر ایک جامع نوٹ لکھئے۔

۲۔لفظ قرآن کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ اس کے مصدری معانی علماء کی آراء سمیت لکھئے۔کیا یہ رائے درست ہے کہ قرآن بمعنی قراءت ہے؟

۳۔درج ذیل نے قرآن کریم کا تعارف کس کس طرح پیش کیا ہے؟

اللہ تعالی نے ، رسول اللہ ﷺ نے ، علماء سلف نے

۴۔قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف کی روشنی میں بعض خصوصیات کا ذکر کیجئے۔

۵۔کیا قرآن مجید کے وصفی نام بھی ہیں۔چند ایک کا تفصیلی تذکرہ کیجئے اور اگر کوئی فرق ہے تو اسے واضح کیجئے۔

۶۔ اس الہی کورس کے خدو خال کیا ہیں بتائیے جو اس امت کی اعلی تعلیم وتربیت کے لئے اللہ تعالی نے خود ڈیزائن کیا ہے اور جسے ہمارے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ادارے میں پڑھایا۔

۷۔ عالم یا عالمہ بننے کے لئے اولین کورس کون سا کرنا چاہئے۔لائبریری میں موجود مختلف درس نظامی کے نصاب (سلیبس) پڑھ کر رائے دیجئے۔

ہوم ورک

۱۔ جو آیات اللہ تعالی نے قرآن مجید کی تعریف میں بیان کی ہیں انہیں جمع کر کے لکھئے اور زبانی یاد کیجئے۔

۳۔اصطلاحی تعریف کو زبانی یاد کرنے کے بعد اسے از خود لکھئے۔

۴۔اسماء قرآن کو کتاب اللہ سے آیات سمیت نکالئے اور انہیں لکھئے۔

۵۔وصفی ناموں کا معنی ومفہوم آیات سمیت یاد کیجئے اور ان کے معانی کو کتاب **مترادفات القرآن** از عبدالرحمن کیلانی سے تلاش کیجئے۔

۶۔ کیا قرآن کریم پڑھنے یا پڑھانے میں مشکل کتاب ہے یا آسان؟ کیا اس کا سیکھنا اور سکھانا مباح ہے یا فرض؟

مشق

۲۔ آپ اپنے محلے میں سروے کیجئے اور اس کی رپورٹ دیجئے کہ کتنے گھرانوں میں قرآن پڑھا یا پڑھایا جاتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:۳

تعلیم قرآن

تعلیم:علم الصرف میں لفظ تعلیم ،تفعیل کے وزن پر ہے۔جس کی خصوصیت میں تصییر (ہوجانا، بنانا) کا معنی ملتا ہے۔جیسے:وَتَّرَ الـقَوْسَ ۔اس نے کمان کو زہ دار بنایا۔اسی طرح تعلیم کا معنی ہوگا کہ بتدریج مگر تسلسل کے ساتھ کسی کو علم کی روشنی سے منور کرنا۔تا کہ وہ تاریکیوں میں نہ بھٹکے۔عربی میں لفظ تعلیم میں علم دینے کے ساتھ دینی، اخلاقی اور عملی تربیت وصحیح راہنمائی کا پہلو بھی ہے۔اس لئے **تعلیم القرآن** کا مطلب کسی ناواقف کو بتدریج قرآنی علم سے آراستہ کر کے اسے عملی اور اخلاقی اعتبار سے صاحب قرآن بنانا۔ اسے ایسے علم سے مزین کرنا جو قرآن کے الفاظ وعبارات کو اور ان کے مفاہیم کو رسوخ سے پہچان پائے اور عالم ربانی کہلائے۔ظاہر ہے یہ تعلیم ،قرآن کو ایک بار پڑھنے سے نہیں بلکہ بار بار پڑھنے اور غوروفکر سے حاصل ہوتی ہے۔

اس کی اہمیت وضرورت: قرآن کریم کتاب ہدایت ہے۔اس میں آیات توحید ہیں جو مفہوم طلب ہیں۔لا إلـه إلا الله کا وہ صحیح مطلب کیا ہے جس سے مشرکین وکفار چیں بچیں ہوئے تھے۔خالق اور مخلوق کا فرق بتانا پڑتا ہے اور معبود کسے کہتے ہیں اور **مـن دون الله** کیا ہوتا ہے؟ دعاءوعبادت یا عابدومعبود کسے کہتے ہیں اور ان میں کیا باریک فرق ہے؟ ذکراللہ کیا ہے؟اور **الـلـه الـصـمد** کون؟ رب اور الٰہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالی کے اسماءوصفات کی کیا حقیقت ہے؟اس کے مثل یا ایسی بااختیار ہستی کیا کوئی ہے؟

ایمانیات کی تعلیم بھی قرآن میں ہے۔ایمان کیا صرف یقین کا نام ہے یا کچھ اور معنی بھی اس کا ہے؟ ایمان بالغیب کی وضاحت، ایمان بالرسالہ میں رسول ونبی کا اور رسول وغیر نبی کا فرق اور حیثیت۔رسالت، امامت اور ولایت میں فرق،موت وحیات،قبر اور عذاب قبر، عالم ارواح، عالم دنیا اور عالم برزخ کے بعد یوم القیامۃ وغیرہ کی وضاحت جیسی اہم تعلیم اس میں ہے۔

احکام شرعی بھی قرآن پاک میں ہیں۔ان کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ احکام صرف عمل سے تعلق رکھتے ہیں یا عقائد واخلاق اور آداب وغیرہ سے بھی؟

☆ ......ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں: عرب محض اہل زبان ہونے کی بناء پر قرآن کے اجمال وتفصیل سے کماحقہ آگاہ ہوجاتے تھے اور اس کے معنی ومفہوم کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے۔(مقدمہ:۴۸۰) مگر کیا یہ درست ہے؟ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

زبان میں لکھی ہوئی علمی تالیف محض اس زبان کے جاننے سے نہیں سمجھی جاسکتی بلکہ اس تالیف کو سمجھنے اور پڑھنے کے لئے زبان (Language) کی معرفت کے ساتھ ساتھ ذہنی وعقلی استعداد کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔اہل علم صحابہ میں سے بعض حضرات قرآن مجید کے بعض کلمات کے مفہوم وادراک سے عاجز رہے۔ أباً کیامعنی رکھتا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لاعلمی کا اعتراف کیا۔ ﴿أو یأخذھم علی تخوف﴾ میں تَخَوُّفٍ کا معنی کیا ہے برسرمنبر صحابہ کرام سے سیدنا عمرؓ فاروق نے اس کا سوال کیا۔ایک ہذلی نے کھڑے ہوکر جواب دیا کہ اس کا معنی تَنَقُّصٍ ہے یعنی اتنی کمی کرنا کہ خوف آنے لگے۔اور دلیل میں یہ شعر پڑھا:

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ مِنْهَا تَامِكًا قَرِدًا　　كَمَا تَخَوَّفَ عُوْدَ النَّبْعَةِ السَّفَنُ

اس کی پالان سکڑ کر ایسے کم پڑگئی جیسے کھردری کھال تیروں کی لکڑی کو کم پڑجاتی ہے۔(الموافقات:۴۰)

سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ﴿فاطر السموات﴾ کا صحیح مفہوم میرے ذہن میں نہیں آرہا تھا۔ایک بار دو اعرابی ایک کنویں کے متعلق نزاع میرے پاس لے آئے۔ان میں سے ایک نے اپنے حق ملکیت کے ثبوت میں کہا: أَنَا فَطَرْتُهَا : میں نے ہی پہلی مرتبہ اس کنویں کو کھودا ہے۔یہ کلمہ سنتے ہی مجھے اس مشکل کا جواب مل گیا کہ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ کا کیا مطلب ہے۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے خیط أبیض اور خیط اسود کا جو مفہوم لیا وہ بھی اس خیال کو رد کرنے کے لئے کافی ہے کہ بعض صحابہ قرآن کے معنی ومفہوم کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔آپ ﷺ نے ہی ان کی اصلاح فرماتے ہوئے فرمایا:

إِنَّكَ لَعَرِيْضُ الْقَفَا، إِنَّما هِيَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ۔تم چوڑی گدی والے ہو یعنی تم خوب موٹے ہو۔اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی روشنی ہے۔

☆......یہ بھی ضروری نہیں کہ صحابہ کرام نے سارے قرآن کو سمجھا ہو۔کیونکہ انہیں سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔دوسرا یہ کہ وہ ذہنی رسائی کے مطابق سوچ کر وقتی فیصلہ کر لیتے تھے۔مثلاً فرعون کی لاش کے بارے میں آیت کے یہ الفاظ ﴿الیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک آیۃ﴾۔صحابہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ فرعون کی لاش کہاں ہے؟ بلکہ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ اس دور کے لوگوں کے سامنے اس کی لاش کو اللہ تعالی نے پیش کیا ہوگا اس لئے یہی ان کے لئے ایک بڑی نشانی یا عبرت تھی۔اسی طرح ﴿ویخلق لکم ما لا تعلمون﴾۔ان سواریوں کو اللہ تعالی پیدا کرے گا یا کرتا رہے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔گدھے، خچر، گھوڑے اور اونٹ کے علاوہ کون سی ایسی سواریاں ہیں جنہیں اللہ تعالی پیدا کرتا رہے گا؟ صحابہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کرام نے ایسے سوال نہیں کئے بلکہ ان آیات سے سبق یہی لیا کہ جو ہستی انہیں پیدا کرسکتی ہے وہ بعد میں بھی قادر مطلق ہے کہ جو چاہے پیدا کرے۔اس لئے زمانہ حال کی سواریاں ہمارا ذہنی کمال ہےاور جس کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

☆......قرآن کریم کے بے شمار ایسے پہلو ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔اس کی اپنی لغت ہے ضرب الأمثال ہیں،غریب، مشکل،مترادف الفاظ ہیں مثلاً: قلب،فؤ اداور صدر میں کیا فرق ہے۔،اورمتباین کلمات ہیں،یَشْرِیْ، المَولٰی وغیرہ یا اضداد میں سے ہیں جیسے لفظ ظن اورزعم وغیرہ ہیں۔بعض کلمات ہیں ان کا لفظی مطلب کچھ اور بنتا ہے مگر اس سے مراد کیا ہے۔جیسے رَیْبَ الْمَنُونِ وغیرہ۔ان سب کو جاننے کے لئے فقہ اللغہ کا علم ضروری ہے۔

☆......عربی زبان کو جو پختگی اور دوام حاصل ہے اس کی وجہ اس کی فصاحت و بلاغت اور الفاظ کا وسیع ذخیرہ **(Vocabulary)** ہونا ہے۔ایک خاندانی سسٹم کی طرح اس کا نظام ہے۔ماضی،مضارع،حاضر و مستقبل اور امر و نہی،اسم ظرف وافعل التفضیل کے ہمراہ مبالغے کے صیغے ہیں، مثلاً:اسم فاعل کا مبالغہ فَعَّال ہے۔انسان زندگی میں ایک آدھ بار جھوٹ بولے تو اسے کاذِب کہتے ہیں۔اور اگر ہر لفظ یا ہر بار جھوٹ بولے تو اسے کَذَّابٌ کہہ دیتے ہیں۔چڑیوں کی چونچ کو زَقْزَقَۃُ الْعَصَافِیْر کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے حروف میں زَقْزَقَہ ہوتا ہے۔جو عَسْعَسَ کے بالکل مناسب ہے جو فعل ثنائی ہے۔جس میں مضعف یا تکرار کا معنی ملتا ہے جیسے:اللَّیْلُ یُعَسْعِسُ ۔رات بتدریج آتی اور بتدریج چلی جاتی ہے۔اس کی اپنی رموز (Abriviations) ہیں۔اس میں مترادفات واضداد ہیں۔لسان العرب میں ۸۰ ہزار مادے ہیں۔ ہر مادے کے پچاس یا ساٹھ فعل یا اسم ہیں۔جبکہ آج کل کی رائج زبانوں میں زیادہ سے زیادہ ۲۵ ہزار الفاظ ہیں۔ان مادوں کے اعراب ہیں اور بڑے دقیق معانی اپنے اندر پوشیدہ رکھتے ہیں۔کبھی ایک ہی حرکت معنی کو بدل دیتی ہے۔جیسے: قدَم، یعنی سَبَقَہُ بِقَدَمِہٖ، قدِمَ بمعنی حَضَرَ ،اور قدُم بمعنی قدیم ہوگیا۔حتی کہ حروف کی بھی الفاظ میں مناسبت ہوتی ہے مثلاً:حرف سین جس لفظ میں ہوگا وہ داخلی شے ہوگی۔جیسے:نَفْس، نَفَس، حِسّ، أُنْس، لَمْس، هَمْس، وَسْوَسَه، سِرّ۔جس لفظ میں غین ہو وہ نظر سے دور شے کا معنی دیتا ہے جیسے: غائب، غِشّ، غِیبت، غَلاء۔ جس کلمہ میں راء ہو اس میں تتالی یعنی پے در پے اور تکرار فعل کے معنی ہوں گے جیسے:جَرّ، مَرّ، کَرّ، فَرّ۔قاف جس میں ہو وہ ایک دوسرے کو مارنے یا مزاحمت کرنا کے ہوں گے جیسے:طَرَقَ، بَصَقَ ، لَصِقَ، غَرِقَ ۔یہ محاسن دیگر بدلتی زبانوں میں کہاں ہیں؟ اپنے مدعا کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کرنا اس کا شیوہ ہے۔اس میں نرمی وشدت اور شعور و جذبات سے مکمل وابستگی کا عنصر غالب ہے۔دوسری زبانوں میں ایسا قطعاً نہیں۔ بلکہ اس کا عربی صوتی آہنگ دوسری مقدس کتابوں کی آواز کو نگل لیتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

☆......اگر دنیاوی منفعت کے لئے دیگر زبانیں سیکھی جاسکتی ہیں تو عربی زبان کیوں نہیں سیکھی جاسکتی۔عربی زبان کی برکت ہے کہ وہ دنیا کی معیاری اور دائمی ادبی زبان بن گئی ہے۔مسلمان بھی بلا رنگ ونسل آپس میں اس زبان کی برکت ومحبت کی وجہ سے جڑے ہوئے ہیں۔سپین میں عربی زبان کے رواج نے یورپین زبانوں کو بے شمار عربی الفاظ بخشے جو آج بھی ان زبانوں میں بخوبی جانے جاسکتے ہیں۔

☆......اسلاف امت اس فرض کو جانتے اور نبھاتے تھے۔وہ قرآن کریم کے الفاظ ومعانی سیکھتے سکھاتے تھے۔یہی ذریعہ تھا جس سے وہ اللہ تعالی کی مراد سمجھ سکتے تھے۔اس لئے تو یہ کتاب ان کی روح اور خون میں رچ بس گئی تھی۔مشہور تابعی ابوعبدالرحمٰن السلمی کہتے ہیں ہمیں سیدنا عثمان غنی اور عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم نے بتایا۔۔جن سے ہم نے قرآن پڑھنا سیکھا۔جب تک ہم رسول اکرم ﷺ سے دس آیات کی تلاوت کرنا اوران پرعمل کرنا نہ سیکھ لیتے ہم آگے نہ بڑھتے تھے۔وہ کہا کرتے: ہم نے قرآن پڑھنا سیکھا، اس کا صحیح ادراک کیا اور اس پرعمل کیسے کرنا ہے وہ بھی جانا۔

☆......یہ صحابہ تاجر بھی تھے، مزدور بھی، کسان بھی تھے اور بڑھئی بھی، دانشور بھی تھے اور مدبر بھی۔دیہاتی بھی تھے اور شہری بھی۔روزگار و پیشے یا دیگر مصروفیات کی بناء پر انہوں نے تعلیم قرآن کو فراموش نہیں کیا۔بلکہ اسے ہر لحاظ سے مفید وبابرکت پا کر سیکھا۔ہمیں بھی آج ایسا ہی کرنے کی ضرورت ہے۔یہ قرآن سبھی کے لئے اترا تھا۔اور ہر ایک کے لئے تھا اور اسے ہر دل میں اتارنے کا کہا گیا تھا۔اس لئے اسے کسی کی پراپرٹی نہیں کہا گیا۔

☆......قرآن مجید ہر دور کے لئے نئی کتاب ہے۔یہ ایک Living Book زندہ کتاب ہے۔اس کی تعلیم وتعلم کے لئے ہر دور کے عصری علوم کا جاننا انتہائی ضروری ہے تا کہ دلوں کے تالے کھلیں، تدبر وتفکر کی عادت طلبہ میں پیدا ہو۔سورج کی روشنی کی طرح قرآن اپنا نور وعلم پھیلاتا جائے۔جتنی کھلی اور بڑی کھڑکی ہوگی اتنی سورج کی روشنی زیادہ پہنچے گی۔قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے بھی جتنا بڑا ظرف ہوگا اتنا ہی فائدہ ہوگا۔

☆......دور حاضر الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔اس کی جنگ نے نظریاتی سرحدیں برائے نام کردی ہیں۔اس جنگ میں جھوٹ، فحاشی اور استحصال عام ہے۔تعلیم قرآن ہی اس جنگ کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ہماری شکست وریخت کا مداوا اسی کی تعلیم میں ہے۔اگر اللہ کے اس کلام پر ہمارا ایمان ہو تو ہمیں دوست ودشمن کی صحیح تمیز ہوسکتی ہے۔اس میں بہت سی تنبیہات ہیں جن کے اسباق ہمیں بار بار یاد کرائے گئے ہیں جو ہمارے مشکل حالات میں راہنمائی کردیں۔عبادالرحمٰن بننا ہمارا کام ہے اور رحمٰن الدنیا بننا اس کا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......اس میں پیشین گوئیاں ہیں۔ تاریخ ہے جس کی تحدید کرنا بہت مشکل ہے۔ مثلاً: ﴿إذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکًا ﴾۔موسی علیہ السلام کے بعد یہ کون سے نبی تھے؟ اس کا تعین اسرائیلیات کا گہرا مطالعہ چاہتا ہے۔ پھر ذرا آگے ﴿وقد أخرجنا من دیارنا﴾ سے کیا مراد ہے کس نے انہیں ان کے علاقوں سے نکالا تھا؟ اور بیت المقدس اگر اس سے مراد ہے تو پھر کون سا وہ بادشاہ تھا جس نے غلبہ پا کر انہیں بے دیس کیا۔ اسی طرح ﴿لتفسدن فی الأرض مرتین﴾ میں مرتین سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ ہو چکا یا کچھ باقی ہے؟ اس کا تعین خاصا تاریخی مطالعہ چاہتا ہے۔

☆......کائنات کی بے شمار نشانیاں ہیں جن کے لئے بے پناہ عصری علوم کی ضرورت ہے۔ جن کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

☆......مختلف مذاہب کے غلط عقائد ونظریات سے قرآن نے آگاہ کیا ہے؟ انہیں سمجھنے کے لئے ایسے مذاہب کی اصل زبان کا علم ہونا تا کہ اصل مصادر سمجھے جاسکیں، پھر ان کا تقابلی مطالعہ کرنا ایک طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے۔

☆......قرآن، میں بیان شدہ شریعت، راہنما شریعت ہے۔ اس کے مقابل میں بے شمار نظریات، اور ازم اٹھے، قانون بنے جو وقتی سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے بعد مغلوب ہوگئے۔ مگر کیا یہی قوانین انسانوں میں مساوات یا متوازن زندگی کی ضمانت دے سکے؟۔ قرآن نے اپنے بہی خواہوں کو تاریخ کی ایک مثال دے کر ضمانت دے دی کہ خلفاء راشدین کے عہد میں ایسا ممکن ہوسکا ہے۔ اس لئے اس کی تعلیمات سمجھنا اور تسلیم کرنا ضروری ہے۔

☆......تاریخ یہود اور آغاز مسیحت، دونوں مسخ شدہ ہیں۔ اور مشرکانہ مذاہب کا کوئی سر پیر نہیں۔ قرآن کریم کے مطابق ان مذاہب کی تاریخ دجل وفریب اور دہشت وبربریت کی تاریخ ہے۔ انسانی خون کی ہولی کھیلنے والے کیا انسانیت کے راہنما بن سکتے ہیں۔ یہ سب مذاہب جھوٹ کے سہارے چل رہے ہیں۔ انٹرنیٹ پر ان کے گھر کے بے شمار بھیدی لنکا ڈھا رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اسی جھوٹ کا انکشاف پندرہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔ اس لئے ایک مومن یہی ایمان رکھتا ہے کہ دونوں نے علمی، روحانی اور اصلاحی بددیانتی کی ہے اور یہی ملزم ہیں۔ قرآن کریم پہلی کتب کا **مُهَيْمِن** یعنی نگران یا ناسخ ہے۔ دنیا بھر میں پھیلی مشرکوں کی بین الاقوامی منڈی اور ان کی متنوع مشرکانہ سرگرمیاں اور رسم ورواج کے ہر اہم پہلو پر قرآن نے روشنی ڈال دی ہے کیا مزید کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔ اس گند اور کیچڑ سے لت پت دنیا کو صرف قرآن کا طالب علم ہی صاف ستھرا اور امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔ اور اسی سے ہی سب کی گردنیں ایک ہی رب کی چوکھٹ پر جھک سکتی ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

رسول اکرم ﷺ بحثیت ایک معلم: آپ ﷺ معلم قرآن تھے۔ یہی آپ ﷺ کا منصب تھا جو اللہ تبارک وتعالی نے آپ کوعطافرمایااوراسے اپناایک احسان عظیم فرمایا:

﴿کما أرسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتب والحکمة ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون﴾ ۔ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا جو تم میں سے ہی ہے جو تم پر ہماری آیات کو تلاوت کرتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

اسی طرح ﴿الرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○﴾ (الرحمٰن:۲،۱) غور کریں تو کتاب کے پہلے معلم الرحمن ہیں، پھر اسے لے کر آنے والے جبریل امین اور پھر جناب رسول اکرم ﷺ معلم ومربی ہیں۔ سورہ نحل کی آیت (۴۴) میں قرآن کریم کی وضاحت وبیان کو رسول اکرم ﷺ کی ذمہ داری قرار دیا گیا۔ اللہ تعالی نے اپنی مہربانیوں کا ذکر یوں فرمایا: ﴿وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ﴾ (النساء:۱۱۳)۔ اللہ نے آپ ﷺ کو وہ تعلیم دی اور سکھادیا جسے آپ ﷺ پہلے نہیں جانتے تھے۔ اور پھر آپ ﷺ کو اس کی تعلیم ﴿عَلَّمَهُ شَدِیْدُ الْقُوٰی﴾ (النجم:۵) بہت طاقتور فرشتے جبریل امین نے دی۔ اسی منصب کی دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ آپ خود فرمایا کرتے:

أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيهِمَا السَّلَامُ۔ میں اپنے بزرگ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور سیدنا عیسی بن مریم علیہ السلام کی بشارت ہوں (مسند احمد:۱۴۵۱۵)۔

☆......آپ ﷺ نے ایک طرف پورے قرآن مجید کی تلاوت صحابہ کرام کے سامنے کی تو دوسری طرف ان کے سامنے قرآن مجید کے مطالب ومعانی بھی بیان کئے۔ چنانچہ تعلیم قرآن ہی کے دوران آپ ﷺ نے أقیموا الصلوة کا معنی ومفہوم واضح کیا اور حج البیت کی تفاصیل بیان کیں۔ اسی تعلیم نے آتوا الزکوة کا معنی متعین کیا اور اسی نے صوم رمضان کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ روزمرہ کی زندگی اور معاملات میں آپ ﷺ چلتے پھرتے معلم تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ہر عمل خواہ وہ گھر کی چاردیواری میں ہوتا یا گھر سے باہر، قرآن کریم کی تعلیم کے عین مطابق تھا۔

☆......آپ ﷺ ایک کامیاب معلم تھے۔ کیا عجب تعلیمات تھیں! عبادات، اخلاقیات، معاملات، معاشرت، تجارت، غزوات، دعوت دین کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ ﷺ نے راہنما اصول نہ دئے ہوں۔ کتب حدیث میں محدثین کے ان

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

عنوانات کو بھی بنظر استحسان دیکھا جا سکتا ہے جو بصورت فہرست انہوں نے پیش کئے ہیں۔

☆......صحابہ کرام کے لئے یہ تعلیم بتدریج ان کا اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ دار ارقم ہو یا اصحاب صفہ ہر نیا آنے والا حلقہ رسول میں بیٹھتا، قرآن مجید کی عبارت کو، اس کے معنی ومفہوم کو قراءت سمیت سیکھتا اور پھر واپس جا کر دوسروں کو سکھاتا۔ ابتدائی دور میں تعلیم قرآن کے لئے خبابؓ بن الأرت اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما اس کی ایک مثال ہیں۔ یہ تعلیم بہت سادہ اور اس دور کے حالات کے عین مطابق تھی۔ اس تعلیم میں قرآن مجید کی تلاوت غیر معمولی اہمیت کی حامل تھی جسے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی سن کر متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ اس لئے لوگ، قرآن کی آیات والفاظ کو سنتے جاتے اور اس کے معنی ومفہوم کو قلب ودماغ میں اتارتے جاتے۔ صحابہ اپنے محاورات کی روشنی میں اسے سمجھ لیتے۔ متشابہات میں وہ پڑتے نہ تھے علم الٰہی جو اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو بخشا ہوتا اس کی روشنی میں آپ ﷺ صحابہ کو تعلیم دیتے۔

☆......آپ ﷺ کے سامنے مشرکوں کا محاذ ہے۔ رسم ورواج کے بوجھ ہیں۔ اخلاقی دیوالیہ پن ہے۔ زندگی کا ہر شعبہ تلپٹ ہو چکا ہے۔ بیمار دل بیمار سوچیں عام ہیں۔ عبادات ہیں کہ خرافات، انسانی تہذیب ہے کہ درندگی۔ یہ سب ماحول تھا جس کی تہہ میں کئی اور الجھنیں تھیں۔ راہنما راہزن تھے۔ عبا پوش سیاہ پوش تھے۔ قبائیں اپنی حرص وآز کی گواہ تھیں۔ اور مذہب اپنی خرافات سمیت غیر محترم تھا۔ معلم قرآن ہادی بن کر اٹھے۔ خیر کی دعوت دی۔ امر معروف اور نہی منکر حکمت وحسن وعظ سے شروع کیا۔ اپنی ذات کو نہیں بلکہ کلام رب کو زیادہ نمایاں کیا۔ اس کے فہم پر زور دیا۔ انہیں سنوارا۔ عمل وعقیدہ کی نوک پلک درست کی۔ یوں خیر کے چاہنے والے ارد گرد اکٹھا ہوتے گئے اور پھر ان کی صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ انہیں ذمہ داری دی۔ اور بھرپور دی۔ جنہوں نے اس کا حق بھی ادا کیا۔ یہی تھا معلم قرآن کا کردار اور ذمہ داری جس نے ایک متحرک ادارہ کی صورت میں رات دن ایک کر کے تیئس سال کے عرصہ میں امت کو وہ افراد دئے جو شاید کوئی معلم تیار کر سکے۔

☆......آپ ﷺ نے تعلیم قرآن اس طرح دی کہ ہر شخص اس کے ایک ایک لفظ کا صحیح اور حقیقی ادراک کرنے لگا۔ کوئی انہونی باتیں نہ آپ نے کیں اور نہ ہی قرآن کریم کی کسی آیت ولفظ کے معنی ومفہوم کو آپ نے چھپایا۔ اور نہ ہی دور کی کوڑی لائے۔ فلسفیانہ رنگ تو مشرکوں میں تھا جو ہر بات، عمل اور معاملہ میں ظاہر وباطن کے قائل تھے۔ صحابہ کرام قرآن کریم جب سمجھتے تو حقائق کھلتے اور سینہ بھی کھلتا۔ اور رب کی عظمت کے آگے ہر شخص جھکنے پر مجبور ہوتا۔ سب سے آس لگانے والا صرف ایک اللہ کا ہو جاتا۔ یہی وہ تعلیم تھی جو صحابہ رسول نے بھی دی۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعلیم قرآن یا تفسیر قرآن؟

تعلیم کتاب کیوں اور تفسیر قرآن کیوں نہیں؟ کیا عام فرد کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے یا تعلیم کی؟ نیز تفسیر قرآن تو ہو گئی مگر کیا اس سے تعلیم قرآن ہو رہی ہے؟ کیا تفسیر کے بعد طالب علم کے لئے قرآن پڑھنا، اس کے الفاظ کے معنی و مفہوم کو سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے؟ کیا الفاظ کی معنوی وضاحت کے بعد اسے شرعی مسائل اور اسلامی عقائد سمجھ آجاتے ہیں؟ تعلیم قرآن کے مقاصد یہی تھے جو آپ ﷺ نے حاصل کئے۔ تفسیر میں یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اس میں صرف ترجمہ اور وضاحت پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ لفظ کی پہچان یا قراءت کی صحیح ادائیگی کی مشق اس میں نہیں کرائی جاتی۔ تعلیم قرآن یہ ہے کہ الفاظ قرآن اور مطالب قرآن طالب علم پر اس طرح واضح ہوں کہ وہ نص کو بخوبی سمجھ جائے۔ اور اسے کوئی مشکل یا ابہام نہ رہے۔ ایسا سادہ و دل نشین انداز تعلیم جو طالب علم کی روح میں اتر جائے۔ وہ عمر بھر اس سے مستفید ہوتا رہے۔ غلط رجحانات اور من مانے مفاہیم کو بھی وہ سمجھ سکے۔ معلم قرآن ربانی ہو تو لوگ بھی اللہ کی مرضی والے ہو جائیں گے۔ وہ ضرور یہ سوچے کہ ہمارے اندر کیا تبدیلی آئی؟ ہم کتنا بدلے؟ عقیدہ و عمل درست ہوا؟۔ اس سلسلہ میں اس کے لئے اصل راہنما رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات و منہج ہی ہیں جن سے فیض یاب ہو کر وہ قرآن کی تعلیم دے سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی منہج کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ، أَنْ لَّا يَضِلَّ فِي الدُّنْيَا، وَلَا يَشْقَى فِي الآخِرَةِ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الآيَاتِ ﴿... **فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمٰى ○ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ أَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ○ قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتْكَ اٰيَاتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ○**﴾. (طه: ١٢٣-١٢٦)

اللہ تعالی نے کا یہ ذمہ ہے کہ جو بھی قرآن پڑھے اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرتا رہے، دنیا میں اللہ اسے گمراہ نہ کرے اور آخرت میں وہ رسوا نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آجائے تو جس نے اس کی پیروی کی وہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبختی اس کے قریب پھٹکے گی۔ اور جو میرے اس ذکر سے اعراض کرے گا تو یقیناً ہم اس کی معیشت تنگ کر دیں گے اور روز قیامت ہم اسے اندھا اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا: مولی! مجھے تو نے اندھا کیوں اٹھایا جب کہ میں تو دنیا میں بینا تھا۔ اللہ تعالی فرمائے گا: اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو انہیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھلا یا جائے گا۔

یہ بھولنا محض سننے سے ہوتا ہے مگر بار بار پڑھنے اور سیکھنے سے بھولا سبق یاد آجاتا ہے۔ سنن ترمذی میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مروی ہے۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

أَنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتَنٌ، قُلتُ: فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَارَسولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: كِتَابُ اللهِ، فِيْهِ نَبَأُ ما قَبْلَكُم، وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ، وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَصْلُ، لَيْسَ بِالْهَزْلِ،۔۔۔۔ وَمَن عَمِلَ بِهِ أُجِرَ، وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ، وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔عنقریب بہت فتنے ہوں گے۔میں نے عرض کی: ان سے کیسے بچا جاسکتا ہے، اللہ کے رسول؟ فرمایا: کتاب اللہ کو پیش نظر رکھو۔اس میں تم سے پہلوں کی اہم خبریں ہیں اور جو بعد میں پیش آنے والا ہے اس کی اطلاعات ہیں۔جو تمہارے درمیان مسائل ہیں ان کے بارے میں بھی اس میں فیصلے ہیں۔یہ قول فیصل ہے کوئی کھیل مذاق نہیں۔۔۔۔۔جو اس کے مطابق عمل کرے گا اسے انعام دیا جائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلے کرے گا وہ منصف ہوگا اور جو اس کی طرف بلائے گا وہ سیدھی راہ دکھا دیا جائے گا۔

☆...... یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ تمام انسان یکساں قابلیت کے حامل نہیں۔یہی وجہ ہے کہ کسی بات یا کلام کو سمجھنا چند لوگوں کے لئے تو آسان ہوتا ہے مگر بہتوں کے لئے مشکل۔اس لئے دانا و عقل مند نیز اچھی شخصیت والے لوگ اسے سیکھ کر عام انسانوں کو اس کی تعلیم دیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ ۔تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔

سیکھنے والے یعنی طالبعلم کو آپ ﷺ نے اپنے بیان میں پہلے رکھا اور معلم کو آپ ﷺ نے بعد میں رکھا۔کیوں؟ اس لئے کہ وہ سیکھ کر خیر پا چکا اب وہ اپنے مقام پر دوسروں کو لانے کا ذریعہ بننا چاہتا ہے۔نیز طالب علم کی فضیلت پر بہت احادیث ہیں۔وجہ یہی ہے کہ سیکھنے والے بھی کم ملتے ہیں۔انہیں بھی وقت اور کام کی قربانی دینا پڑتی ہے۔تعلیم بعض اوقات بہت مشکل بھی لگتی ہے دل نہیں مانتا۔نیز قرآنی تعلیم میں دنیاوی فائدہ تو ہے ہی نہیں تو کون اس کے لئے اپنا وقت اور صلاحیت لگائے۔ان حالات میں جو بھیڑ چال سے اجتناب کر کے اور وقتی لہروں سے متأثر ہوئے بغیر اپنا شوق وجذبہ کو تسلسل دے کہ میں نے قرآن کریم سیکھنا ہے اور اس کے لئے جو ہوسکا میں کرنے کو تیار ہوں تو وہ معلم کے پاس پڑھنے آجائے تو اللہ کی نظر میں بہترین انسان ہے۔قرآن مجید کی تعلیم کتابت، حفظ اور مفہوم کی وضاحت کے ذریعے سے ہونا ہی تبیین ہے جو اللہ تعالی سے کیا ہوا عہد ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ... ﴾ (آل عمران:۱۸۷)ورجب

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ عہد لیا جو کتاب دئے گئے تھے کہ تم ضرور اسے کھول کھول کر بیان کروگے اور اسے نہیں چھپاؤ گے۔

سبھی غور وفکر کر کے اس سے نصیحت پکڑیں۔ ورنہ وہ الفاظ کا مجموعہ ہے اور بے اثر بھی۔ اسی طرح یہ ارشاد بھی:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا ۝﴾ (محمد:٢٤) کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔

﴿ كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِيَدَّبَّرُوْا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝﴾ (ص:٢٩) یہ ایسی عظیم کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے بڑی بابرکت، تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور تاکہ صاحب عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔

عمل سے خالی غور وفکر کسی کام کا نہیں۔ یہی دلوں پر تالے پڑنا ہے۔ اسے سمجھ کر ہی بھلائی مل سکتی ہے ورنہ محرومی ہے۔ نیز انجانی شے سے محبت گہری نہیں ہوتی۔ اور بغیر شعور کے اندھی عقیدت بھی مضر ہے۔ سیاسی یا مذہبی کتابیں وقتی جوش تو پیدا کر دیتی ہیں مگر روح وبدن کا حصہ نہیں بنتیں۔ اس لئے قرآن پاک کو اپنی جز وقتی سیاست یا مخصوص رجحانات کا ہدف نہیں بنانا چاہئے بلکہ اسے ہر شخص کی ضرورت ہے سمجھ کر عام کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں اصلاحی پیغام ہے۔ بگاڑ، تفریق اور کھینچا تانی کا نہیں۔

☆ ......رہی تفسیر تو یہ قرآن فہمی کا ایک ذریعہ ہے اور جس میں مفسر عموماً اس مقام پر حاشیہ آرائی کرتا ہے جہاں اسے دل چسپی ہوتی ہے مگر جہاں اس کا دل نہیں چاہتا یا سمجھانے سے وہ قاصر رہتا ہے وہاں بیشتر آیات کی تفسیر وہ سابقہ حاشئے کی طرف اشارہ کر کے اس لئے ترک کر دیتا ہے کہ یہ تکرار ہے جبکہ قرآن کریم میں جہاں ہر لفظ وآیت تعلیم کی متقاضی ہے وہاں اس کا تکرار اپنا فائدہ وحکمت بھی رکھتا ہے۔ اس لئے ہم تفسیری طوالت کی بجائے متن فہمی پر اگر توجہ دیں تو قلیل وقت میں یہ تعلیم سینے میں اتار کر مسلمان کو روحانی خوشی پہنچا سکتے ہیں۔ خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ پر عمل کریں تو اس کی تعلیم لوگوں کے لئے مشکل نہیں بلکہ آسان ہو جائے گی۔ ورنہ قرآن کریم سے جہالت بدستور رہے گی۔

☆ ......چنانچہ تعلیم قرآن کے لئے ہر وہ کوشش کرنا فرض ہوگی جس سے قرآن فہمی آسانی ہو جائے۔ حفظ وتجوید کے مناہج کے ساتھ جدید ترین وسائل کو اختیار کرنا اور طلبہ کے لئے انہیں مہیا کرنا ضروری ہے۔ آڈیو، ویڈیو سسٹم، کارڈز، کتب، جیسے تمام وسائل قرآن کی تعلیم کے لئے استعمال میں لانا دور حاضر کی اشد ضرورت ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆...... تعلیم قرآن کے آج الحمد للہ بے شمار حلقے، ادارے، زاویے، اور معاہد ہیں۔کورسز اور مناہج ہیں۔تراجم وتفاسیر ہیں۔لیکچرز اور آڈیو وڈیوز ہیں۔اور ماشاءاللہ بہت سے خیرخواہ بھی ہیں۔خواتین میں بھی یہ ذوق جاگ اٹھا ہے۔وہ بھی قرآن کریم کو سیکھنے اور سمجھنے کا سچا جذبہ رکھتی ہیں۔تقریباً ایک کروڑ سے زائد پاکستانی مسلمان روزانہ قرآن پاک سے مستفید ہوتے ہیں۔قرآن کریم سیکھنے سمجھنے کی ایسی پیاس ہے جو بجھتے نہیں بجھتی۔ایک خواہش ہے جو کم نہیں ہوتی۔ ہر ایک محسوس کرتا ہے کہ کچھ خلا ہے جو باقی رہ گیا ہے۔جتنا بھی سیکھیں یہ علم کو ترقی دیتا اور خود کو سمجھنے کے لئے مزید تڑپ پیدا کر دیتا ہے۔مگر جہاں معلم کی بس ہو جاتی ہے وہاں یہ تڑپ بھی ماند پڑ جاتی ہے۔اس محدودیت کی کیا وجہ ہے؟ کیا علماء اس سے سیر ہو گئے ہیں؟

آسان فہم اندازِ تعلیم: قرآن فہمی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے متن کے ہر لفظ کا معنی، مفہوم اور تقاضا معلوم ہو۔وہ صرف جاری ترجمہ سے، یا مختلف تھیوریز سے، یا فضائل سے، یا اس کے ظاہر وباطن کے مفاہیم سے، یا اس کی صرفی نحوی تراکیب سے، یا ایک ہی فکر، موضوع یا مذہب کو ثابت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔یہ سب مددگار تو ہو سکتے ہیں مگر قرآن فہمی کی پیاس پھر بھی باقی رہتی ہے۔اس قرآن فہمی کا یہ مطلب بھی نہیں کہ طالب علم کو عالم بننا پڑے گا۔نہیں بلکہ اسے عام فہم کتاب بنا کر اور اسے سمجھا کر مطمئن کرنا مقصد ہے۔

ایک عمدہ مثال: آج کے دور میں ضرورت اس بات کی ہے کہ مختصر اور جامع علمی بات مسلمان کو اس طرح سمجھا دی جائے کہ قرآن کا لفظ لفظ اس پر کھلتا جائے۔اس کی سوچ اور فکر کے زاویے کو درست کرتا اور ایمان کو تقویت دیتا جائے۔جو مشکل تو نہیں مگر غور وفکر کی ضرور محتاج ہے۔مثلاً ان دو آیات کو دیکھئے اور اندازِ تعلیم کو دیکھئے۔کیا یہ واقعی مشکل ہے؟ کیا طالب علم کو اکتا دینے والی ہے یا اس کی دلچسپی برقرار رکھنے اور مزید کی خواہش ابھارنے والی نہیں ہے؟۔نیز اس میں کون سی ایسی مشکل بات ہے جو گراں گذرے؟:

﴿والفجر﴾ اللہ تعالی نے یہاں پانچ اشیاء کی قسمیں کھائی ہیں۔ان میں پہلی قسم فجر کی ہے۔فجر اس پھٹنے والے نور یا روشنی کو کہتے ہیں جو طلوعِ شمس کے قریب مشرق کے افق پر رات کے اندھیرے سے نکلتی ہے۔اس روشنی اور طلوعِ شمس کے درمیان ایک گھنٹہ بتیس منٹ تا ایک گھنٹہ سترہ منٹ کا فرق سال کے مختلف موسموں اور اوقات میں رہتا ہے۔فجر، دو قسم کی ہوا کرتی ہے۔فجر صادق اور فجر کاذب۔اس آیت میں فجر صادق مراد ہے۔فجر صادق اور فجر کاذب کے مابین فرق تین صورتوں میں ہے۔

ا۔فجر کاذب آسمان میں مستطیل ہوا کرتی ہے عرضاً نہیں ہوتی بلکہ طول میں ہوتی ہے۔رہی فجر صادق وہ عرضاً ہوتی ہے اور شمال

سے جنوب کی طرف پھیلتی ہے۔

۲۔ فجر صادق کے بعد تاریکی نہیں ہوتی بلکہ روشنی ہی کا اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ سورج نکل آتا ہے۔ فجر کاذب میں اس ابتدائی روشنی کے بعد بھی تاریکی میں باقی رہتی ہے اسی لئے اسے فجر کاذب کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بتدریج مضمحل ہوتی ہے۔ تا آنکہ ختم ہوجاتی ہے۔

۳۔ فجر صادق افق کے ساتھ متصل ہوتی ہے۔ رہی فجر کاذب اس کے اور افق کے درمیان اندھیرا رہتا ہے۔

یہ تین فرق آفاقی ہیں اور حسی ہیں جو لوگ کھلے آسمان تلے رہتے ہیں وہ انہیں جانتے ہیں۔ باقی شہری اس سے ناواقف رہتے ہیں اس لئے کہ یہ روشنیاں ان پر پردے میں رہتی ہیں۔

اللہ تعالی نے فجر کی قسم اس لئے کھائی کہ اس سے دن کی ابتداء ہوتی ہے۔ اور یہ تاریکی سے فجر منور کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے۔ اللہ تعالی نے یہ قسم اس لئے کھائی کہ یہ عظیم کام ۔۔رات کے اندھیرے سے دن کی روشنی کو نکالنا۔۔۔سوائے اللہ تعالی کی ذات کے کوئی نہیں کرسکتا۔ جیسے ایک اور آیت میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ ان سے کہئے! یہ بتاؤ اگر اللہ تعالی قیامت تک تم پر رات کو مسلسل طاری کردے تو اللہ کے سوا کون سا ایسا خدا و معبود ہے جو تم پر دن کی روشنی لے آئے۔ کیا تم قرآن نہیں سنتے۔

اللہ تعالی نے فجر کی قسم اس لئے بھی کھائی ہے کیونکہ بہت سے شرعی احکام اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے: امساک روزہ۔ یعنی سحری کا ختم کرنا کیونکہ جب فجر طلوع ہوگئی تو روزے دار پر۔۔فرضی یا نفلی روزہ جسے وہ شام تک رکھنا چاہتا ہے۔۔اس کھانے پینے سے رک جانا فرض ہے۔ دوسرا فجر کی نماز جس کا وقت بھی داخل ہوجاتا ہے۔ یہ دونوں شریعت کے بڑے اہم حکم ہیں۔ ان دونوں میں زیادہ اہم وقت نماز کا ہونا ہے۔ یعنی فجر کا وقت ہونے کی وجہ سے ہم پر یہ فرض ہوجاتا ہے کہ فجر کا امساک روزہ سے زیادہ خیال کریں۔ کیونکہ اگر بالفرض سحری کے امساک میں ہم نے کوئی خطا کی تو اس کی بنیادی وجہ شاید یہ ہوتی ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ رات ابھی باقی ہے۔ کیونکہ دونوں میں اصل رات کا باقی ہونا اور نماز کے وقت کا شروع نہ ہونا ہے۔ اس لئے اگر کوئی نماز فجر کو ایک منٹ وقت سے پہلے پڑھ لیتا ہے اس کی نماز نفل تو ہوجائے گی مگر فرض ادا نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ مسئلہ بھی ہم سب کے لئے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قابل غور ہے کہ نماز فجر کا وقت شروع ہونے کا بھی خاص خیال رکھا جائے۔ کیونکہ بہت سے مؤذن قبل از وقت فجر کی اذان دے دیتے ہیں جو غلط ہے اذان قبل از وقت تو مشروع نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: إِذَا حَضَرَتِ الصَّلاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ ۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو پھر تمہارے لئے کوئی ایک اذان دے۔ اس لئے وقت سے قبل جو اذان دے وہ درست نہیں ہوگی بلکہ اس کا اعادہ لازمی ہوگا۔ اس لئے وقت فجر کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔

ایک قول یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس فجر سے مراد لیلۃ القدر کی فجر ہو۔ کہ رات بھر عبادت کرتے کرتے فجر کی مبارک ساعتیں آ گئیں جو نتیجے کے اعتبار سے بہت ہی عظیم ہے۔ اور اسی عشرہ اخیرہ کی باقی راتیں بھی بڑی مبارک ہیں۔

﴿ولیال عشر﴾ عموماً کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ دلیل یہ دی جاتی ہے کہ عربی زبان بہت وسیع ہے جس کی وجہ سے رات کا لفظ دن پر اور دن کا لفظ رات پر بھی بول دیا جاتا ہے۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ اس سے مراد رمضان کے عشرہ اخیرہ کی دس راتیں ہیں۔ پہلے قول کے مطابق اگر دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے دس دن لیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث پاک میں دس دنوں کو بڑی فضیلت والا ارشاد فرمایا ہے۔

> مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ ۔ کوئی دن ایسے نہیں جن میں عمل صالح اللہ تعالی کو ان دس دونوں کے علاوہ زیادہ محبوب ہو۔ قالوا: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ ۔ صحابہ نے عرض کی: اور نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ؟ فرمایا: جی۔ نہ ہی جہاد فی سبیل اللہ سوائے اس مرد حر کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور ان دونوں میں کوئی شے بھی لے کر وہ واپس نہ پلٹ سکا۔ (صحیح بخاری: ۹۶۹)

رہے وہ علماء جو کہتے ہیں کہ ان دس راتوں سے مراد رمضان کی عشرہ اخیرہ کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آیت میں لیالی سے مراد لیالی ہی ہے ایام نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رمضان کی آخری دس راتیں وہ ہیں جن میں لیلۃ القدر آتی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿خیر من ألف شهر﴾، اسی طرح: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ (الدخان: ۳،۴) ہم ہی نے اسے بڑی مبارک رات میں نازل کیا یقیناً ہم ہی ہیں تنبیہ کرنے والے۔ اس رات میں ہر پختہ امر تفریق کر دیا جاتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ان دونوں اقوال میں آخری قول ہی راجح لگتا ہے اگر چہ پہلا قول جمہور کا ہے مگر الفاظ قول جمہور کی تائید نہیں کرتے۔اس لئے قول ثانی ہی قابل قبول ہوسکتا ہے کہ ان دس راتوں سے مراد رمضان کے عشرہ اخیرہ کی راتیں ہیں۔اللہ تعالی نے اس کے شرف اور مقام کی قسم کھائی ہے۔کیونکہ اس میں شب قدر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ مسلمان انہی راتوں میں رمضان کا اختتام کرتے ہیں جو اسلام کے فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے اور ارکان اسلام میں سے ہے۔اس لئے اللہ تعالی نے ان راتوں کی قسم کھائی ہے۔

تعلیم قرآن کے لئے چند بنیادی علوم: معلم قرآن (مرد یا عورت) کی شخصیت میں ذیلی علمی صلاحیت اور خصوصیات کا ہونا بہت ضروری ہے۔

۱......قرآن پاک کو بخوبی تلاوت کرنا جانتا ہو نیز اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھتا ہو۔وہ قرآن کے اخلاق سے مزین ہو اور سنت پر عمل کا اہتمام کرنے والا ہو۔وہ جسمانی اور عقلی اعتبار سے قوی ہو۔دانا، پختہ اور صاحب جمال ہو۔یہ وہ صفات ہیں جو اللہ تعالی نے جبریل امین میں رکھی ہیں۔جنہوں نے اپنی اصل شخصیت کو رسول اکرم ﷺ کے سامنے ظاہر کیا تھا تا کہ وہ آپ ﷺ کو قرآن مجید وحی کرسکیں اور سکھا سکیں۔حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھتا ہو۔متعصب غیر مسلم یا ان سے متأثرین کی تحریروں پر اس کی گہری نظر ہو۔مذہبی عصبیت سے پاک اور دینی حمیت والا ہو۔ورنہ وہ اپنے مذہب کی مدد ونصرت کو آیات میں تلاش کرتا پھرتا رہے گا اور حق کو الٹی طرف پھیر دے گا۔سیرت رسول ﷺ اور سیرت صحابہ کا بھی بخوبی علم رکھتا ہو۔اسے معلوم ہو کہ ان کے دین ودنیا کے بارے میں خیالات ونظریات اور اعمال کیا تھے؟ اور انہوں نے اپنے دینی ودنیاوی معاملات میں ان کا تصرف کس طرح کیا۔معلم خود حلیم الطبع اور باوقار ہو۔قرآنی تعلیم میں اس کی شخصیت ایک نمونہ بنے اور اعتماد کے ساتھ قرآنی احکام پر عمل کرسکیں۔محنتی طلبہ سے ہرگز نہ اکتائے بلکہ ان کی راہنمائی کے لئے ہمہ وقت تیار رہے اور ان پر نظر بھی رکھے۔

۲۔ وہ عربی لغت کا ماہر ہو تا کہ قرآنی کلمات کی وضاحت کرسکے کیونکہ قرآن مجید میں غریب، مترادف، اور اضداد بکثرت ہیں۔ان تمام اسالیب محاورہ کا عمیق مطالعہ رکھتا ہو۔اس لئے کہ قرآن عربی مبین میں نازل ہوا ہے۔امام مجاہدؒ فرمایا کرتے: لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَتَكَلَّمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِلُغَاتِ الْعَرَبِ۔ جو اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ اللہ تعالی کی کتاب میں گفتگو کرے جب وہ لغات عرب کو نہ جانتا ہو۔اسی طرح امام مالکؒ فرمایا کرتے: لَا أُوْتَى بِرَجُلٍ غَيْرَ عَالِمٍ بِلُغَةِ الْعَرَبِ يُفَسِّرُ كِتَابَ اللّٰهِ إِلَّا جَعَلْتُهُ نَكَالًا ۔میرے پاس کوئی ایسا شخص نہ لایا جائے جو لغت عرب سے ناآشنا ہو اور وہ اللہ کی کتاب کی وضاحت کرتا ہو ورنہ میں اسے عبرت کا نمونہ بنادوں گا۔

الفاظ کے ان معانی کو پیش نظر رکھے جو زمانہ نزول کے وقت متعین کئے گئے۔اعراب و بلاغت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے

ترکیبی معنی پر غور کرے اور سیاق وسباق کو بخوبی سمجھ کر مرادی معنی کو متعین کرنے کی کوشش کرے۔ پھر بھی یہ معنی اجتہادی ہوگا جس میں اور معنی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ ایسی وضاحت طلبہ میں مزید شوق ودلچسپی اور تدبر وتاثیر کا سبب بنے گی۔

۳۔۔۔۔۔عربی زبان میں اہم علوم علم نحو وعلم صرف ہیں تاکہ اعرابی وصرفی کیفیت کو جان کر صحیح مفہوم اخذ کیا جاسکے۔ محض حرکت کی تبدیلی سے معنی ایمان سے کفر اور کفر سے ایمان کی طرف پلٹ سکتا ہے۔ قرآن تو عربی قواعد کا بھی نگران ہے اس لئے اس سے اغماض نہیں برتا جاسکتا۔ اسی طرح علم صرف میں لفظ کی بناء اور صیغہ کا علم بھی بہت ضروری ہے ورنہ بقول ابن فارس: مَنْ فَاتَهُ عِلْمُهُ فَاتَهُ الْمُعْظَمُ۔ جس سے یہ علم رہ گیا اس سے بہت کچھ رہ گیا۔ کیونکہ جب ہم وَجَدَ کو ایک مبہم لفظ کہتے ہیں تو اسے ذرا بدلنے سے مزید اس کی وضاحت ہوتی جاتی ہے۔ جیسے: وُجدًا سے مراد مال اور گم شدہ کے لئے: وِجدان اور غضب کے لئے مَوجِدَة اور حزن کے لئے وَجْدًا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہی ایک ہی لفظ کو پھیرنے سے معنی عدل سے ظلم کی طرف چلا گیا ہے۔ جیسے: سورہ الحجرات میں ہے: ﴿وأقسطوا ، إن الله يحب المقسطين﴾ انصاف کرو اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور یہی لفظ سورہ الجن میں ظلم وجور کے معنی میں ہے ﴿ وأما القاسطون فكانوا لجهنم حطبا ﴾ رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہی بنے۔ اس علم سے لاعلمی بڑی خطأ کا ارتکاب بھی کرادیتی ہے جیسے: اس آیت ﴿يوم ندعوا كل أناس بإمامهم ﴾ میں لفظ امام کا واحد کسی معلم نے أمّ (ماں) لیا کہ لوگ روز قیامت اپنی ماؤں کے ساتھ پکارے جائیں گے تاکہ ولد الزنا اس روز رسوا نہ ہو۔ اب اس مفسر کو کون بتائے کہ أمّ کی جمع أمهات ہوا کرتی ہے اور امام کی ائمہ۔

۴۔۔۔۔۔علم الاشتقاق کا علم بھی معلم کے لئے انتہائی ضروری ہے جب کوئی اسم دو مختلف مادوں سے ہو تو ظاہر ہے اس کا معنی بھی مختلف ہوگا۔ جیسے: لفظ مسیح۔ کیا وہ سیاحۃ سے ہے یا مسح سے؟ نیز دونوں کا مطلب بھی مختلف ہے۔

۵۔ معلم کو تعلیم قرآن کے لئے اپنے پیش نظر لغات میں ابن درید کی الجمهرة فی اللغة، جوہری کی الصحاح، ابومنصور کی تهذيب اللغة، ابن قتیبہ کی غريبِي القرآن والحديث، ابن فارس کی معجم مقاييس اللغة، راغب اصفہانی کی مفردات جیسی بنیادی کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ لغت ومحاورات عرب سے تو صحابہ رسول بھی مستفید ہوتے رہے۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

اَلشِّعْرُ دِيْوَانُ الْعَرَبِ، فَإِذَا تَعَاجَمَ عَلَيْنَا شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ رَجَعْنَا إِلَيْهِ۔ شاعری تو عربوں کا دیوان ہے جب ہم پر کوئی قرآنی لفظ مشکل ہو جاتا ہے تو ہم اسی شاعری کی طرف ہی حل کے لئے پلٹتے ہیں (مقدمہ اصول التفسیر از امام ابن تیمیہؒ: ۳۰)

بہرحال لغت یا محاورہ عرب سے جو بھی تعلیم دے اس پر بار بار نظر ثانی کرے کہ آیا یہ مفہوم ووضاحت رسول کریم ﷺ کی سیرت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اور راہنمائی کے مطابق ہے؟ کیا کہیں آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تفسیر صحابہ کے منافی تو نہیں؟ نیز اجتماعی قواعد اور تاریخی حقائق سے یہ تفسیر کس حد تک مناسبت رکھتی ہے۔

۶......معلم علوم قرآن سے بھی واقف ہو تا کہ قرآن کریم کا صحیح ادراک کر سکے۔ ان کے بغیر زَلت اور ضلالت ہی اس کا مقدر ہوگی۔ علم القراءت میں کیفیت نطق اور قراءت کی مختلف وجوہ کا علم ہوتا ہے کیونکہ تغیر حرکات سے معنی مختلف ہو جاتا ہے۔ اسباب نزول میں سبب نزول کا، الناسخ والمنسوخ اور علم القصص بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ علم القصص بھی اسے ازبر ہو یعنی مختلف مقامات پر ایک ہی واقعہ اگر کہیں اجمال میں بیان ہوا ہے تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اس کا فہم متعین ہو جاتا ہے۔ جلیل القدر ائمہ مجتہدین کے بھی استدلال لے۔

۷۔ معلم کبھی کبھی اپنے طلبہ سے عبارات یا الفاظ کے معانی اور مفاہیم کے متعلق سوال بھی کرے۔ انہیں قرآنی عبارت کی روشنی میں کوئی تحقیقی کام دے۔ جو پڑھائے اس پر طلبہ سے کھل کر بحث کرے اور ان کے خیالات وافکار سنے۔ ان کا تحریری امتحان لے۔ طلبہ کے پاس جدید معلومات کا جو خزانہ ہے اس سے بھی استفادہ کرے۔ کتب، تحقیقی مقالہ جات، اخبارات وانٹرنیٹ میں آئے دن عجیب وغریب مصدقہ خبریں آتی ہیں، ان سب کی معلومات جمع کر کے اپنے علم میں مزید اضافہ کرے۔ آیت سے کوئی سنہری اصول نکلتا ہو تو اس سے طلبہ کو آگاہ کرے۔ نئے حوادث وواقعات پر تبصرہ کرتے وقت قرآنی آیات کا خوب استعمال کرے تا کہ طلبہ کے دماغ میں قرآنی مفہوم گڑ جائے اور اسے ایک زندہ وتابندہ کتاب وہ سمجھیں۔۔ تجوید وقراءت کو بھی قرآنی تعلیم کا باقاعدہ حصہ بنائے تا کہ طلبہ میں قرآن دانی کے ساتھ حسن قراءت کا ملکہ وذوق بھی پیدا ہو۔

۸......اسی طرح **حدیث اور علوم حدیث** کا علم تمام یقینی علوم کا سرخیل ہے۔ یہی منارہ نور ہے اور ہدایت کا چراغ وبدر منیر۔ کیونکہ یہ علم بھی قرآن کریم کے مثل ہے۔ معلم کے لئے ان دونوں علوم سے آراستہ ہونا اس لئے بھی بہت ضروری ہے کہ وہ صحیح مطالب کی حدود میں رہتے ہوئے غلط رجحانات یا مخصوص مذہبی وفکری رجحانات کی طرف نہیں بدکتا۔ اور صحیح وحسن احادیث سے وہ اپنے تفسیر کو دوآتشہ کر لیتا ہے اور ضعیف وموضوع روایات سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے۔

۹......تفسیر صحابہ کا علم بھی اس لئے ضروری ہے تا کہ بعض اہم مسائل پر رائے زنی سے بچا جائے۔ ایسے مسائل پر ان کی اجماعی رائے حدیث مرفوع اور حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن وحدیث میں بے شمار دلائل ایسے ملتے ہیں جن میں انہی کی اتباع کا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں اور نور نبوت سے ان کے سینے مستنیر ہوئے ہیں۔

۱۰......**اصول فقہ** کا علم بھی تعلیم قرآن کا ایک اساسی علم ہے۔ تا کہ معلم استنباط احکام میں استدلال کی وجوہات سے واقف

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہو۔امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے تعلیم قرآن سے متعلق کچھ اہم اصولی قاعدے اپنی کتاب بدائع الفوائد میں ذکر کئے جن سے واقفیت معلم قرآن کی علمی صلاحیت کو دوبالا کردے گی۔جس پر مزید حاشیہ آرائی شیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ نے اپنی کتاب القواعد الحِسان میں کی ہے۔مثلاً:

منفی یا مثبت کلام میں نکرہ کا عام ہونا: مثلاً نکرہ اگر نفی کے سیاق میں ہو تو وہ عام کا فائدہ دیتا ہے۔جیسے:

﴿...وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ ، ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ..﴾

......استفہام میں بھی اگر نکرہ ہو تو عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔جیسے:﴿---هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾

......یا شرط میں نکرہ ہو۔جیسے:﴿-.فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا .﴾ ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ .﴾

......اور نہی میں نکرہ ہو جیسے:﴿.. وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ..﴾

......اسی طرح اگر نکرہ سیاق اثبات ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔مثلاً﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ﴾ اسی طرح جب اس کی طرف مضاف ہو تو بھی جیسے:﴿وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ﴾۔

......مقتضی عام ہونے پر نکرہ بھی عام ہوتا ہے۔جیسے:﴿وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا﴾۔

مفرد اور جمع کا عام ہونا: مفرد اسم، الف لام سے مزین ہو تو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔مثلاً:﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ﴾۔اور ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ﴾

......مفرد عام ہو اور مضاف ہو مثلاً:﴿وَهٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ﴾۔اس سے مراد وہ تمام کتب ہیں جن میں ان کے اعمال درج ہیں۔

......جمع اگر الف لام سے آراستہ ہو تو اس کا عام ہونا جیسے:﴿وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ﴾ یا﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ﴾ یا یہ ارشاد﴿إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ﴾۔

......اسی طرح جمع مضاف ہو تو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتی ہے جیسے:﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾۔

......ایسے حروف شرط جو اسماء ہیں وہ بھی عموم کا فائدہ دیتے ہیں۔جیسے:﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ...﴾ یا ﴿أَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ﴾ ،یا﴿وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِآيَاتِنَا..﴾ یہ عموم اس صورت میں ہوگا جب

جب جواب کا مطالبہ ہو۔لیکن اگر ماضی کی خبر ہوتو پھر عموم ضروری نہیں جیسے:﴿ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا ..﴾ یا﴿إِذَا جَائَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا ..﴾ اور اگر خبر مستقبل کی ہو تو اس کی اکثر باتیں عموم کی ہوا کرتی ہیں جیسے: ﴿ وَإِذَا كَالُوْهُمْ أَوْوَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ﴾ یا﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُکَ أَجْسَامُهُمْ﴾۔

امر مطلق ہوتو وجوب کا معنی ہوگا اس کی مخالفت مذموم ہے۔نافرمانی کی صورت میں جلد یا بدیر اس کی سزا بھی مقرر کی جائے گی۔ امر کا وجوب کبھی صریح الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔جیسے ایجاب یا فرض اور کتب کے الفاظ ہوں۔یا لفظ علی ہو یا حَقٌّ عَلَى الْعِبَاد اور عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ .وغیرہ کے الفاظ ہوں۔

نہی ہوتو اس سے تحریم ثابت ہوتی ہے جو اس کا مرتکب ہو یا اس کی مخالفت کرے وہ بھی مذموم ہے۔ایسی صورت میں اس کا مرتکب سزا کا مستوجب ہوگا۔اس کے صریح الفاظ سے بھی، مثلاً حرام ہے یا پابندی ہے یا کسی فعل کے بجالانے پر وعید کے الفاظ ہوں۔یا فاعل کی مذمت ہو، یا کسی فعل کے کرنے پر کفارہ بتایا گیا ہو، یا لفظ لا یحل ہو، یا فعل کو فساد بتایا گیا ہو، یا یہ کہا گیا ہو کہ شیطان نے اس عمل کو خوبصورت بنادیا ہے یا اللہ تعالی اسے پسند نہیں فرماتا یا اللہ تعالی اسے اپنے بندوں میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔یا اللہ تعالی ایسے بندے کو کبھی پاک نہیں کرے گا اس سے بات نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کی طرف دیکھے گا۔

مباح کے قاعدے بھی قرآن کریم میں موجود ہیں جیسے تخییر کی اجازت، تنبیہ کے بعد حکم، کوئی گناہ نہیں، کوئی حرج نہیں یا کوئی مؤاخذہ نہیں کے الفاظ، اور یہ بتانا کہ اس نے معاف کردیا ہے یا زمانہ وحی میں کسی فعل کو برقرار رکھنا، یا کسی شے کو کسی نے حرام کیا تو اسے ناپسند کرنا یا یہ اطلاع دینا کہ اللہ نے اسے ہمارے لئے پیدا کیا ہے۔اسی طرح اور بے شمار قاعدے واصول بھی مذکور ہیں جو ہر طالب قرآن کے لئے اور بالخصوص مفسر کے لئے بہت ضروری ہیں۔بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ان اصولوں کا خوب استعمال کیا ہے جن میں:

ابوبکر الجصاص (م:۳۷۰ھ) کی تفسیر أحکام القرآن، فخر الدین رازی (م:۶۰۶ھ) کی تفسیر مفاتیح الغیب، قاضی ناصر الدین بیضاوی (م:۶۹۱ھ) کی تفسیر أنوار التنزیل وأسرار التأویل اور جلال الدین سیوطی (م:۹۱۱ھ) کی تفسیر الدُّرُّ المَنْثُوْر یا امام شوکانی (م:۱۲۵۰ھ) کی تفسیر فَتْحُ القدیر۔

۱۱۔تعلیم قرآن میں سلف صالحین کے منہج اور طریقہ کار کا معلم پابند رہے۔اصول دین سے ایسا واقف ہو کہ آیات کی تفسیر سے صحیح عقیدہ کا ادراک کرسکے۔توحید، اسماء وصفات، رسالت اور رسول کی اتباع، ختم نبوت سے اس کا تعلق، تقدیر کے خیر وشر ہونے پر، خروج دجال اور نزول مسیح، عذاب قبر، یا بعث بعد الموت جیسے عقائد پر اسلاف میں بالخصوص صحابہ کرام کے عقائد کو خوب اجاگر

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کرے۔ ورنہ اس میدان میں بہت سے پھسل کر دنیاو آخرت میں خسران مبین کے مستحق بن چکے ہیں۔

۱۲۔ جس کا عقیدہ بگڑا ہوا ہو وہ پھر اپنی رائے وسوچ پر ہی اعتقاد رکھتا ہے پھر الفاظ قرآن کو اپنی رائے پر دے مارتا ہے اور ایسا مفہوم کو بیان کرتا ہے جو سلف صالحین ۔۔ جو صحابہ و تابعین ہیں ۔۔ میں کسی سے ثابت نہیں ہوتا۔ آیات جو اس کے باطل مذہب کو رگیدتی ہیں ان کی تفسیر کرتے وقت وہ ان کی ایسی تاویل کرتا ہے کہ انہیں اپنی رائے یا سوچ کے مطابق بنالیتا ہے۔ ایسا شخص جب حق کا طالب نہیں تو اس سے حق کیسے لیا جا سکتا ہے؟

۱۳۔ معلم، تعلیم قرآن دیتے وقت اپنے آپ کو یہی سمجھائے کہ میں تو اللہ تعالی کی طرف سے اس کلام کا صرف مترجم ہوں اور جو اللہ تعالی نے اپنے کلام میں چاہا ہے اس کا گواہ ہوں۔ اس شہادت کو وہ بہت بھاری ذمہ داری سمجھے اور ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ قرآن کریم سے متعلق کوئی بات بغیر علم کے نہ کہہ دے اور نہ اپنے رجحانات کی تائید کے لئے تعلیم کا رخ موڑ دے۔ ورنہ وہ وہیں جا گرے گا جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے اور روز قیامت ذلیل ورسوا بھی ہوگا۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّىَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْىَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○﴾ (الأعراف:۳۳) کہہ دیجئے میرے رب نے تو تمام ظاہری اور مخفی فحش کو حرام قرار دیا ہے نیز گناہ اور بغاوت ناحق کو بھی، اور یہ بھی کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک بناؤ جس کی اللہ تعالی نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اور یہ بھی کہ تم اللہ تعالی پر وہ وہ باتیں کہو جسے تم جانتے نہ ہو۔

اسی طرح یہ ارشاد بھی اس کے پیش نظر رہے:

﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ○﴾ (الزمر: ٦٠) اور روز قیامت تم اللہ تعالی پر جھوٹ باندھنے والوں کو دیکھو گے کہ ان کے چہروں پر کلونس چھائی ہوئی ہے۔ کیا ایسے متکبروں کا بسیرا جہنم نہیں ہوگا؟

۱۴۔ مشکلِ قرآن یعنی وہ مقامات یا عبارات جہاں قرآن مجید کی مراد سمجھنا اور سمجھانا ضروری ہو ان کا بھی علم رکھتا ہو۔ اگر وہ حافظ قرآن ہو تو ان ملتے جلتے مقامات کو بیان کرنے میں بہت سا وقت بچ سکتا ہے۔ جیسے ﴿ ریب المنون﴾ کا جو معنی ہے کیا وہی ہے جو ان الفاظ کا ہے یا اس سے مراد کچھ اور ہے؟ اسی طرح ﴿ والبحر المسجور﴾ میں سَجْرٌ کیا ہے؟ ان معانی کا عقدہ تب ہی بہتر طور پر کھل سکتا ہے اگر عصری علوم سے معلم آراستہ ہو۔ اور طلبہ میں ان الفاظ کی حقیقت تک ڈھونڈنے اور معانی کو معلوم کرنے کا شوق تدبر ابھار دے۔

۱۵۔ تعلیم قرآن کے دوران طلبہ اگر محسوس کریں کہ قرآن کریم میں تضاد ہے یا معلم خود دیکھتا ہے کہ اس کی دو آیات کا مفہوم ایک دوسرے

AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سے مختلف ہے۔اسی طرح ایک ہی واقعہ میں لفظی اختلاف ہے۔جیسے واقعہ تخلیق آدم میں مٹی کے لئے کہیں تراب ،اور کہیں طین، کہیں صلصال ،تو کہیں فخار کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اسے تَعَارُض (Contradition) کہتے ہیں۔اس کے علم سے بھی آراستہ ہونا معلم کے لئے بہت ضروری ہے۔اور یہ ثابت کرنا ہے کہ کلام اللہ میں تضاد نہیں۔اور طلبہ کے ذہن میں یہ بات ایمانی اعتبار سے اور علمی اعتبار سے گاڑنی ہے کہ اولاً ہمارا ایمان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی کے مقدس کلام میں کہیں کوئی تعارض نہیں۔اور اس بظاہر اختلاف کو سمجھنے کے لئے ہمیں اپنے قرآنی علم کو بڑھانا چاہئے۔کیونکہ اختلاف محسوس ہونے کی ایک بڑی وجہ آیات قرآنیہ میں غور وفکر کی عدم صلاحیت،کجی،کم علمی یا سوءِفہمی بھی ہوسکتی ہے۔تعارض کا یہ واہمہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا شیطان احادیث میں تضاد تلاش کرواتا ہے۔علماء نے اخبار واحکام کے بارے میں ہمیشہ یہ دو اصول پیش نظر رکھنے کا کہا ہے:

پہلا اصول: اخبار میں تعارض نہیں ہوتا: قرآن کریم میں بیان شدہ امم ماضیہ کی خبروں میں کوئی تعارض نہیں ہوتا۔مثلاً ھبوط آدم اور سبت کے واقعے میں یا قوم عاد وثمود کے واقعات بلا تعارض ہیں۔تعارض ہوا تو یقیناً ایک واقعہ پھر جھوٹ ہوگا جو کلام اللہ میں ناممکن ہے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾(النساء:۸۷) اللہ سے بڑھ کر بات میں اور کون سچا ہوسکتا ہے؟ یا﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء:۱۲۲) اللہ سے بڑھ کر بات میں اور کون سچا ہوسکتا ہے؟

دوسرا اصول: احکام میں تعارض نہیں ہوتا: اسی طرح قرآن مجید میں احکام وشرائع کے بارے میں دو مختلف باتیں نہیں ہوسکتیں۔گو ان احکام کا نزول تدریجی ہوا مگر پھر بھی ان میں باہمی ٹکراؤ نہیں۔

رہا ظاہری تعارض تو اسے سمجھنے اور اسے ختم کرنے کے لئے علماء نے یہ اصول بیان فرمائے ہیں:

أ۔ دو آیات میں جب تعارض محسوس ہو تو انہی آیات کے سیاق وسباق (Context) کو پڑھئے اور سمجھئے۔ان کے مابین جمع وتطبیق یا ترجیح کی کوئی صورت نکل آئے گی ورنہ توقف کیجئے اور کسی ماہر عالم قرآن سے رجوع کیجئے۔

ب۔ دونوں متعارض آیات کے نزول کی تاریخ معلوم کیجئے اس طرح بعد والا حکم ناسخ ہوگا اور پہلا منسوخ۔قرآن کریم میں نسخ کا اصول بھی یہی ہے۔اس لئے جب نسخ ثابت ہوجائے تو پہلا حکم باقی نہیں رہے گا اور نہ ہی پہلا حکم آخری حکم کے معارض ہوگا۔

علماء نے ان مثالوں کا تذکرہ کیا ہے جو تعارض کا شائبہ دیتی ہیں اور پھر ان کے مابین جمع کی صورت بھی نکالی ہے۔مثلاً قرآن مجید کے بارے میں ہے: ﴿ھدی للمتقین﴾ یہ متقین کے لئے کتاب ہدایت ہے۔مگر ایک اور مقام پر یوں فرمادیا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ...﴾ (البقرۃ: ۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لئے باعث ہدایت ہے۔یہ سب لوگوں کے لئے کتاب ہدایت ہے۔

پہلی آیت میں ہدایت،متقین کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسری میں عام۔کیوں؟ اس بظاہر تعارض کو یوں حل کیا گیا کہ پہلی آیت میں ہدایت سے مستفید ہونے کی توفیق کا ہونا ہے جو اللہ تعالی متقین کو نوازتا ہے۔یہ پیاسے ہوتے ہیں کنویں پہ چل کے آتے ہیں اور دوسری

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آیت میں کتاب کی ہدایت سے مراد عام لوگوں کو راہ دکھانے کے ہیں کہ اگر انہیں طلب ہے تو کنویں پہ چل کے آئیں ورنہ کنواں ان کے پاس نہیں آئے گا۔

اسی طرح اس سے ملتی جلتی یہ دو آیات بھی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کو فرمایا:

﴿ اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِیۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴾ (القصص:٥٦) بے شک آپ لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔

اور یہ قول بھی:

﴿وَاِنَّکَ لَتَهۡدِیۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾ (الشوری:٥٢) اور بلاشبہ آپ ہی لوگوں کو سیدھا راستہ دکھا رہے ہیں۔

یہاں پہلی آیت میں ہدایت سے مراد توفیق دینا ہے جو اللہ تعالی کے اختیار میں ہے اور دوسری میں ہدایت سے مراد راہنمائی کرنا یا سیدھی راہ دکھانا ہے جس سے آپ ﷺ عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

☆......اسی طرح یہ مثال:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ... ﴾ (آل عمران : ١٨) اللہ تعالی گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے واہل علم بھی۔

نیز یہ ارشاد بھی:

﴿ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ... ﴾ (آل عمران : ٦٢) ''کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔

اس کے برعکس یہ ارشاد:

﴿ فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾(الشعراء : ٢١٣) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا کر مت پکارنا۔

پھر یہ ارشاد:

﴿وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ ﴾(ھود : ١٠١) جب تمہارے رب کا حکم آیا تو اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان کے وہ معبود کچھ کام نہ آ سکے جنہیں وہ پکارا کرتے تھے۔ جنہوں نے سوائے تباہی کے انہیں کچھ نہ نوازا۔

پہلی دونوں آیات میں اللہ تعالی کے سوا دیگر کے الہ ہونے کی نفی ہے اور آخری دو آیتوں میں غیر کے الہ ہونے کا اثبات ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب ان دونوں قسم کی آیات کو جمع کرنے سے مل جاتا ہے وہ اس طرح کہ جو الوہیت اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے وہ الوہیت حق ہے اور جو دوسروں کے لئے ثابت کی گئی ہے وہ باطل الوہیت ہے۔ اللہ تعالی خود ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ هُوَ الۡبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ ۝ ﴾(الحج : ٦٢) یہ اس

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اس کے سوا جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ہی بلند و برتر اور بڑا ہے۔

مزید مثالوں کا بیان اسباب نزول میں آ رہا ہے۔ اس موضوع پر بہترین کتاب علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ کی ہے جس کا نام دَفْعُ إِيْهَامِ الِاضْطِرَابِ عَنْ آيِ الْكِتَابِ ہے۔

۱۶۔ قرآن کریم کی تعلیم دعوت دین کی بنیاد کو بہتر اور مؤثر بناتی ہے۔ طالب علم پر صبغۃ اللہ کا ہی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اگر تعلیم قرآن سے معلم و متعلم ایسا رنگ نہیں پکڑتے تو سب کچھ عبث ہے۔ اس لئے معلم کی زبان و الفاظ میں جوش بے شک ہو مگر ہوش بھی ہو۔ اس لئے کہ وہ داعی بھی ہے اور ایک نمونہ بھی۔ تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ اور صبغۃ اللہ میں خود ڈھلتا جائے۔

۱۷۔ آیات کے اختتام پر صفات باری تعالیٰ کا ذکر بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے۔ بیشتر آیات کے آخر میں غفور رحیم، خبیر، بصیر، علیم بذات الصدور، عالم الغیب والشهادة، سمیع علیم وغیرہ صفات کیا معنی و تعلق رکھتی ہیں۔ معلم ان صفات کو سابقہ گفتگو سے جوڑے۔ باہمی تعلق بتائے۔ مسلسل اہمیت واضح کرے تاکہ رب کریم کی صحیح پہچان اور عظمت دلوں میں بیٹھتی جائے۔ اس مقتدر ہستی کے مقابلے میں وہ خود کو اور ہر ایک کو چھوٹا و بے بس سمجھے۔ اللہ عظیم کے مقابلے میں غیر اللہ اور من دون اللہ اس پر واضح ہوتا جائے۔ اللہ و رسول کی اطاعت و محبت اس کی گھٹی میں پڑ جائے۔ اس کی مہربانیوں اور رحمتوں پر اللہ کی محبت اس کے دل میں بیٹھے، اس کا خوف اسے رلا دے۔ اپنے گناہوں پر معلم و متعلم کی نظر ہو اور رب کی ناراضگی بھی ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہے۔

۱۸۔ قرآن مجید نے رسول اکرم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کو سراہا ہے۔ اگر سیرت نبوی و احادیث نبویہ سے رسول اکرم ﷺ کی روزمرہ زندگی اور معاملات کی مثالیں معلم کو ازبر ہوں تو ان اخلاقیات کے اثرات بہت گہرے ہیں اس لئے کہ سیرت رسول اور قرآن دونوں اپنے اپنے مقام پر ساتھ ساتھ ہیں یعنی رسول کی سیرت سے جو کچھ ٹپکتا ہے خواہ عمل کی صورت میں ہو یا قول کی یا لوگوں کے ساتھ معاملے کی، سیرت بھی قرآن کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ اس لئے احادیث، واقعات، غزوات، اسفار رسول، اذکار رسول، مناجات رسول، معاملات رسول کو بھی ساتھ پیش کرتا جائے تاکہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ کی صحیح تصویر طالب علم کے سامنے آ جائے۔ حب رسول طالب علم کی سیرت بن جائے۔

نجاشی کو پورے آداب و احترام سے قرآن مجید سنایا گیا اس نے سنا اور غور سے سنا، سمجھ گیا اور ایمان لایا۔ جنوں نے قرآن سنا اور رسول کی تلاوت سے سنا۔ تو پکار اٹھے ﴿ **إنا سمعنا قرآنا عجباً يهدى إلى الرشد فآمنا به** ﴾۔ ہم نے بڑا عجیب قرآن سنا ہے جو سیدھی راہ کی راہنمائی کرتا ہے ہم تو اس پر ایمان لائے۔

۱۹۔ معلم کو چاہئے کہ قرآن مجید کی اول تا آخر تعلیم دے۔ اس میں اپنی پسند و ناپسند کے مطابق آیات کا انتخاب نہ کرے بلکہ قرآن کے رجحانات اور تعلیم کے مطابق خود کو ڈھالے اور ثابت کرے کہ ہر مقام پر مکرر آئی ہوئی عبارت کی کیا خصوصیت و اہمیت ہے۔ غیر ضروری

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مباحث سیاست، حکومت جیسے موضوعات سے اجتناب کرے اور اپنی نظر نص فہمی پر لگائے اور اسی کی تعلیم دے۔ تا کہ اس کا ادراک اور احاطہ کر کے طلبہ میں تَفَقُّه فِی القرآن کا پہلو اجاگر کر سکے۔ ضعیف وموضوع روایات اور اسرائیلیات کا استعمال بالکل نہ کرے۔ عصری علوم کی مثالیں دیتے وقت حتمی بات نہ کرے اس لئے کہ یہ انسانی علوم ہیں ان میں وقت کے ساتھ تبدیلی آتی رہتی ہے جبکہ قرآن مجید ایک ابدی کتاب ہے اور نا قابل تغیر ہے۔ عربی نص کا صحیح فہم طلبہ کے دماغ میں ڈالے تا کہ نماز میں یا تراویح میں قرآن سنتے وقت ان کے معانی ومفاہیم ان کے دماغ میں گھومتے جائیں اور اثر لے کر نماز میں اپنی مطلوبہ کیفیات کو حاصل کرسکیں۔

۲۰...... معلم قرآن، امہات کتب تفسیر جن میں تفسیر ابن جریر طبری، ابن العربی کی أحکام القرآن، تفسیر ابن عطیہ، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی، تفسیر القاسمی اور تفسیر اضواء البیان از شنقیطی سے بھی مستفید ہو۔ تفسیری تائید کے لئے ائمہ محدثین کی کتب مثلاً صحیح بخاری، اس کی شرح فتح الباری، صحیح مسلم اور اس کی شرح المنهاج از امام نووی، المفهم از امام المازری، سنن اربعہ، موطأ امام مالک، التمهید از ابن عبدالبر، سنن دارقطنی اور بیہقی، مسند احمد، مسند دارمی، مسند ابوداؤد طیالسی، امام طبرانی کی تینوں معاجم، مصنف عبدالرزاق، وابن ابی شیبۃ، نیل الأوطار از امام شوکانی وغیرہ سے بھی مدد لے۔ اسی طرح رجال کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی کتب پر اعتماد کرے جیسے التاریخ کبیر اور التاریخ صغیر از امام بخاری، تذکرة الحفاظ اور میزان الإعتدال از امام ذہبیؒ، تهذیب الکمال از امام ابو الحجاج المزی الکامل از ابن عدی، التقریب و التهذیب از امام ابن حجر عسقلانی۔

...... اہل لغت مثلاً ابوعبیدؒ، ابن مالکؒ کی کتب، ازہریؒ کی تهذیب اللغة اور فیومیؒ کی المصباح المنیر کو بھی پیش نظر رکھے۔ لغوی مسائل اور صرف واعراب کے مسائل کے لئے اشعار عرب سے بھی مدد لے۔

...... قراءت شاذہ کے ذکر سے اجتناب کرے ہاں اگر تنبیہ مقصود ہو تو پھر ان کا ذکر مفید ہوگا۔

۲۱...... ترجیح مسائل میں کسی معین مذہب میں متعصب ہوئے بغیر، قرآن وصحیح حدیث کو یا اقرب کو دلیل بنائے۔

۲۲...... جدید سہولیات فراہم کر کے طلبہ میں قرآن سمجھنے کی استعداد بڑھائی جاسکتی ہے۔ مثلاً گرمی وسردی کے موسم کے مطابق کلاس کا ماحول بنانے کا اہتمام کرے۔ طلبہ کی صحت درست رکھنا اور ہونا بہت ضروری ہے اور کلاس میں حاضری بھی۔ بیماری کے ایک آدھ ناغہ کے بعد طالبعلم استاذ کے ساتھ یا سبق کے ساتھ کلاس میں نہیں چل رہا ہوتا۔ اس لئے حفظان صحت کے اصولوں سے واقفیت کرانے کے لئے اور موسم وماحول میں ہونے والی تبدیلیوں سے طلبہ کو آگاہ کرنے کے لئے مختلف ماہرین کے وقتاً فوقتاً لیکچرز کا اہتمام کرے۔

۲۳...... اپنے طلبہ سے قلم کا استعمال کرائے۔ مثلاً وہ کلاس میں دوران سبق اہم نوٹس لیں۔ سوالات لکھ کر دیں۔ روزانہ جو سبق پڑھیں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اسے لکھیں تا کہ عربی خط درست ہو۔معلم ہر طالب علم سے کم از کم ایک بار پورا قرآن ضرور لکھوالے۔

طالب علم کی خصوصیات:

۱۔طالبعلم کلاس میں آنے سے قبل تیار ہو۔مسواک وخوشبو کا استعمال ضرور کرے۔راستہ میں ذکر کرتا ہوا آئے۔

۲۔اپنے اخلاق اور کردار کو بہتر سے بہتر بنائے۔اسباق ہی نہیں بلکہ قرآن کریم کو جتنا یاد کر سکتا ہو اس عرصہ میں کرلے۔

۳۔کوشش کرے کہ استاذ کی آمد سے قبل اپنی جگہ پر طالب علم بیٹھ چکا ہو اور قلم،نوٹ بک وکتب ہر شے اس کے پاس ہو تا کہ محتاجی نہ ہو۔ جس سے دوسرے طالب علم پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔کوشش کرے کہ استاذ کے قریب والی جگہ پر بیٹھے۔

۴۔استاذ کی آمد کے وقت وہ باادب ہو کر بیٹھے۔اور دوران سبق استاذ کی طرف ہمہ تن گوش رہے۔ ہر بات توجہ سے سنے اور اہم بات کے نوٹس لیتا جائے۔جبریل امین خود آپ ﷺ کے آگے دوزانو ہو کر بیٹھے۔صحابہ کرام نے یہی سیکھا۔نیز خود رسول اکرم ﷺ نے جبریل امین سے وحی لیتے وقت ﴿ما زاغ البصر وما طغى﴾ کا مظاہرہ کیا جو قطعی انہماک کی پوزیشن تھی۔

۵۔دوران درس اٹھ کر قطعاً نہ جائے۔بہت بڑی محرومی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ ہوگا۔

چند اہم ہدایات:

☆......قرآن مجید کی آیات واحکام پر بغیر علم گفتگو کرنا اخلاقی،دینی اور علمی اعتبار سے بہت بڑا جرم ہے۔ایسے لوگ تو خود اپنے خلاف اللہ تعالی کو گواہ بنا لیتے ہیں کہ ﴿وأن تقولوا على الله ما لا تعلمون﴾. اللہ کے بارے میں وہ وہ باتیں کہو جن کا تم علم نہیں رکھتے۔جو چاہا کہہ دیا یہ ایمانی اعتبار سے انتہائی خطرناک حرکت ہے جس کا سوال روز قیامت ہوگا کہ تمہیں کس نے بتایا تھا کہ اللہ تعالی کی مراد یہی ہے؟ اپنی رائے،علم اور شخصیت کو قرآن مجید پر مسلط کرنے سے حتی الامکان بچنا چاہیئے۔

☆......اپنے عقیدے اور مسلک یا اپنی سیاست کے اثبات کے لئے آیات قرآنیہ کا ہیر پھیر بھی درست نہیں۔یہ شناعت میں پہلے سے کہیں بڑا جرم ہے کیونکہ ایسا شخص حق کو جانتے بوجھتے اسے اپنے رجحانات کی طرف موڑ رہا ہے۔ہاں اگر ہیر پھیر نہیں تو پھر اس مسلک سے اختلاف کیسے ہو سکتا ہے؟اپنے سیاسی یا مسلکی اختلاف میں قرآن کریم کو بیچ میں لانے سے گریز کرنا چاہیئے ورنہ قرآن کریم مختلف فیہ شے بن جائے گا۔یہی قرآن فہمی کا تقاضا ہے اور اس سے محبت بھی۔اللہ تعالی تبھی سینہ کو قرآن کے نور سے بھرتا ہے اور اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا کرتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿فِيْهِ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾. سینوں کی بیماریوں کے لئے یہ مکمل شفاء ہے۔

☆......تلاوت سیکھنے کے بعد کم از کم اسے زندگی میں ایک بار ترجمہ وتعلیم کے ساتھ کسی عالم سے ضرور پڑھ لیا جائے۔ محض صرفی، نحوی انداز سے چند ایک مقامات کو پڑھنے پر اکتفاء کرنا یا یہ سمجھنا کہ اب سبھی کچھ سمجھ آ جائے گا یہ زندگی بھر کے لئے اپنے آپ کو خوش فہمی میں مبتلا کرنے والی بات ہے۔ اسی طرح بے سوچے سمجھے قرآن مجید کی تلاوت سے اتنا تعلق تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت احترام سے کر لی گئی مگر وہ ایک قراءت کی کتاب بن جاتی ہے جو عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتی۔

☆......آج کے دور میں اگر اللہ کا ایک بندہ اس تڑپ کے ساتھ خدمت قرآن کا یہ جذبہ وارادہ لے کر اٹھے کہ میں نے ایک لاکھ سنٹر ایسے قائم کرنے ہیں جہاں قرآن مجید کی تعلیم ہو تو اس کے لئے کیا مشکل ہے؟ نیز یہ عمل آخرت کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے۔ دو قسم کے افراد کی دل چسپی اس میں بہت ضروری ہے:

سویلین: اندرون ملک، قوم کی تربیت واخلاقی حفاظت کے لئے سویلین کا کردار بڑا اہم ہوا کرتا ہے۔ جن میں سیاستدان، اینکرز، بیوروکریٹ، سرمایہ دار، زمیندار، ملازم وخادم، مرد وخواتین سبھی وقعت رکھتے ہیں۔ ان میں قرآن کریم کی تعلیم ۔۔۔تلاوت وترجمہ سمیت عام کر دی جائے۔

فوجی مجاہد: جو نظریاتی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہ مجاہد تبھی ہے جب جہاد کلمہ حق یعنی اسلام کی سربلندی کے لئے لڑے۔ مگر اس کے دوسرے ہاتھ میں قرآن ہو تو۔ اس لئے جہاد کے صحیح لطف سے وہی مجاہد ہی آشنا ہو سکتا ہے جس نے قرآن کی تعلیم کو اور قرآن کی سربلندی کے جذبہ کو اپنے سینے میں اتارا ہوگا۔

ایک سروے: ہمارا اپنا سروے یہی بتاتا ہے کہ چار فیصد مسلمانوں کا تعلق قرآن مجید کی تلاوت سے ہے۔ لیکن ان میں کتنے ہیں جو اسے سمجھتے ہیں؟۔ ایک اور سروے یہ بھی ہے کہ کچھ ائمہ وخطباء حضرات ترجمہ قرآن تک نہیں جانتے۔ اور دوسری طرف چھیانوے فیصد آبادی تلاوت قرآن کو نہیں جانتی۔ ہماری یہ لاتعلقی ۔۔۔دین سے لاتعلقی ہے جس کا نتیجہ لادینیت کا مستقبل ہے اور جس کی زد میں ہماری نسلیں آ چکی ہیں۔ مزید ہمارا مستقبل کیا ہو سکتا ہے؟ یہ ہم سب کے سوچنے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ ومفہوم قرآن:

عربی زبان میں لفظ ترجمہ کا مطلب بیان اور وضاحت کرنا ہے۔ اصطلاح میں دوسری زبان کے کلام کی تعبیر اپنی زبان میں کرنا ترجمہ کہلاتا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہے۔اس طرح ترجمہ قرآن سے مراد دوسری زبان سے قرآن کے عربی کلمات کی تعبیر کو واضح کرنا ہے۔یہ ترجمہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔**لفظی ترجمہ**: یعنی ہر حرف کے نیچے اس کا لفظی ترجمہ لکھا ہو۔

۲۔**معنوی ترجمہ**: کلام اللہ کے مفہوم کی تعبیر دوسری زبان میں یوں کرنا کہ الگ الگ لفظ کے معنی اور ترتیب کا اس میں لحاظ نہ رکھا جائے۔یہ ایک گونہ تفسیری ترجمہ ہوجاتا ہے۔

ترجمہ کے بارے میں علماء کی رائے : اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ قرآن کریم کا لفظی ترجمہ ممکن نہیں۔کیونکہ قرآنی زبان کے ترجمہ کے لئے چند ایسی بنیادی شروط درکار ہیں جو ترجمہ میں ہونا ممکن نہیں۔مثلاً:

۱۔جس قرآنی کلمہ کا ترجمہ کیا جارہا ہے کیا اس زبان میں وہ کلمہ موجود ہے۔مراد یہ کہ کیا اس زبان میں خود اتنی اور ایسی ہی جامعیت اور قوت ہے۔یا اس سے مشابہ ہے جو قرآنی کلمات میں ہے؟

۲۔کیا اس زبان کے جملوں، صفات اور اضافوں میں ایسی ترتیب باقی رہتی ہے جو قرآن کی زبان میں ہے؟

اس لئے بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ آیت کے کچھ حصے کا لفظی ترجمہ تو ممکن ہے مگر ساری آیت کا نہیں۔نیز اس کے مکمل معنی کی ادائیگی دوسری زبان میں ممکن نہیں اور نہ ہی وہ ترجمہ عربی کی طرح نفوس میں اپنی تاثیر رکھتا ہے لہذا لفظی ترجمہ کی ضرورت نہیں۔اس لئے جن حساس کلمات کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہ ہو تو پھر شرعاً ایسا کرنا ممنوع ہے۔ مثلاً ﴿**استوی علی العرش**﴾ کا لفظی ترجمہ۔دوسری زبان میں ہے ہی نہیں۔ہاں دیگر آسان کلمات کا ترجمہ زبان سمجھانے کے لئے ہوسکتا ہے۔

رہا قرآن کریم کا معنوی ترجمہ، تو یہ اصلاً جائز ہے کیونکہ اس پر لفظی ترجمے جیسی کوئی پابندی نہیں بلکہ ایسا کرنا فرض ہے ورنہ عربوں اور غیر عربوں تک قرآن کریم کی بات کیسے پہنچے گی؟ کیونکہ ابلاغ قرآن تو واجب ہے۔مگر اس کی بھی کچھ شروط ہیں :

۱۔ اس ترجمہ کو قرآن کا بدل نہ سمجھا جائے کہ اب قرآن پاک عربی میں پڑھنے یا سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ایسی صورت میں صفحات قرآنی پر ترجمہ کو ایک طرف لکھا جاسکتا ہے تاکہ اس کی تفسیر سمجھ آجائے۔

۲۔ مترجم دونوں زبانوں کے عام الفاظ اور شرعی الفاظ کے معانی کو سمجھتا ہو اور ان کے سیاق کو بھی۔صحیح ترجمہ کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ عربی الفاظ کا معنوی ادراک طلبہ کو ہو۔آخر میں سلائیڈز یا کسی اچھے مجود کی تلاوت بھی بڑی مؤثر ہوسکتی ہے۔

۳۔ ترجمہ صحیح العقیدہ مسلمان کا ہی قبول کیا جائے جو دین پر گامزن بھی ہو۔بے دین و بدعمل یا بدعقیدہ کے ترجمہ سے پرہیز کی جائے۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

۴۔ آج کل ایسے ترجمہ کی بالخصوص ضرورت ہے جو بغیر کسی تحفظات کے نص اور فکر قرآنی کے مطابق صحیح معنی پیش کرتا ہو۔اس لئے کہ الفاظ قرآن کے معنی میں خطاً جب محض ثانوی مصادر اور غیر دقیق معلومات کے ذریعے غیروں تک پہنچتی ہے تو ہماری ثقافت اور عقیدہ پر ایک دھبہ لگ جاتا ہے۔

☆ ......ترجمہ قرآن کے بارے میں صوفی حضرات افراط وتفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ابن عربی جو صوفیاء کے شیخ اکبر ہیں وحدت الوجود کی جب عینک لگاتے ہیں تو ایسا لگتا ہے قرآن کا جواب لکھ رہے ہیں اور ہر مشرک انہیں موحد نظر آتا ہے۔انہی کے معتقد شیخ تلمسانی فصوص الحکم کی شرح کیا کرتے جب فصوص میں وارد خلاف شرعی مسائل پر کوئی اعتراض کرتا تو معترضین پر کم عقلی کا الزام لگاتے اور کبھی کبھی کفریہ بات بھی کر دیا کرتے۔امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

شیخ کمال الدین ابن المراغی کو ابتداء میں تلمسانی سے بڑی عقیدت تھی وہ ان سے فصوص الحکم پڑھتے۔ایک بار اثناء درس میں کمال الدین نے فصوص کی بعض قابل اعتراض باتوں پر گرفت کی اور کہا کہ یہ قرآن وحدیث کے واضح ارشادات کے خلاف ہیں۔تلمسانی کو سخت غصہ آیا اور کہا: بار بار قرآن وحدیث کا کیا حوالہ دیتے ہو پھینک دو انہیں اٹھا کر دروازے سے باہر اور یہاں صاف دل ہو کر آیا کرو تا کہ تمہیں خالص توحید ملے۔بعد میں احساس ہوا میں نے کیا بات کہہ دی تو بدنامی کے ڈر سے کمال الدین کے پاس آئے اور ان سے معافی مانگی۔

شیخ کمال الدین ہی کی روایت (امام ابن تیمیہ مصنفہ کورکن عمری:۳۲۱) ہے:

ایک مرتبہ شیخ تلمسانی نے کہا: قرآن میں توحید ہے کہاں؟ وہ تو پورے کا پورا شرک سے بھرا ہوا ہے جو شخص اس کی اتباع کرے گا وہ کبھی توحید کے بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔شیخ کمال الدین نے ایک مرتبہ اعتراض کیا: اگر عالم کے ساری چیزیں ایک ہیں جیسا کہ آپ کا عقیدہ ہے تو پھر آپ کے نزدیک جورو، بیٹی اور ایک اجنبی عورت میں کیا فرق ہے؟ تلمسانی نے جواب دیا: ہمارے ہاں تو کوئی فرق نہیں چونکہ ان محجوبوں (اہل شریعت) نے ان کو حرام قرار دیا ہے تو ہم بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں ورنہ ہم پر کوئی چیز حرام نہیں۔

دوسرے گروہ کو اس کی تعلیمات واحکام سے کوئی غرض نہیں بلکہ وہ اس کی تلاوت میں ثواب پانے اور میت کو بھیجنے میں مصروف ہے۔جس کا آپ وہم وگمان نہیں کر سکتے۔مشہور صوفی بشر حافی قرآن کی برکات اور اس کا ثواب اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

ایک بار میں نے قبرستان میں مردوں کو دیکھا کہ آپس میں کچھ بانٹ رہے ہیں۔میں نے دعا کی: الٰہی! ماجرا کیا ہے؟ حکم ہوا: ان سے پوچھو۔میں نے پوچھا: کیا بانٹ رہے ہو؟ جواب دیا: آٹھ روز ہوئے ایک اللہ کا بندہ اس طرف سے گذرا، اس نے تین بار قل شریف کا ثواب پڑھ کر ہمیں بخشا۔اسی کو اب تک بانٹ رہے ہیں جو ابھی ختم نہیں ہوا۔(مقربان حق:۸۱)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

ا۔ تعلیم قرآن کی ضرورت واہمیت پر ایک نوٹ لکھئے۔

۲۔ تعلیم قرآن اور تفسیر قرآن میں کیا فرق ہے۔اسے واضح کیجئے۔

۳۔ بحیثیت معلم قرآن آپ ﷺ کی چند خصوصیات کا ذکر کیجئے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک معلم کی خصوصیات بتایئے؟اور ایک معلم قرآن کی شخصیت کا خاکہ بیان کیجیے؟

۵۔ معلم قرآن اور طالب قرآن کی شخصیت میں کیا نمایاں فرق ہو کہ قرآن واقعی دلوں میں اتر رہا ہے اور محبت الٰہی گھر کرتی جارہی ہے۔

۷۔ قرآن کریم سیکھنے کا ثواب زیادہ ہے یا صرف تلاوت کرنے کا؟ نیز تعلیم قرآن کے وسائل وذرائع کیا ہو سکتے ہیں۔تجاویز دیجئے۔

۸۔ قرآن پاک کی تعلیم کو آسان کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ تجاویز دیجئے۔

۱۰۔ قرآن کریم کی خدمت سے وابستہ افراد کے بارے میں معاشرے کی منفی سوچ کو کس طرح بدلا جاسکتا ہے؟

مشق

ا۔ ''نبی کریم ﷺ بحیثیت معلم'' از ڈاکٹر فضل الٰہی ۔ کا مطالعہ کیجیے؟

۲۔ لائبریری میں سے مندرجہ ذیل کتب کو تلاش کیجیے اور ان کی ایک ایک خصوصیت نوٹ کیجیے؟

ا۔الجمهرة فی اللغة ۲۔الصحاح ۳۔تهذيب اللغة ۴۔غريبی القرآن والحديث

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:4

وحی

وحی کی ضرورت: انسان اپنے بدن کی ضرورت کو زمینی غذا سے پورا کرتا ہے مگر روح کی غذا زمیں سے نہیں آسمان سے اسے ملتی ہے۔صحت مند جسم کے لئے ضروری ہے کہ اس کی روح بھی صحت مند ہو اس لئے دونوں کا چیک اپ ضروری ہے۔ڈاکٹر سے تعلق کے بعد وحی سے انسانی تعلق انتہائی ضروری ہے تا کہ اس کی روح کو غذا ملے۔روح، کی غذا رب کریم نے وحی کی صورت میں اپنے پاس رکھی ہے اور جسے وہ جبریل امین کے ذریعے انبیاء کرام پر نازل فرماتا ہے پھر وہ بندگان خدا میں اسے بانٹ دیتے ہیں۔جو اسے قبول کرے وہ خوش قسمت ورنہ بدبخت ٹھہرتا ہے۔ہمارے جسم و روح کی غذائیں اللہ تعالی نے خود تیار کی ہیں۔اگر غذاؤں کے بغیر روح وجسم میں نہ طاقت نہ جان نہ خوشی۔ہدایت تو بڑی دور کی بات ہے۔یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ اس کے بغیر ہدایت مل سکتی ہے یہ ہدایت نہیں بلکہ بہت سے فساد کا موجب بن سکتی ہے۔روح کو علوی (آسمانی) غذا چاہئے جو خود سے حاصل نہیں ہوتی۔جسم کو بھی سفلی (ارضی) غذا کی ضرورت ہے۔جو جسمانی غذا کا بندوبست زمین سے کرسکتا ہے وہ روح کی غذا کا بندوبست آسمان سے اتار کر کیوں نہیں کرسکتا؟ اس لئے یہ دونوں رحمت الٰہی ہیں۔دونوں کی بقاء میں انسان کی بقاء ہے ان میں سے کسی ایک کی موت انسان کی ہلاکت ہے۔

وحی کا معنی ومفہوم: عربی میں وحی کا معنی لطیف (swift) اشارہ کرنا یا مخفی طور پر (secretly) انتہائی سرعت کے ساتھ کسی کو کوئی بات یا پیغام بھیجنا یا دل میں کوئی بات ڈال دینا کے ہیں۔(تاج العروس ۱۰/۳۸۵) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سونے وجاگنے کی قید بھی لگائی ہے۔(مجموع فتاوی ۱۲/۳۹۸) امام راغب اصفہانی نے وحی کے چار معانی اور طریقے بیان کئے ہیں:

۱۔ازراہ رمز وتعریض کوئی بات کرنا۔ ۲۔محض آواز کا ہونا جس میں کوئی ترکیب نہ ہو۔

۳۔کسی انسانی عضو سے اشارہ کرنا۔ ۴۔کتابت۔

شرعی اعتبار سے بھی وحی کے متعدد معانی ہیں۔کیفیت کے اعتبار سے دونوں میں معنوی اشتراک ہوجاتا ہے مگر اعتبار کے لحاظ سے مختلف ہوجاتے ہیں۔وحی کے مزید لغوی معنی یہ ہیں:

وحی بمعنی فطری الہام: یہ وہ الہام ہے جو اللہ تعالی پاکیزہ روحوں میں ڈالتا ہے جیسے ام موسی علیہ السلام کے دل میں اللہ تعالی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نے بات ڈالی: ﴿وَأَوۡحَيۡنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ﴾ (القصص: ۷) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا۔

وحی بمعنی جبلت: شہد کی مکھی کو بھی اللہ تعالیٰ الہام کرتا ہے: ﴿وَأَوۡحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحۡلِ﴾ (النحل: ٦٨) اورآپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی۔ یہ جبلت کی وحی ہے جو جانور اور انسان دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔

وحی بمعنی اشارہ کی زبان: کسی عضو سے اشارہ کرنا بھی وحی کہلاتا ہے: جیسے: ﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوۡمِهِۦ مِنَ ٱلۡمِحۡرَابِ فَأَوۡحَىٰٓ إِلَيۡهِمۡ ۝﴾ (مریم:۱۱) محراب سے نکل کر انہوں (زکریاؑ) نے اپنی قوم کو اشارہ کیا۔ کیونکہ بولنے سے منع کر دیے گئے تھے اس لئے أوحی إلیھم کا معنی ہے: ان کی طرف اشارہ کیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ انہوں نے زمین پر لکھ کر بات کی تھی اس لئے وحی کا لفظ لکھنے کے معنی میں بھی ہے۔

وحی بمعنی کونی امر: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جامد چیزوں کو حکم ہوتا ہے۔ یہ بھی وحی ہے۔ جیسے: ﴿يَوۡمَئِذٖ تُحَدِّثُ أَخۡبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوۡحَىٰ لَهَا ۝﴾ (الزلزلة: ٤،٥) جس دن زمین اپنے اندر کی خبریں بیان کرے گی کیونکہ اس کے رب نے اسے حکم دیا ہو گا'' اسی طرح یہ فرمانا: ﴿وَأَوۡحَىٰ فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمۡرَهَا﴾ (فصلت:۱۲) اور (تیرے رب نے) آسمان کی طرف وحی کی۔

وحی بمعنی پیغام الٰہی: اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کوئی حکم دیں کہ یہ بجالاؤ۔ ﴿إِذۡ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى ٱلۡمَلَآئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمۡ ۝﴾ (الانفال:۱۲) جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اطلاع دیتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اسی طرح یہ فرمانا: ﴿فَأَوۡحَىٰٓ إِلَىٰ عَبۡدِهِۦ مَآ أَوۡحَىٰ ۝﴾ (النجم:۱۰) پھر اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کرنی تھی۔ یہی علم کا حقیقی سرچشمہ ہے۔

فرشتوں پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرشتوں پر وحی کرنے کا ذکر بھی کیا ہے۔

﴿إِذۡ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمۡ فَثَبِّتُواْ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ..﴾ جب تمہارے رب نے فرشتوں کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو اہل ایمان کو ذرا ثابت قدم رکھو۔

﴿وَإِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٞ فِي ٱلۡأَرۡضِ خَلِيفَةٗ﴾ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

مگر یہ وحی فرشتوں کو کیسے ہوتی ہے؟ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

إذا قَضَى اللّٰه الأَمْرَ فِي السَّماءِ ضَرَبتَ الْمَلائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خَضْعاناً لِقَوْلِهِ، كَأَنَّهُ سِلْسِلَةٌ عَلَى صَفْوَانٍ، فَإِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِم قَالُوا: مَاذَا قَالَ رَبُّكُم؟ قَالُوا لِلَّذِي قَالَ: اَلْحَقَّ۔ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۔(صحیح البخاری تفسیر سورۃ سبأ) جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم نافذ کرتے ہیں فرشتے اپنے پروں کو یہ حکم سنتے ہی جھکا دیتے ہیں گویا کہ یہ آواز زنجیر کی ہوتی ہے جو کسی چٹان پر پڑ رہی ہو۔ پھر جب ان کے دلوں سے خوف زائل ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ اسے وہ کہتے ہیں: حق کہا ہے وہ بالا و برتر ہے۔(صحیح بخاری ۲۸/۶ تفسیر سورہ سبأ)

امام ابن شہاب زہریؒ کا قول ہے کہ اس حدیث میں وحی کی تمام صورتیں شامل ہیں۔(الفتاوی الکبری:۵۹۳/۶)

اس کی مزید وضاحت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ سَمِعَ أَهْلُ السَّمَاءِ صَلْصَلَةً كَجَرِّ السِّلْسِلَةِ عَلَى الصَّفَا، قَالَ: فَيَصْعَقُوْنَ فَلاَ يَزَالُوْنَ كَذَلِكَ حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ جِبْرِيْلُ، فَإِذَا أَتَاهُمْ جِبْرِيْلُ فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ، فَيَقُوْلُوْنَ: يَا جِبْرِيْلُ: مَاذَ قَالَ رَبُّكَ؟ قَالَ : يَقُوْلُ الْحَقَّ۔ قَالَ: فَيُنَادُوْنَ: الْحَقَّ الْحَقَّ۔ (سنن ابی داود: ۵۳۶/۲،صحیح بخاری تعلیق وموقوف علی ابن مسعود ۱۹۴/۸) جب اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں تو آسمان والے ایک ایسی آواز سنتے ہیں جو چٹان پر زنجیر کو کھینچنے سے آتی ہے۔ پھر وہ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اسی حالت میں رہتے ہیں حتی کہ جبریل امین ان کے پاس آجاتے ہیں۔ جب جبریل ان کے پاس آتے ہیں تو ان کے دلوں سے خوف جاتا رہتا ہے پھر وہ پوچھتے ہیں جبریل! آپ کے رب نے کیا کہا؟ وہ فرماتے ہیں: وہ حق ہی فرماتے ہیں۔ تو سب فرشتے پکارتے ہیں: حق فرمایا اللہ تعالیٰ نے، حق فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وحی کی یہ تمام انواع اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت کو بیان کرتی ہیں۔

وحی بمعنی وسوسہ: شیطانی وسوسہ اور برا خیال جو رگوں میں خون کی طرح تیز دوڑے۔﴿**وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○**﴾(الأنعام: ۱۱۲) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے جن وانس کے شیطانوں کو اس کا دشمن بنایا جو ایک دوسرے کو برے خیالات تلقین کرتے ہیں۔

یہ وحی بھی اللہ تعالیٰ کے باریک ولطیف علم کو ظاہر کرتی ہے۔

شرعاً وحی کا معنی: وہ وحی جو پیغام الٰہی ہے اس کے لئے قرآن میں دو انداز ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۱۔ **ایحاء** : مصدری معنی میں ۔وحی کرنا جیسے: ﴿إنا أوحينا﴾ ''ہم نے وحی کی'' (مفردات القرآن:وحی)۔اپنے نبی کو کسی حکم شرعی کے بارے میں آ گاہ کرنا۔

۲۔ **وحی** : اسم مفعول (المُوحٰی) کے معنی میں ۔وہ کلام جو وحی کیا گیا جیسے: ﴿ وَوَحْيِنَا ﴾'' اور ہماری وحی کی مطابق'' اس اس وحی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نبی پر اپنا کلام نازل فرما کر اسے اخبار غیب اور شریعت کے بارے میں آ گاہ کرتا ہے۔

یہ شرعی معنی بظاہر لغوی معنی سے مختلف نہیں بلکہ ان میں عام وخاص ہونے کا فرق ہے۔لغوی معنی میں وحی عام ہے جو ہر مخفی چیز کی اطلاع کو کہتے ہیں۔اور شرعی معنی میں وحی اللہ تعالی کی انبیاء کرام کو اطلاع دینے سے خاص ہے۔ان دونوں حیثیتوں سے شرعی وحی کی متعدد صورتیں ہیں جو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں درج ذیل ہیں:

شرعی وحی کی اقسام: انبیاء ورسل کی طرف وحی کی چند صورتیں ہیں۔جن کی وضاحت قرآن مجید میں یوں کی گئی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَايَشَآءُ، إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ (الشوری:۵۱) کسی بشر کے لئے مناسب نہیں کہ اس سے اللہ بات کرے سوائے وحی کے یا حجاب کے پیچھے سے یا کسی فرستادہ کو بھیجے پھر جو چاہے اسی کے حکم سے وہ وحی کرے۔ بلاشبہ وہ بلند تر ہے اور حکمت والا ہے۔

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ..﴾ (الفتح : ۲۷) اللہ تعالی نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم سب ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے۔

ان آیات کی رو سے وحی کی تین سے زائد صورتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔عالم خواب میں: یہ وحی کے ابتدائی مراحل تھے جیسا کا حدیث ام المؤمنین میں مذکور ہے: أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِالْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔ اولاً وحی کی ابتداء رؤیائے صالحہ سے ہوئی ۔ جو بھی آپ ﷺ خواب دیکھتے وہ صبح دن کی طرح روشن ہوتا۔ان سچے خوابوں کو علماء رؤیائے صادقہ کا نام بھی دیتے ہیں۔یا بقول بعض انہیں **إرهــــاص** کہتے ہیں۔جن کا ذکر ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یوں کرتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ ،وَعِنْدَ مُسْلِمٍ: الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ وحی کی ابتداء اولاً نیند میں نیک یعنی سچے خوابوں (صحیح مسلم کی روایت کے مطابق) سے ہوئی۔ آپ کوئی خواب

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ایسا نہ دیکھتے جوصبح کی روشنی کی طرح آپ کے سامنے واضح نہ ہوتا۔

خواب میں وحی کی یہ صورت بعد میں بھی برقرار رہی جو وحی خفی کی حیثیت اختیار کر گئے۔اور اللہ تعالی نے بھی ان کی تائید فرمائی جیسا کہ اوپر مذکور سورہ فتح کی آیت نمبر ۲۷ میں بیان ہوا ہے۔ابتداء میں یہ خواب اس لئے آتے تا کہ انبیاء کے دل مانوس ہو جائیں۔ام المؤمنین کی حدیث کی ترجمانی کرتے ہوئے علقمہ بن قیس جو سیدنا ابن مسعودؓ کے شاگرد ہیں۔فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُؤْتٰى بِهِ الْأَنْبِيَاءُ فِي الْمَنَامِ حَتّٰى تَهْدَأَ قُلُوْبُهُمْ ، ثُمَّ يَنْزِلُ الْوَحْيُ بَعْدُ فِي الْيَقْظَةِ۔ انبیاءکرام سب سے پہلے خواب میں وحی دئے جاتے تھے حتی کہ ان کے دل تسکین میں آ جاتے۔پھر جاگتی حالت میں ان پر وحی نازل ہونے لگتی۔

اللہ تعالی نبی کے دل میں اپنا پیغام القاء کرتا جو یقین اور پختہ خیال کی صورت میں اس کے دل میں بیٹھ جاتا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔مثلاً: لیٹ کر بھی اگر آپ اٹھتے تو فرماتے: میں نے دیکھا ہے کہ مسلمانوں کی ایک فوج۔۔۔ یہ وحی ہوتی اور صحابہ اسے تسلیم کرتے۔اسی لئے نبی ﷺ کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ایسی خوابی وحی ابراہیم علیہ السلام کو بھی آئی تھی۔اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى، قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ..﴾ ظاہر ہے خواب اگر وحی نہ ہوتا تو والد اپنے بیٹے کو اتنی بڑی بات نہ کہتے اور اگر بیٹے کے علم میں یہ ہوتا کہ والد صاحب کا خواب کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو وہ فوراً یہی کہتے: ابا جان! خواب کی بنیاد میں آپ مجھے ذبح کرنے چلے ہیں؟ مگر بیٹے کے علم میں تھا کہ میرے والد محترم اللہ کے رسول ہیں۔ان کا خواب اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہے اس لئے جواب بھی فوراً دیا اور خوب دیا:﴿یأبت افعل ما تؤمر﴾ ابا جان آپ وہ کر ڈالئے جس کا حکم آپ کو دیا گیا ہے۔میں تیار ہوں۔

۲۔ **پس پردہ وحی:** یہ اللہ تعالی کا اپنے خاص بندوں سے مکالمہ ہوتا ہے۔﴿أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ﴾. جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پس پردہ اللہ تعالی ہمکلام ہوئے۔

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۝﴾ (النساء:۱۶۴) اور اللہ تعالی موسی سے ہم کلام ہوئے۔یا

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْأَيْمَنِ وقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا۝﴾ (مریم:۵۲) اور ہم نے اسے طور کے دائیں جانب سے پکارا اور اسے سرگوشی میں قربت عطا کی۔

اس وحی میں براہ راست گفتگو ہوتی ہے جس کی صوتی لذت کا سرور رسول ہی جان سکتا ہے۔اس لئے موسیٰ علیہ السلام جب اللہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعالی سے ہم کلام ہوئے تو بے ساختہ پکار اٹھے:

﴿رَبِّ أَرِنِیْ أَنْظُرْ إِلَیْکَ﴾ (الأعراف:۱۴۳) اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ سکوں۔

اسی طرح آپ ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالی آپ ﷺ سے بھی ہم کلام ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: فأَوْحی اللّٰہُ إِلَيَّ فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِیْنَ صَلَاۃً فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ " اللہ تعالی نے میری طرف وحی کی اور پچاس نمازیں دن رات میں فرض کردیں۔'' (صحیح مسلم ۱/۱۴۶ کتاب الإیمان) اس وحی میں نبی، اللہ کا کلام سنتا ہے مگر اسے دیکھ نہیں پاتا۔ یہ پس پردہ وحی ہوتی ہے۔ ﴿أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۝﴾ (الشوری:۵۱) یہ وحی کلام الٰہی کہلاتی ہے۔

۳۔ **وحی بذریعہ جبریل امین:** یہ وحی جلی کہلاتی ہے جو وحی کی دیگر صورتوں کے مقابلے میں آپ ﷺ پر زیادہ اتری ہے۔ بالخصوص قرآن کریم وحی کی اسی صورت میں اور حالت بیداری میں نازل ہوا ہے۔ نزول وحی کی اس صورت میں رسول یا نبی کو مکمل وجدان اور یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ سورہ الکوثر کا نزول بھی اسی طرح ہوا۔ کیونکہ حدیث میں لفظ أغفی إغفاء (صحیح مسلم ۱/۳۰۰) سے مراد نیند نہیں بلکہ نزول وحی کی وہ کیفیت ہے جسے (بُرَحَاءُ الْوَحْيِ) کہتے ہیں آپ پر وحی کے جھونکے طاری ہوگئے تھے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّہٗ لَتَنزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْأَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ﴾ (الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵) یہ قرآن یقیناً رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جسے روح الامین لے کر اترے ہیں۔ آپ کے دل پر تاکہ آپ خبردار کرنے والوں میں سے ہوں۔ واضح عربی زبان میں۔

۴۔ **وحی جو الہام ہو:** الہام اس صورت میں کہ اللہ تعالی اپنے نبی یا رسول کے دل میں کچھ جمادے کہ یہ ایسا ہی ہے۔ نہ اسے رد کرے اور نہ کوئی شک۔ جیسے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ أَنْ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَهَا، أَلَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَأَجْمِلُوا فِی الطَّلَبِ۔ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی کہ کوئی جی بھی اپنا رزق مکمل کئے بغیر مر نہیں سکتا، سنو! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اور مطالبہ میں جمال پیدا کرو۔ (عن ابن مسعود: مشکاۃ المصابیح ۳/۱۴۵۸)

انبیاء سابقین کی تعلیمات وحی کی اسی صورت میں نازل ہوئی ہیں۔ کوئی کتاب ان پر نہ اتری تھی۔ اللہ تعالی کے رسولوں پر کتابی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

وحی زیادہ تر اتری۔اور خواب میں یا فرشتے کی بشری حالت میں آمد کی وحی بھی ہوتی۔اس لئے وحی کا معنی ومفہوم تمام انبیاء ورسل کے درمیان مشترکہ چلا آتا ہے۔اس میں جبریل امین قاصد یعنی پیغام لانے والے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝﴾ (الأنبياء: ۲۵) آپ سے قبل کسی رسول کو ہم نے نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ کوئی معبود نہیں سوائے میرے پس تم میری ہی عبادت کرو۔

﴿قُلْ إِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۝﴾ (الأعراف: ۲۰۳) ''آپ فرمادیں کہ میں تو اسی وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف بھیجی جاتی ہے۔''

ابلاغ وحی دو انداز سے ہوتا ہے:

۱۔ وہ وحی جو جبریل امین نے حروف وحرکات سمیت بغیر کسی کمی وبیشی کے آپ ﷺ کو پہنچائی۔ جسے آپ ﷺ نے بھی جبریلِ امین سے حاصل کرنے کے بعد من وعن آگے پہنچایا۔اسے وحی متلو کہتے ہیں۔اس سے مراد قرآن مجید کی وحی ہے کیونکہ اسے تلاوت کیا جاتا ہے۔اسے وحی جلی بھی کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرا انداز وحی یہ ہے کہ جبریل امین کا انسانی شکل میں حاضر خدمت ہوتے اور معنوی وحی کر جاتے۔یا خواب والہام کی صورت میں آپ کو براہ راست وحی ہوتی۔وحی کی یہ صورتیں آپ ﷺ کے اقوال،افعال اور تقریرات میں ملتی ہیں جنہیں وحی غیر متلو کہتے ہیں۔یہ وحی تمام تر سنت رسول کی عملی صورت ہے اسے وحی خفی کہتے ہیں۔

وحی غیر متلو کی متعدد صورتیں: اس وحی کی تمام تر تشریحات وحی خفی میں نازل ہوئیں۔اس کے دو انداز ہوا کرتے۔۱۔جبریل امین کا خود تشریف لانا۔۲۔آپ ﷺ کو خواب یا الہام کی صورت میں وحی کا ہو جانا۔ جبریل علیہ السلام نزول وحی کے لئے جب حاضر ہوتے تو ان کی درج ذیل تین حالتوں میں کوئی ایک حالت ہوا کرتی۔

۱۔بعض دفعہ جبریل علیہ السلام نظر نہ آتے بلکہ ان کی آمد پر آپ ﷺ گھنٹی کی یا شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنتے۔امام ابن حجرؒ کا کہنا ہے: جبریل امین ایک فرشتہ اور رسول اللہ ﷺ ایک بشر تھے۔دونوں کے درمیان اتصال کا نام دراصل وحی ہے۔ جب دو افراد عربی اور عجمی کے درمیان گفتگو ہوتی ہے تو تفاہم کے لئے ہر ایک دوسرے کی زبان جاننے کا محتاج ہوتا ہے۔جب دو کے مابین وحی میں اتصال ہوتا ہے تو یہاں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ بشر کا غلبہ ملک پر ہو، تا کہ بشر اس کی بات سمجھ سکے۔یا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بشر پر ایسا روحانی غلبہ ہو کہ فرشتہ کے لئے اللہ تعالی کی بات پہنچانا اسے آسان ہو۔(فتح الباری ۲۸/۱)۔ یہ وحی جلی کہلاتی ہے(الاتقان ۴۲/۲)۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ﴾(الشوری:۵۱) یا وہ کوئی فرستادہ بھیجے جو اسی کے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں: میں نے آپ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ وحی محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں زنجیر کی آوازیں سنتا ہوں پھر خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر وحی ہوتی ہے تو میں یہی سمجھتا ہوں کہ میری جان ابھی ختم ہو جائے گی۔

اس اشد وحی میں آپ ﷺ کو سخت پسینہ بھی آتا۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں: سخت سردی کے موسم میں میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹتا دیکھتی۔ زید بن ثابت فرماتے ہیں: میں وحی لکھا کرتا۔ آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کو اس کی سخت ترین شدت گھیرے میں لے لیتی۔ اور آپ چھوٹے چھوٹے موتیوں کے پسینہ سے شرابور ہوتے پھر آپ سے وحی ختم ہو جاتی۔ **(مجمع الزوائد ۲۵۷/۸)**

۲۔ کبھی جبریل امین اپنی اصل شکل میں نمودار ہوتے جیسے آپ ﷺ نے فترۃ الوحی کے بعد جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھا۔ پھر معراج کی رات آپ ﷺ نے انہیں سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا۔

۳۔ جبریل امین عموماً ایک صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں بشری حالت میں آتے۔ اس صورت میں فرشتہ جو وحی آپ ﷺ پر کرتا اسے وحی ملکی کہتے ہیں۔

☆......مطالعہ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وحی خفی کے ذریعے بھی بہت سے احکامات دئے گئے جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ **تشریعی امور**: جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قضاء، نکاح، طلاق، خلع اور صلح و جنگ کے قواعد اور ان کی تفصیلات جو قرآن مجید میں نہیں۔ ایسے تمام امور آپ کو بذریعہ وحی بتائے اور سکھائے جاتے تھے۔ خواہ یہ وحی بذریعہ القاء ہو یا جبریلؑ انسانی شکل میں آپ کو سامنے آکر بتائیں۔ عرف عام میں یہ وحی خفی کہلاتی ہے۔

۲۔ **تدبیری امور**: آپ ﷺ صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر کے بعض امور نمٹاتے تھے۔ جس کا ﴿**وشاورهم في الأمر**﴾ کے ذریعے آپ کو حکم دیا گیا تھا۔ مثلاً جنگ کے لئے کون سا مقام زیادہ مناسب ہے؟ قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ دعوت دین کو کیسے منظم کیا جائے؟ وغیرہ۔ یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا تعلق انسانی بصیرت اور تجربہ سے ہے جن میں وحی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں مشورہ کے بعد اگر فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو وحی کے ذریعے اس کی اصلاح کر دی جاتی تھی۔ جیسے جنگ بدر کے قیدیوں سے متعلق وحی نازل ہوئی۔

© AL HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۳۔اجتہادی امور: ایسے دینی معاملات جن میں کسی مسئلہ کا حل سابقہ وحی کی روشنی میں تلاش کیا جائے۔علم دین کا ماہر صاحب بصیرت ہی اسے معلوم کرسکتا ہے۔آپ ﷺ نئے امور کو اسی طرح نمٹاتے تھے۔مثلاً ایک خاتون نے دریافت کیا کہ میری والدہ پر حج فرض تھا مگر وہ ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہوگئیں۔کیا میں ان کی طرف سے اب حج کرسکتی ہوں؟آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا یہ بتاؤ اگر تمہاری والدہ کے ذمہ قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتی ؟ کہنے لگی: جی ہاں ضرور کرتی۔آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ تو زیادہ حق دار ہیں کہ اس کا حق ادا ہو۔

آپ کے ایسے اجتہادات کی فہرست بہت طویل ہے۔مگر جب بھی ایسی کوئی لغزش ہوئی تو بذریعہ وحی جلی یا خفی اس امر کی اصلاح کردی گئی۔صرف ایک تشریعی امر یعنی اذان کی مثال ایسی ملتی ہے جس میں آپ نے تشریعی امر ہونے کے باوجود مشورہ کیا۔لیکن بالآخر یہ مسئلہ بھی وحی کے ذریعہ ہی انجام پایا۔

۴۔طبعی امور: اس میں انسان کی روزمرہ کی بول چال،خوراک،پوشاک اور دوسرے لوگوں سے معاملات وغیرہ آجاتے ہیں۔ان امور کا تعلق تمام لوگوں سے یکساں ہے وحی نے یہاں بھی رہنمائی فرمائی۔انسان کھانے پینے میں آزاد ہے لیکن وہ صرف حلال اور پاکیزہ چیز ہی کھاسکتا ہے۔پھر اسے یہ بھی ہدایت ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے،داہنے ہاتھ سے کھائے،اپنے آگے سے کھائے،برتن صاف کرے اور بعد میں دعا پڑھے۔وہ اپنے لباس کے انتخاب میں آزاد ہے۔لیکن ستر ڈھانکنا اور عورت کے لئے حجاب کرنا ضروری ہے۔عورت مردوں جیسا لباس نہ پہنے اور نہ مرد عورتوں جیسا لباس پہنیں۔وہ اپنے اہل خانہ سے گفتگو کرنے میں آزاد ہے لیکن اپنے والدین اور اہل خانہ سے حسن سلوک اور حسن معاشرت کا پابند ہے۔وہ اپنے کاروبار کو اختیار کرنے میں آزاد ہے لیکن سود یا حرام طریقہ سے مال نہیں کما سکتا۔ناپ تول میں کمی نہیں کرسکتا کسی دوسرے سے دھوکہ اور فریب سے مال نہیں بٹور سکتا۔وغیرہ۔

ان تصریحات سے واضح ہوجاتا ہے کہ شریعت کے تمام امور کا سارا انحصار وحی پر ہے۔انسانی بصیرت پر اکتفاء نہیں کیا گیا کہ وہ اجمال قرآن کی وضاحت کرے کیونکہ ان معاملات کا تعلق وحی خفی سے ہے جو اس کے بغیر انجام پا ہی نہیں سکتے۔باقی تینوں امور میں انسان نسبتاً آزاد ہے مگر ان پہلوؤں پر بھی وحی نے ہدایات دی ہیں۔جن میں اکثر کا ذکر قرآن مجید میں نہیں، بلکہ ان کی رہنمائی وحی خفی سے کی گئی۔

نزول وحی کی ابتداء: جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال ہوگئی تو رمضان دوشنبہ کی اکیسویں شب یعنی لیلة القدر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی چند آیات لے کر آپ ﷺ کے پاس غار حراء میں تشریف لائے۔نزول وحی کی پہلی تاریخ یہی ہے پھر بتدریج آپ ﷺ کی آخری عمر تک اس وحی کا سلسلہ تقریباً ۲۳ سال تک رہا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہے (جس کا زمانہ ۲۲ سال ۵ ماہ اور ۱۴ دن بنتا ہے) یہاں تک کہ پورا قرآن مجید نازل ہوگیا۔

ابتداء میں سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔اس کے بعد مشہور قول کے مطابق تین برس تک کوئی وحی نہیں آئی۔اسے '' فترة الوحی'' کا زمانہ کہا جاتا ہے۔لیکن ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق وحی کی یہ بندش تقریباً دس دن تھی۔پھر بعد میں آپ پر سورہ المدثر یآیھا المدثر قم فأنذر نازل ہوئی۔

۲۳ سال کے عرصہ میں قرآن مجید اس طرح نازل ہوا کہ کبھی ایک چھوٹی آیت یا کبھی آیت کا ایک جزو نازل ہوتا اور کبھی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہوتیں۔سب سے چھوٹا حصہ قرآن مجید میں جو نازل ہوا وہ غیر أولی الضرر ہے۔یہ ایک طویل آیت کا جزو ہے۔دوسری طرف سورہ الانعام مکمل ایک ہی وقت میں نازل ہوئی جو ۱۶۵ آیات پر مشتمل ہے۔

امام بخاریؒ نے ام المومنین عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے وہ مفصل سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت وجہنم کا ذکر ہے۔یہاں تک کہ جب لوگوں کے قلوب میں اسلام نے گھر کر لیا تو حلال وحرام کے مسائل واحکام نازل ہوئے۔ورنہ اگر چھوٹتے ہی یہ حکم نازل کر دیا جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم تو کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر حکم ہوتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم سے زنا ترک نہیں ہوسکتا۔(صحیح بخاری ۱/۱۸۵)

احادیث صحیحہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حسب ضرورت پانچ اور دس سے زیادہ یا کم آیات نازل ہوا کرتیں۔چنانچہ واقعہ افک میں دس آیتوں کا اور سورہ المؤمنون کی ابتدائی دس آیات کا نزول یکبارگی ثابت ہے۔ نزول قرآن کے لحاظ سے سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت آخری ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (البقرة:۲۸۱)

اور ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر نفس کو پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمائی کی اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے سیدنا ابن عباس کا یہ قول (فتوح الغیب ۲/ ۵۴۵) ذکر کیا ہے کہ آیت مذکورہ بالا ہی وہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔اس طرح کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے جب حج فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی۔آپ ﷺ نے وقوف عرفات کیا تو آیات اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ۔۔۔(المائدۃ : ۳) نازل ہوئیں۔اور اس کے بعد یہ آیت

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ تو جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ اس کو سورہ البقرہ کے ۲۸۱ آیت کے سرے میں رکھیں۔ اس کے بعد آپ اکیاسی دن زندہ رہے۔ بعض اکیس دن اور ایک قول سات دن کا بھی ہے۔ اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ﷺ کی وفات سے صرف تین گھنٹے قبل یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ بہرحال اسی آیت کے نزول کے آخری ہونے کی تائید بے شمار تفاسیر سے ملتی ہے۔

نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کی کیفیت: نزول وحی کے وقت آپ ﷺ بکمال ہوش وحواس اور روحانی طور پر نہایت چاق و چوبند اور چوکس ہوا کرتے۔ حاضرین سوائے چند ظاہری آثار کے اسے محسوس نہ کر پاتے۔ مثلاً آپ ﷺ کے جسم مبارک کا بھاری ہوجانا، پسینہ بہنا خواہ سردی ہو۔ جب وحی آتی تو آپ ﷺ کسی عصبی تکلیف میں مبتلا ہوتے نہ بیماری کا دورہ پڑتا۔ اس کا مبدأ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ اس وحی میں کلام نفسی کا شبہ تک نہ ہوتا اور نہ دوسرے احتمالات کا اس میں دخل۔ فرشتہ جب وحی نازل کر کے چلا جاتا تو آپ ﷺ تھوڑی دیر بعد اپنی طبعی حالت میں لوٹ آتے۔ قرآن مجید میں بھی ان احتمالات کا دفاع کیا گیا ہے۔

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝﴾ (الحاقة: ٤١-٤٢)

یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی کسی کاہن کا، تم بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔

احادیث صحیحہ میں رسول اللہ ﷺ نے وحی کے نزول کی کیفیت کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

بعض اوقات نزول وحی کے وقت مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ میرے لئے بہت سخت ہوتی ہے۔ جب یہ کیفیت دور ہوتی ہے تو جو کچھ مجھے بتایا گیا ہوتا ہے یاد ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات فرشتہ انسانی صورت میں آکر بات کرتا ہے جسے سن کر میں یاد کر لیتا ہوں۔ (صحیح بخاری ۱/۶)

وحی کی پہلی صورت واقعی زیادہ گراں اور دشوار ہوا کرتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے۔

﴿إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝﴾ (المزمل: ۵) ہم آپ پر ایک گراں بار قول القاء کریں گے۔

اسی کیفیت کو دیکھ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا (صحیح بخاری: ۲) میں نے سخت سردی کے دن آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے دیکھی تو پیشانی سے پسینہ بہہ رہا تھا۔

حالت سواری میں نزول وحی شروع ہوتی تو جانور بوجھ تلے دب کر بیٹھ جاتا (زادالمعاد ۱/ ۲۵)۔ زیدؓ بن ثابت پر بھی اس کیفیت کا جب بوجھ پڑا تو ان کی ران ٹوٹنے لگی۔ صحابہ کرامؓ اس وحی کی آواز کو شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ سے تشبیہ دیا کرتے کیونکہ انہیں اس کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی تھی۔ (مسند احمد) وحی کی اس حالت میں آپ ﷺ نیند کرنے والے کی طرح سانس لیا کرتے۔ ایسی بات نہیں تھی کہ آپ پر غنودگی کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی گویا کہ آپ بے ہوش ہو جاتے یا آپ پر کوئی پردہ ڈال دیا گیا ہو۔ سیدنا عمرؓ نے صفوان بن یعلی کو یہی حالت دکھائی کہ کپڑے سے آپ پر سایہ کیا گیا تھا انہوں نے اپنا سر اندر ڈال کر دیکھا تو آپ کا چہرہ مبارک انتہائی سرخ تھا اور آپ ﷺ سونے والے کی طرح بلند سانسیں لے رہے تھے۔

وحی کی دوسری صورت پہلی سے ہلکی اور آسان تھی۔ اس میں نہ آوازوں کا تسلسل ہوتا اور نہ پیشانی سے پسینہ بہتا۔ جبریل انسانی شکل میں آتے اور وحی کر جاتے۔ یہ صوری مشابہت دونوں کے کام میں آسانی پیدا کر دیا کرتی تھی۔ وحی کی ان دونوں صورتوں میں آپ ﷺ کے ہوش وحواس بالکل بجا ہوتے تھے۔ اس حالت وحی میں آپ ﷺ کے فہم وادراک میں کوئی فرق نہ آتا تھا خواہ وحی کیسی ہی ہوتی۔

ابتداءً جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آیت کا کچھ حصہ ضائع ہو جانے کے خوف سے وحی مکمل ہونے سے پہلے آپ ﷺ اسے جلدی جلدی پڑھنا شروع کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ الفاظ نہ بھول جائیں۔ جبریل علیہ السلام جو الفاظ پڑھاتے آپ ﷺ اپنی زبان مبارک اور لبوں کو ہلاتے جاتے اور ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے۔ دوسری طرف قرآن مجید کا یاد کرنا آپ ﷺ پر آسان کر دیا گیا تھا۔ اس لئے یہ وعدہ فرما کے آپ کو مطمئن کر دیا:

﴿لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ (القیامۃ: ۱۶-۱۹) قرآن کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ ہلائیں۔ اس کو آپ ﷺ کے سینہ میں جمع کرنا اور آپ کی زبان سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ اور پھر اس کو بیان کروانا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

وحی کے بعد نازل شدہ قرآن کی آیت یا آیات دوبارہ پڑھوانے کی ذمہ داری کو غالباً یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ (Hard Disk) میں کچھ (Upload) کر دیا جائے۔ جسے بعد میں جب اور جیسے چاہیں سن لیں یا CD میں مختلف فائلز سننے کے لئے ایک بار اسے Back کیا جائے یا جس طرح ایک آڈیو کیسٹ کو کسی کاپیئر پر ٹرانسفر کیا جائے تو وہ پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں ۶۰ یا ۹۰ منٹ کا

کیسٹ دونوں طرف سے کاپی کر دیتا ہے۔ کاپی کرنے کے اس دورانیے میں اگر ہم آواز سنیں تو وہ نا قابل فہم ہوتی ہے۔ شاید نزول وحی کی کیفیت اس طرح کی تیزی میں ہوتی ہوگی جسے بہت ہی جلد سینے میں اتار دیا جاتا ہوگا اور جس کی آواز کو صحابہ رسول نے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز جیسا سنا یا اس سے تشبیہ دی۔

نزول وحی کا دارومدار : نزول وحی کی آمد اور اس کے رک جانے کا سارا دارومدار اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تو وحی جاری رہتی اور اگر چاہتے تو رک جاتی۔ قرآن کے نزول یا عدم نزول میں آپ کے اختیار کو کوئی دخل نہ تھا۔ واقعہ افک میں ایک ماہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو سخت پریشانی رہی۔ اور آپ ﷺ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہہ رہے تھے: إِنِّيْ لَا أَعْلَمُ عَنْهَا إِلَّا خَيْرًا۔ دلی آرزو رہی کہ آپ ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ کی جانب تبدیل ہو جائے۔ سولہ سترہ ماہ تک نہایت بے قرار رہے مگر ہوا وہی جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چاہا۔

نبی کریم ﷺ اس امر کے واحد شاہد تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ آپ کا ذاتی یقین واطمینان بھی اس بات کی واضح دلیل ہے۔ آپ اپنی ذات کو وحی کی تعلیمات میں مدغم نہیں کرتے تھے۔ بعض اوقات وحی اس کثرت سے نازل ہونے لگتی کہ آپ بیمار پڑ جاتے اور بعض اوقات شدید ضرورت کے وقت وحی رک جایا کرتی تھی۔ وحی ہمہ وقت آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوتی رہتی تھی۔ کوئی وقت مستثنٰی نہ تھا۔ آپ بستر پر لیٹے ہیں اور ابھی سو بھی نہ پائے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ سر اٹھا کر مسکرانے لگے اور فرماتے ہیں کہ مجھ پر **سورہ الکوثر** نازل ہوئی ہے۔ گھر پر استراحت فرما رہے ہیں رات کا ایک تہائی حصہ باقی ہے کہ آپ پر **سورہ التوبہ** کی وہ آیت اتری جس میں غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے صحابہ کرامؓ کا ذکر تھا۔

وحی کی زبان: اللہ تعالیٰ کا یہ اصول رہا ہے کہ مخاطب قوم کی زبان میں ہی وحی نازل کی جائے تا کہ قوم وحی الٰہی کو سمجھنے، اس پر ایمان لانے یا نہ لانے کا فیصلہ کر سکے۔ اس لئے جس قوم میں بھی رسول آیا وحی بھی اسی قوم کی زبان میں نازل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کبھی عبرانی میں آئی، کبھی سریانی میں اور کبھی عربی میں، اور کبھی دوسری قوم کی زبان میں۔ آپ ﷺ کے مخاطب چونکہ عرب تھے اس لئے قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔

وحی کی حقیقت: انسانی حواس کے لئے اولاً اس کی حقیقت کو پانا ممکن نہیں کیونکہ کائنات میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کی حقیقت کا ادراک ہمارے حواس کے بس میں نہیں مگر وہ بلا شبہ موجود ہیں۔ ہاں انسانی حواس ایک حد تک ان کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ آج جدید آلات کے ذریعے بغیر کسی تگ ودو کے دنیا کے دوسرے کنارے بیٹھے شخص سے بآسانی ویڈیو گفتگو کرنا، ان

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کی تصاویر دیکھنا ممکن ہو گیا ہے جس کا بظاہر کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح حشرات الارض اور بعض جانوروں کو انسان سے بڑھ کر مختلف صلاحیتیں دی گئی ہیں۔ مثلاً انسان کے مقابلے میں کتے کے سونگھنے کی صلاحیت سات سو گنا زیادہ ہے، دیمک کی ملکہ کئی میل پھیلے اپنے کارکنوں کو بغیر کسی ظاہری واسطے کے پیغام دیتی ہے جو اس پیغام کو سننے کے بعد اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں جبکہ دیمک اندھی ہوتی ہے۔ پتنگوں کی سینکڑوں اقسام کئی فرلانگ سے اپنے نر و مادہ کی مخصوص آواز یا بو سونگھ لیتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ مانا جاتا ہے تو اس بات کے ماننے میں کیا مشکل ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیغام کو اپنے بندوں تک پہنچانے کے لئے ان سے بھی زیادہ مخفی طریقہ استعمال کرنے پر قادر ہے جسے وحی کہتے ہیں۔

وحی عالم الغیب سے تعلق رکھتی ہے۔ عالم الشہادہ پر ہم ایمان رکھتے ہیں اسی طرح عالم الغیب پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ کچھ عقل مند، صاحب دانش و بینش جو انہیں نظر آتا ہے اسے تو مانتے ہیں مگر جو ان کے خیال، تصور یا دید سے باہر ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سی غیبی اشیاء پر ان کا اندھا ایمان ہوتا ہے جس کا وہ انکار نہیں کر سکتے۔ مثلاً: عقل کو لیجئے۔ کیا اسے کسی نے آج تک دیکھا ہے مگر اس کے وجود کا انکار کوئی نہیں کرتا۔ روح جو ہمارے جسم میں دوڑتی پھرتی ہے سبھی جانتے ہیں مردہ اور زندہ میں فرق اسی روح کے ہونے یا نہ ہونے کا ہے۔ مگر کیا ہمارے ترقی یافتہ وسائل اس کی بازیافت کر سکے ہیں؟ عالم شہادہ کے علاوہ یہ عالم بھی ماننا پڑتا ہے جسے عالم الغیب کہتے ہیں۔ وحی کا تعلق بھی اسی عالم سے ہے۔

وحی کے سچ ہونے کے دلائل: وحی پر یہ اعتراض کیا گیا کہ آپ ﷺ پر وحی آنے کا کوئی امکان نہیں اور جو بھی آپ ﷺ نے وحی کے نام پر کہا وہ آپ ﷺ کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں تھیں (نعوذ باللہ)۔ یہ الزام و نظریہ بالکل غلط ہے جس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ پہلے نبی نہ تھے کہ جس پر وحی نازل ہوئی ہو۔ بلکہ آپ ﷺ انبیاء کے طویل سلسلے کی آخری کڑی تھے اگر پہلے انبیاء پر وحی آسکتی ہے تو آپ ﷺ پر کیوں نہیں آسکتی؟

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ..... ﴾ (ابراهيم : ٤) ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس قوم کی زبان میں ہی بھیجا تاکہ وہ انہیں وحی کی باتیں واضح کر دے۔

(۲) عرب نزول وحی کے منکر نہ تھے بلکہ یہ کہتے کہ قرآن آپ ﷺ کی بجائے کسی اور پر کیوں نہ اتارا گیا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝﴾(الزخرف:۳۱) اورانہوں نے کہا کہ یہ قرآن دو بستیوں کے کسی عظیم شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔

(۳) امکان وحی کی تیسری دلیل سچے خواب ہوا کرتے ہیں جو بارشاد نبوی نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔اگر یہ خواب تسلیم کئے جاسکتے ہیں تو وحی کو تسلیم کیا جانا چاہئے۔

(۴) امکان وحی کی دلیل خود قرآن پاک کا معجزہ ہونا ہے کیونکہ اس جیسی مثال کوئی بھی نہ لا سکا۔لہذا یہ ایک انسانی تخلیق نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے جو بذریعہ وحی نبی اکرم ﷺ کو دیا گیا۔

(۵) حضور ﷺ کی ذات اقدس کے مختلف پہلو بھی امکانات وحی پر دلالت کرتے ہیں۔آپ ﷺ نبوت سے پہلے پورے عرب معاشرے میں صادق وامین کے لقب سے معروف تھے۔آپ ﷺ سے اس قسم کی بات کی توقع کرنا بھی عبث ہے کہ آپ ﷺ نے از خود قرآن گھڑا ہو اور پھر (نعوذ باللہ) اسے اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہو۔آپ ﷺ نے جب کسی چھوٹی سے چھوٹی بات میں غلط بیانی سے کام نہیں لیا اور کبھی کسی کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کی تو آپ ﷺ کے بارے میں کسی بڑے اور اہم معاملے میں غلط بیانی کا گمان رکھنا بیوقوفی، جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

(۶) نبی کریم ﷺ نہایت شفیق اور نرم مزاج تھے جبکہ دوسری طرف آپ ﷺ اپنے مقصد میں اتنے مضبوط تھے کہ فرماتے **اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج بھی رکھ دو تو بھی میں پیچھے نہ ہٹوں گا**۔آپ ﷺ کا مقصد حصول دنیا یا تعیشات زندگی نہ تھا بلکہ آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے بھی دنیا کی خواہش نہ کی تھی۔اپنے مقصد میں اتنا مخلص اور مضبوط وہی شخص ہوسکتا ہے جس کی بنیاد کسی بہت بڑی حقیقت پر مبنی ہو۔وہ حقیقت وحی الٰہی کی صورت میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔

(۷) رسول کریم ﷺ تجارتی مقاصد کے علاوہ کبھی جزیرۃ العرب سے باہر گئے اور نہ ہی تجارتی سفر بذریعہ سمندر کیا جبکہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر سمندر کی ایسی باریک تفاصیل ملتی ہیں جو وحی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

(۸) نبی ﷺ نے وحی کی روشنی میں ایسی بستیوں کے حالات بتائے جن کو عرب جانتے تھے اور نہ ہی نبی ﷺ نے خود کبھی ان بستیوں کے آثار دیکھے تھے۔

﴿إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۝الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْأَوْتَادِ O ﴾(الفجر: ۷۔۱۰) ارم جو بلند ستونوں والے تھے جن کی مانند شہروں میں کوئی پیدا ہی نہیں کیا گیا اور ثمود جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشیں اور میخوں والا فرعون۔

آپ ﷺ تو کبھی ان بستیوں میں نہیں گئے پھر ان کی اتنی مکمل تصویر کشی کیسے ممکن ہوئی ؟ اس کا جواب وحی کے سوا کچھ نہیں۔

(۹) آپ ﷺ کی گفتگو اور وحی کے الفاظ میں بہت فرق تھا۔ قرآن اور حدیث اپنے انداز و بیان میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ قرآن کا اپنا منفرد اسلوب ہے جو نظم ہے نہ نثر۔ جبکہ احادیث کا اپنا اسلوب بیان۔

(۱۰) قرآن مجید میں "قــل" بیسیوں مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کلام نبی ﷺ کا اپنا نہیں بلکہ آپ ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے: ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ O اللّٰهُ الصَّمَدُ ﴾ (الاخلاص: ۱۔۲)

(۱۱) بیشتر مقامات پر قرآن کا اسلوب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ کلام نبی نہیں۔ مثلاً: سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ... ﴾ (الاحزاب: ۳۷) آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف نبی ﷺ پر وحی نازل ہوتی تھی بلکہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی مرضی یا خواہش کے خلاف بھی نازل ہو جاتی۔ یعنی وحی پر نبی ﷺ کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ تھا۔

(۱۲) واقعہ افک، ام المؤمنین، رسول اکرم اور صحابہ کرام کو ایک ماہ تک تڑپاتا و گرماتا رہا۔ غیب دان تو اللہ کی ذات تھی اس لئے آپ ﷺ کوئی حتمی فیصلہ نہ کر پائے اور نہ ہی آپ ﷺ وحی کے بغیر کچھ گھڑ کر اسے اللہ کی طرف منسوب کر سکتے تھے۔ ورنہ آپ ﷺ سیدہ عائشہؓ کے حق میں اس واقعہ کے آغاز میں ہی کوئی اعلان برأت کر دیتے اور تکلیف دہ کیفیت سے بچ جاتے لیکن اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ پر وحی ایک طویل وقفے کے بعد نازل ہوئی۔ اس دوران نبی ﷺ نے کسی قسم کی من گھڑت بات کا سہارا نہیں لیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خود بذریعہ وحی حقیقت واضح فرما دی۔ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا طویل انتظار ان پر نزول وحی کا ایک ثبوت تھا۔

(۱۳) قرآن میں جا بجا نبی ﷺ کو وحی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ﴾ (الأنعام: ۱۰۶) آپ پیروی کیجئے اس وحی کی جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے۔ گویا آپ ﷺ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بحیثیت انسان وحی کی پیروی کے پابند تھے۔

(۱۴) قرآن مجید میں ہے کہ نبی ﷺ ایک انسان تھے فرشتہ نہ تھے۔ اگر یہ نبی ﷺ کا کلام ہوتا تو کیا وہ اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش نہ کرتے۔ تو کیا آپ ﷺ نے ایسا کیا؟

﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ...﴾ (الکھف: ۱۱۰) کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا محض ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔

(۱۵) قرآن میں نہ صرف گزشتہ اقوام کے حالات وواقعات ہیں بلکہ کئی ایسی حقیقتوں کا ذکر بھی ہے جن سے اہل عرب بالکل نابلد تھے اور آج وہ ثابت شدہ ہیں۔ پھر بھی کلام الٰہی کی بجائے یہ انسانی تصنیف ہے؟۔

(۱۶) ہمارے دور میں انسان نے اپنی بات بہت تیزی اور مخفی انداز سے دوسرے تک پہنچانے کے آلات ایجاد کر لیے ہیں۔ جو ہزاروں میل دور بیٹھے چند سیکنڈ میں آواز وتحریر کو دوسرے تک بآسانی پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں الیکٹرانک ویڈیو میل وکانفرنس اور FAX وسیٹلائٹ کمیونیکیشن، جی پی ایس، سیٹلائٹ فونز وغیرہ کا کردار نمایاں ہے۔ کیا اللہ تعالی کے لئے اپنی بات تیزی سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ناممکن تھا۔ کہ جس کا بہت کم فہم صدیوں بعد انسان کو جا کر حاصل ہوا۔

(۱۷) وحی میں تضاد ملا اور نہ ہی آپ ﷺ کی گفتگو میں کہ جسے کسی نے آپ ﷺ کو باور کرایا ہو۔

(۱۸) اہل جاہلیت نے آپ ﷺ کو ساحر، کاہن، مجنون اور کذاب تک کہا۔ یہ تابڑ توڑ حملے آپ ﷺ کے خلاف ایک ایسا ماحول تیار کرنے کا حصہ تھے کہ کوئی بھی اسلام قبول نہ کر سکے۔ مگر کیا وہ کسی ایک الزام پر خود قائم رہ سکے یا انہیں اپنے الزام پر یقین تھا؟ نہیں! اس کے برعکس آپ ﷺ کو یقین تھا اور آنکھوں دیکھی نزول وحی کی کیفیات نے ایمان صحابہ کو عین الیقین دلا دیا تھا۔ مگر یہ نام اور پروپیگنڈے آپ کو اپنے مشن سے باز نہ رکھ سکے۔ نہ ہی صحابہ کرام کا ایمان کو متزلزل ہوا۔ کفار یہ بھی جانتے تھے کہ جو مجنون ہے اس کے کذاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جو کذاب ہے اس کا مجنون ہونا بھی ناممکن ہے۔

تجزیہ: وہ وحی جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ کی صورت میں اور سیدنا عیسیٰؑ پر انجیل کی صورت میں اتری ان کا کیا حال ہوا؟ کس نے بنو اسرائیل پر حملہ کیا؟ ان کے ہیکل کو مسمار کیا اور تورات کے اوراق تک پھاڑ ڈالے کچھ بھی محفوظ نہ رہا۔ پھر کیا غلامی سے نسلوں بعد نجات پانے کے بعد محض یادداشت سے کتاب تورات لکھ کر دعوی کرنا یہ اصل کتاب ہے؟ حدیث رسول ہی اس سے بھلی کہ جسے کم از کم صحابہ نے لکھ تو لیا۔ مزید براں تورات وانجیل میں اضافہ شدہ ایسی حکایات جو نزول تورات وانجیل کے بعد

پیش آئے بڑی مضحکہ خیز ہیں۔

تورات وانجیل کا حال: عیسائی سکالرز کی ایک ٹیم نے اپنی ایک نئی مشترکہ تحقیق میں:

The Five Gospels, What Did Jesus Really Say

جو مستند ارشادات عیسیٰ علیہ السلام پر مبنی ہے۔اس میں (ص:۶ اور ۱۱) میں لکھتے ہیں:

The Temporal gap that separates Jesus from the first surviving copies of the Gospels..about one hundred and seventy five years..corresponds to the lapse in time from 1776..the writing of the Declaration of Independence.. to 1950.

What if the oldest copies of the founding document dated only from 1950?

Two Portraits of Jesus

The Synoptic Gospels	The Gospel of John
Begins with John the Baptist or birth and chidhood stories.	Begins with Creation; no birth or childhood stories.
Jesus is baptised by John.	Baptism of Jesus presupposed but not mentioned.
Jesus speaks in parables and aphorisms.	Jesus speaks in long, involved discourses.
Jesus is a sage.	Jesus is a philosopher and mystic.
Jesus is an exorcist.	Jesus performs no exorcisms

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

God's imperial rule is the theme of Jesus teaching.	Jesus himself is the theme of his own teaching.
Jesus has little to say about himself.	Jesus reflects extensively on his own mission and reason.
Jesus espouses the causes of the poor and oppressed.	Jesus has little or nothing to say about the poor and oppressed.
The public ministry lasts one year.	The public ministry lasts three years.
The temple incident is late.	The temple incident is early.
Jesus eats last supper with his disciples.	Foot washing replaces last supper.

کتنا تضاد ہے ان دونوں انجیلوں کے بیانات میں!!!۔سیدنا عیسیٰؑ کی شخصیت کے یہ دورخ ہیں جو بائیبل پڑھنے والوں کے سامنے آتے ہیں۔کیا ایسی کوئی متضاد شے قرآن مجید کے بیانات میں ملتی ہے؟اس میں سیدنا عیسی علیہ السلام کی شخصیت کا ہر رخ بغیر کسی گنجلک کے انتہائی واضح ہے۔اللہ کا یہ کلام تحریف سے پاک ہے اور بائیبل مقدس اپنوں ہی کے ہاتھوں تبدیلی کا شکار ہوگئی جس کا اشارہ قرآن مجید پہلے سے ہی کر چکا ہے۔

قدیم الزام: غیر مسلم آج بھی اسی الزام کو دہراتے ہیں کہ غیر معمولی ذہین ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے غیر عرب عیسائی دوست سے معلومات لیں اور انہیں قرآن میں ڈھال کر پیش کر دیا۔سوال یہ ہے کہ وہ کون غیر عرب اسرائیلی تھا؟ جس کی غیر عربی حطایات کو سن کر اسے ایسی فصیح و بلیغ زبان میں ڈھال دیا کہ عرب کے فصیح و بلیغ خطباء بھی اس کا جواب دینے سے عاجز آ گئے؟ یہ سب غیر مطمئن تحقیقات ہیں۔قرآن مجید نے ایسے اعتراضات کا جواب اس وقت کی جاہلیت کو دے دیا تھا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَآ أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُونٍ ۝ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِۦ رَيْبَ الْمَنُونِ
۝ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّى مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۝ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۝
أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُۥ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِۦٓ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۝﴾ (الطور: ۲۹۔۳۴)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ نصیحت کرتے جایئے آپ اپنے رب کی انعام وکرم سے نہ کاہن ہیں نہ پاگل۔ کیا یہ کہہ رہے کہ ایک شاعر ہے جس کے گردش ایام کے ہم منتظر ہیں؟ ان سے کہئے تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کے جھوٹے خواب انہیں اس بات کا حکم دیتے ہیں یا وہ ہیں ہی سرکش لوگ؟ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو اس نے خود گھڑا ہے!! نہیں بلکہ یہ ماننا نہیں چاہتے۔ تو لے آئیں وہ اس جیسی کوئی بات اگر وہ سچوں میں سے ہیں۔

مستشرقین اور وحی : ڈاکٹر جارج پوسٹ نے قرآن مجید کی ایک ڈکشنری لکھی۔ جو بیروت میں ۱۸۹۴ء میں طبع ہوئی۔ اس میں انہوں نے وحی کی تعریف یہ لکھی ہے:

''وحی کا مطلب ہے کہ لکھنے والے کو کسی بات کا اس طرح الہام ہو کہ خدا کی روح اس میں حلول کر جائے اور وہ روحانی حقائق اور غیبی خبروں سے بخوبی آگاہ وآشنا ہو جائے۔ مگر اس وحی کے باوصف اس کی شخصیت بھی قائم رہے اور وہ اپنے اسلوب وانداز کے مطابق کام کرتا رہے۔''

یہ تعریف، قرآن مجید کی اس اصطلاحی تعریف سے مختلف ہے جو پہلے کی گئی ہے۔ قرآن مجید کو آپ ﷺ نے لکھا ہی نہیں۔ یہ تو آپ کے قلب اطہر پر نازل ہوا ہے۔ نیز یہ تعریف تو شعراء اور اور غلام احمد قادیانی کے دعووں میں ملتی ہے کہ خدا ان میں حلول کر جاتا ہے۔ اور اس کی مزید بدترین انواع واقسام جو شیطان کے زیر اثر ہو کر حاصل ہوتی ہیں وہ کاہنوں اور نجومیوں کے ہاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جو جھوٹے اور دجال لوگ ہیں وہ غیبی خبروں میں چکنی چپڑی باتیں لگانے کے عادی ہوتے ہیں اور اسی اسلوب وانداز سے کام کرنے میں غرق ہوتے ہیں۔ جب کہ وحی اللہ تعالی سے اخذ واستفادہ کی صورت ایسی ہے جو کشف والہام میں ممکن ہی نہیں۔

کشف والہام: کشف، یہ خالص صوفیانہ اصطلاح ہے۔ جس کا تعلق حسیات سے ہے۔ جس کا مطلب ہے کسی چیز یا واقعہ کو آنکھوں کے لئے کھول دینا۔ متاخرین نے اس کی دو قسمیں بنالی ہیں۔

۱۔ کشف القلوب: اس سے مراد کسی کے دل کا ارادہ ونیت دوسرے پر کھل جانا۔ صوفیاء اس کے قائل ہیں۔

۲۔ کشف القبور: اس سے مراد کسی کی قبر میں کیا ہو رہا ہے اور مردہ کس عالم میں ہے، اس کا انکشاف کسی بزرگ پر ہو جائے۔ اس کا دعوی بھی صوفیاء کرتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہر انسان کا وجدان اور اس کی قلبی واردات دوسرے سے مختلف ہے۔ نیز عقل بھی۔ ایک عقل مند کسی واقعہ سے جو نتیجہ نکال سکتا ہے اسے ایک غبی نہیں نکال سکتا۔ یہی حال وجدان کا ہے عقل، انسان کے میلانات، تصورات اور تجربات کو متعین کرتی ہے۔ اسی طرح صاحب کشف کے میلانات وتصورات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ کشف میں اصحاب کشف کا اتفاق ناممکن ہے۔ اس کی مثال چار اندھوں کا ہاتھی کوٹٹول کر یہ بتانا ہے کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ کشف کے یہ دعوے تو صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتے ہیں کہ وہ **علیم بذات الصدور** ہے اور **ولکن لا تشعرون** کہے۔ خدائی میں ضم ہونے اور **أنا الحق** جیسی گمراہ کن کیفیات اسی وجہ سے تو پیدا ہوتی ہیں۔ مگر اس قسم کے دعوے رسول اکرم ﷺ نے کئے اور نہ ہی آپ ﷺ کو زیبا تھے۔ یہود یہ نے آپ ﷺ کو زہر دیا مگر آپ ﷺ کے لئے اس کا کشف القلب نہ ہوسکا۔ منافق آتے آپ ﷺ ان کی دلی حالت نہ جان سکتے۔ اسی طرح میدان بقیع میں آپ ﷺ جاتے تو سب کے لئے دعائے مغفرت فرماتے مگر کسی کے لئے آپ ﷺ نے دعویٰ نہیں کیا کہ اس کی قبر ایسی ہے یا یہ اس عالم میں ہے۔ وغیرہ۔ الا یہ کہ فرشتہ آپ ﷺ کو بتا دے۔

الہام: اس کا تعلق وجدانیات سے ہے یعنی دل میں کوئی بات بغیر کسی چیز دکھائے ڈال دی جاتی ہے۔ یہ الہام جانوروں کو بھی حاصل ہے اور انسانوں میں مسلم وغیر مسلم کو بھی۔ جیسا کہ ہم اوپر وحی کے لغوی معنی میں پڑھ آئے ہیں۔ اس لئے بعض عیسائی حضرات بھی وحی، کشف اور الہام میں فرق کو جاننے کے بعد یہ ماننے پر مجبور ہوئے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ مگر آپ ﷺ کی رسالت نہ صرف اہل عرب کے لئے تھی بلکہ تمام دنیا کے لئے۔ یہودی بھی آپ ﷺ کی رسالت کا انکار اس وحی کی بنیاد پر نہیں کرتے تھے بلکہ وہ یہ کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کی رسالت امیوں کے لئے ہے۔ ہم تو خواندہ اور پڑھے لکھے اہل کتاب ہیں۔ لہذا اس رسالت کی ہمیں ضرورت نہیں۔

☆☆☆☆☆

وَلَقَدْ أَمُرُّ عَلَى اللَّئِيْمِ يَسُبُّنِىْ   فَمَضَيْتُ ثَمَّةَ قُلْتُ لاَ يَعْنِيْنِىْ

میں ایک لئیم کے پاس سے گذرا تو وہ مجھے گالی دینے لگا پھر میں وہاں سے ایسے نکل گیا کہ

میں نے اپنے آپ سے کہا: وہ مجھے نہیں کہہ رہا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

۱۔وحی کالغوی معنی کیا ہے؟ قرآن مجید میں یہ لفظ کن دوطریقوں پر مستعمل ہوا ہے۔ان کے متعدد معانی تفصیلا بیان کیجئے۔

۲۔ وحی کی زبان کیا ہوتی ہے؟ وضاحت کیجئے۔

۳۔وحی کے شرعی معنی جاننے کے بعد آج کے سیٹلائٹ دور میں کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وحی کی حقیقت کیا ہے؟

۴۔وحی کی صداقت کے کیا دلائل ہو سکتے ہیں۔ان کو بیان کیجئے۔کسی ایک دلیل کی تفصیلی وضاحت بھی کیجئے۔

۵۔توراۃ وانجیل اور قرآن مجید کے مابین اس فرق کو واضح کیجئے کہ موجودہ دور میں کون سی کتاب وحی کے مطابق ہے؟ بتایئے: مستشرقین نے وحی سے کیا مراد لی ہے؟

۶۔وحی کی مختلف صورتیں بیان کیجئے جو نبیؐ پر وحی کرتے وقت اختیار کی گئیں۔اپنی وضاحت کو قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے مدلل کیجئے۔نیز آپؐ پر وحی کی سخت ترین صورت کون سی تھی۔اسے بیان کیجئے۔

۷۔وحی کی کتنی اقسام ہیں؟ غیر متلو وحی کی متعدد اقسام کیا ہو سکتی ہیں بیان کیجئے۔

۸۔آپ ﷺ پر نزول وحی کی ابتداء کب ہوئی؟ پہلی اور آخری وحی کو احاطہ تحریر میں لایئے۔

۹۔کسی دو پر ایک شذرہ لکھئے:

نزول وحی کا دارومدار آپ ﷺ کی صوابدید پر تھا یا نہیں؟ کشف والہام تورات وانجیل کا حال

ہوم ورک

۱۔لفظ وحی کو کتب معاجم سے تلاش کیجئے۔اس لفظ کے جتنے اشتقاقات ہیں ان کے معانی کے ساتھ ان پر ایک نوٹ لکھئے۔

۲۔ان تمام آیات کو ترتیب سے لکھئے جو لفظ وحی یا اس کے مشتقات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔آیت کا نمبر، سورت کا نام بھی لکھئے۔

۳۔صرف ان احادیث کو جمع کیجئے جن میں نزول وحی کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔مدد کے لئے ذیل کی دو کتب سے فائدہ اٹھایئے۔

۱۔ مشکوۃ المصابیح از امام ولی الدین تبریزی ، ۲۔ سیرۃ النبی از سیرۃ ابن ہشام

باب:5

علم نزول قرآن

نزول کا مطلب بلندی سے نیچے اترنا، ہے۔اور تنزیل کا مطلب ہے بتدریج کسی شے کو اوپر سے نیچے اتارنا۔نزول قرآن کریم کے لئے یہ دونوں کلمات استعمال ہوئے ہیں۔نزول قرآن یا تنزیل قرآن کیوں ہوا؟اس کے کیا مقاصد تھے؟کون کون سے مراحل تھے؟ ان تمام باتوں کا علم،علم نزول قرآن کہلاتا ہے۔قرآن کریم کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ رب العالمین نے اسے بتدریج آپ ﷺ کے قلب مبارک پر بذریعہ جبریل امین اس لئے اتارا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی دعوت دیں۔

نزولِ قرآن کے مقاصد: متعدد آیات ہیں جو نزول قرآن کے مقاصد و مراحل کو واضح کرتی ہیں۔

☆......آپ ﷺ اللہ کے احکامات لوگوں تک کھول کھول کر پہنچا دیں اور انہیں متنبہ کر دیں:

﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ○ وَ إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ○﴾ (الشعراء ۱۹۲۔۱۹۶) اور بیشک یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔اس کو روح الامین نے آپ ﷺ کے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ متنبہ کرنے والوں میں سے ہوں۔واضح عربی زبان میں اور بلاشبہ اس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

☆...... انسانوں کو اچھے اور برے انجام سے متنبہ کیا جائے:

﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴾ (بنی اسرائیل:۹) یقیناً یہ قرآن اس منزل کی راہنما ہے جو انتہائی سیدھی ہے اور نیک عمل کرنے والے اہل ایمان کو خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر ہوگا اور بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

☆......متقی افراد کی راہنمائی کی جائے۔

﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ○﴾ (البقرہ: ۲) یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں،متقیوں کے لئے باعث ہدایت ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......محدود وقت، علاقے اور مخصوص قوموں کی بجائے قرآن مجید تمام بنی نوعِ انسان کے لئے بلا قید رنگ و نسل اور زمان و مکان نازل کیا جائے۔

﴿قُلْ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّى رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ...﴾ (الأعراف:۱۵۸) کہہ دیجئے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ...﴾ (سبا:۲۸) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور متنبہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

☆......گذشتہ الہامی کتب میں شریعت کے احکام وقتی اور علاقائی ضرورت کے تھے۔ قرآن نے آکر اس شریعت کو دائمی اور آفاقی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدہ:۳) آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

☆......گذشتہ کتب میں احکامات الٰہی ہونے کے باوجود ان پر عمل کرنا ممکن نہ رہا تھا کیونکہ ان میں تحریف کر دی گئی تھی۔ لہٰذا قرآن کو نازل کیا گیا جس میں بغیر کسی تحریف یا تبدیلی کے عمل کرنا آسان و ممکن رہے۔

﴿...... وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ ○ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ......﴾ (حمٓ السجدہ:۴۱۔۴۲)

بے شک یہ زبردست کتاب ہے باطل اس پر آگے اور پیچھے سے نہیں آ سکتا ہے۔

☆......یہود و نصاریٰ سے امامت چھین کر امت مسلمہ کو دی جا رہی تھی۔ اس لئے نبی آخر الزمان کو بنی اسرائیل کی بجائے بنی اسماعیل سے مبعوث کیا گیا۔ امامت کی مکمل منتقلی کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ ایک کتاب بھی نازل کر دی جائے۔

☆......نبی اکرم ﷺ آخری نبی کے طور پر آ رہے تھے۔ آپ ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ قیامت تک کے لئے رک جانا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ ایک کتاب بھی ایسی ہو جو قیامت تک ہدایت و راہنمائی کا کام دے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مراحل نزول قرآن

پہلا مرحلہ: نزول کے پہلے مرحلے میں قرآن مکمل طور پر لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ یہ مرحلہ کتنے عرصہ میں مکمل ہوا اور اس کی تاریخ کیا ہے؟ اس بارے میں قرآن وحدیث دونوں خاموش ہیں۔ یہ سب غیبی امور ہیں۔ جن کا مفہوم اولاً قلم کی پیدائش ہے اور پھر اسے حکم دینا ہے: لکھو! اس نے مَا کَانَ وَمَا یَکُون سب کچھ لکھ دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ لکھا کہاں ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ سب کچھ لکھا لوح محفوظ میں ہے۔ مثلاً:

﴿بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○﴾ (البروج:۲۱۔۲۲) بلکہ وہ قرآن مجید ہے اور لوح محفوظ میں ہے۔

اس لوح کے بارے میں ابن ابی العز الحنفی اپنی شرح عقیدہ طحاویہ ص: ۲۶۳ میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں ایک ہی دفعہ اکٹھا نازل کیا گیا۔ جبریل امین اسے لوح محفوظ سے نہیں لیتے تھے بلکہ اللہ تعالی سے اخذ کرتے اور سنتے تھے۔ اس نزول میں جبریل امین اور اللہ تعالی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَمَنْ قَالَ: إِنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ بَعْضِ الْمَخْلُوْقَاتِ كَاللَّوحِ وَالْهَوَاءِ فَهُوَ مُفْتَرٍ عَلَى اللّٰهِ، مُكَذِّبٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ، مُتَّبِعٌ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِينَ، أَلَا تَرَى أَنَّ اللّٰهَ فَرَّقَ بَيْنَ مَا نَزَلَ مِنْهُ وَمَا نَزَلَ مِنْ بَعْضِ الْمَخْلُوْقَاتِ كَالْمَطَرِ بِأَنْ قَالَ: ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ وَأَخْبَرَ أَنَّهُ نَزَّلَهُ مِنَ السَّمَاءِ، وَالْقُرْآنُ أَخْبَرَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْهُ: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ﴿تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ جو کہتا ہے کہ یہ قرآن بعض مخلوقات سے مثلاً لوح محفوظ یا ہوا سے اتارا گیا ہے تو یہ اللہ تعالی پر جھوٹ گھڑنا ہے، کتاب اللہ کو جھٹلانا ہے، ایسا شخص اہل ایمان کی روش سے ہٹا ہوا ہے۔ غور کیجئے اس فرق میں کہ اللہ تعالی نے جو اپنی طرف سے اتارا ہے اور جو بعض مخلوقات سے اتارا ہے۔ جیسے بارش کے اتارنے پر اس نے فرمایا: اس نے آسمان سے پانی اتارا۔ اس نے اطلاع دی کہ اسی نے پانی کو آسمان سے اتارا ہے۔ اور قرآن کے نزول کے بارے میں یوں آگاہ فرمایا: کہ وہ اس کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ کہہ دیجئے اسے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتارا ہے۔ اسی طرح: یہ عظیم کتاب، اللہ زبردست اور حکیم کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

اگر جبریل امین نے اسے اللہ تعالی سے نہ سنا ہوتا بلکہ اسے لکھا ہوا لوح محفوظ میں پایا ہوتا تو یہ عبارت پھر جبریل امین کی ہوتی اور کلام بھی کلام جبریل ہوتا۔ بس انہوں نے اللہ تعالی کی طرف سے اس کا ترجمہ کر دیا جیسا کہ ایک گونگے آدمی کا لکھا کوئی ترجمہ کر دیتا ہے اور اسے بولنے کا یارا نہیں ہوتا۔ یہ بات تو خلاف دین اسلام ہے۔ (مجموع فتاوی ۵۱۹/۱۲)

لوح محفوظ تو ایسی مخلوق ہے جہاں کسی کی رسائی ہی نہیں جو ساتویں آسمان میں ہے۔ اسے اللہ تعالی نے شب قدر کے کسی حصے میں آسمان دنیا کے بیت العزت میں اتارا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

فُصِلَ الْقُرْآنُ مِنَ الذِّكْرِ فَوُضِعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِي سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَجَعَلَ جِبْرِيْلُ عليه السلام يَنْزِلُهُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ويُرَتِّلُهُ تَرْتِيْلًا۔ قرآن پاک کو ذکر (لوح محفوظ) سے جدا کیا گیا پھر اسے آسمان دنیا کے بیت العزت میں رکھا گیا۔ پھر یہاں سے جبریل امین علیہ السلام نبی کریم ﷺ پر لے کر نازل ہوا کرتے۔ اور آپ کو ترتیل سے سناتے۔

یہ روایت مستدرک حاکم میں شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اس لئے غیبی امور (قرآن کو ذکر سے جدا) کے بارے میں بغیر دلیل کے انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ ظاہر ہے اس بات میں اجتہاد کی مجال نہیں۔ اس لئے اس روایت کا حکم مرفوع روایت کا ہے۔

۲۔ **نزول ثانی:** اس مرحلے میں پورے قرآن مجید کو لوح محفوظ سے ''آسمان دنیا'' میں موجود بیت العزت میں منتقل کیا گیا۔ اس بات کی دلیل سیدنا ابن عباسؓ کی ایک روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ دوسرا نزول شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے ایک مقام "بیت عزت" پر ہوا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝﴾ (الواقعہ: ۷۵۔۷۹) پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مواقع کی اور اگر تم سمجھو تو یہ قسم ہے بہت بڑی۔ بے شک قرآن ہے بلند پایہ، ایک محفوظ کتاب میں ثبت، جسے مطہرین کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن ایک ایسی جگہ لکھا ہوا ہے جو مکنون یعنی چھپی ہوئی ہے اور جہاں اسے مطہرین یعنی فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوسکتا۔ لیکن کیا یہ جگہ لوح محفوظ ہے؟ کیونکہ لوح محفوظ تک تو فرشتوں سمیت کسی مخلوق کی رسائی ہی نہیں۔ اس لئے یہ لوح محفوظ کے علاوہ اور کسی مقام کا ذکر ہے اور تاروں کے مواقع کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں آسمان دنیا مراد

ہے۔اور ماہ رمضان کی مبارک شب قدر میں اسے بیک وقت اتارا گیا ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ أَنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ مِنَ اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ لَيْلَةَ الْقَدْرِ--عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ--جُمْلَةً وَّاحِدَةً، فَوَضَعَ فِي بَيْتِ الْعِزَّةِ فِيْ سَمَاءِ الدُّنْيَا، ثُمَّ كَانَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ بِهِ نَجْمًا نَجْمًا فِي الْاَوَامِرِ وَالنَّوَاهِيْ وَالْاَسْبَابِ، وَذٰلِكَ فِيْ عِشْرِيْنَ سَنَةً ۔(تفسیر القرطبی ۲/۲۹۷) کوئی اختلاف نہیں یعنی اجماع ہے کہ قرآن کریم لوح محفوظ سے شب قدر میں یکبارگی اتارا گیا۔۔جیسا کے ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔۔پھر اسے آسمان دنیا کے بیت العزت میں رکھا گیا بعد میں جبریل امین اس سے تھوڑا تھوڑا کر کے اوامر ونواہی اور اسباب لے کر نازل ہوا کرتے۔اور یہ بیس سال میں سب کچھ ہوا۔

بیت عزت میں نزول قرآن کی حکمتیں: قرآن مجید کو بیت عزت میں اتارنے کی بظاہر حکمت یہ نظر آتی ہے کہ:

۱۔لوح محفوظ سے بیت العزت میں اسے نازل فرما کر اللہ تعالی نے فرشتوں کو باور کرایا کہ میں ہی علام الغیوب ہوں۔جس سے کوئی شے چھپی نہیں۔کیونکہ اس قرآن میں کچھ ایسی چیزوں کا ذکر بھی تھا جو ابھی واقع نہیں ہوئی تھیں۔

۲۔ختم المرسلین ﷺ کا مقام وفضیلت بیان کر دی جائے۔نیز امت محمد ﷺ کی تکریم وتعظیم بھی باور کرائی جائے۔اس نزول کا اعلان عام فرشتوں میں کیا گیا کہ یہ آخری کتاب ہے اور جسے خاتم المرسلین پر ان کی امت وسط کے لئے نازل کیا جا رہا ہے۔اللہ تعالی اس امت کی تعریف کر رہا ہے کہ میری ان پر ایک خاص رحمت یہ بھی ہے۔اسی معنی میں معجم کبیر از امام طبرانیؒ حدیث نمبر ۱۲۹۳۰ میں ہے سورۃ الأنعام جب آپ ﷺ پر اتری تو ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تھے۔اللہ تعالی نے جبریل امین کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ اس قرآن کی املاء فرشتوں کی معزز اور نیک جماعت کو کرائیں جسے وہ لکھیں اور اس کی تلاوت بھی کریں۔

۳۔کتاب کو یکبارگی اتارنے میں آپ ﷺ اور موسیٰ کے درمیان برابری ہو جائے۔مگر فضیلت محمد ﷺ بھی بیان کر دی جائے کہ ان پر یہ قرآن بتدریج اتارا جائے گا تاکہ وہ اسے اچھی طرح حفظ کر سکیں۔

۳۔ نزول ثالث: اس نزول کیلئے قرآن مجید میں لفظ تنزیل استعمال ہوا ہے۔جس کے معنی ہیں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا۔ جبکہ انزال کے معنی کسی چیز کو ایک ہی دفعہ نازل کر دینا۔قرآن مجید میں لفظ انزال جہاں استعمال ہوا ہے اس سے مراد عموماً وہ نزول ہے جو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف ہوا۔اور تنزیل سے مراد وہ نزول جو آسمان دنیا سے آپ ﷺ پر بتدریج ہوا۔اس تیسرے مرحلے میں سیدنا جبریلؑ نے آسمان دنیا سے قرآن کو نبی ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کیا۔پہلے دونوں مرحلوں کی نسبت

اس مرحلے میں قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔عربی اصطلاح میں اسے "مُـنَـجَّـم" بھی کہتے ہیں۔آیات کو بھی نجم کہا گیا ہے۔اس میں کوئی لفظ بھی خواب، الہام یا بلا واسطہ کلام سے نازل نہیں ہوا۔صرف جبریلؑ امین ہی واسطہ تھے۔

نزول قرآن کے اس مرحلے کا آغاز صحیح روایات کے مطابق رمضان میں اس وقت ہوا جب نبی اکرم ﷺ کی عمر چالیس برس تھی۔ جس رات اس نزول کا آغاز ہوا وہ شب قدر تھی۔لیکن رمضان کی کون سی یہ رات تھی؟ اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی۔متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رمضان کی سترہویں، اکیسویں اور ستائیسویں شب میں سے کوئی شب ہوسکتی ہے۔امام طبریؒ نے ﴿...وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ... ﴾ (الانفال:۴۱) سے استدلال لیا ہے کہ یوم بدر سترہ رمضان کو تھا۔دوسروں نے ستائیس شب کی روایت جو لیلۃ القدر کے بارے میں ہے اس سے استدلال لیا ہے۔قرآن کریم کے بتدریج، نازل ہونے کے بارے میں واضح آیات بھی موجود ہیں۔

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۶) اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا کہ آپ بھی ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

قرآن کے مرحلہ وار نزول کی وجوہات: قرآن کو مختلف مراحل میں نازل کرنے کی کئی وجوہات ہیں۔جو

۱۔جبرائیل علیہ السلام نے اذن الٰہی سے یہ قرآن آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل کرنا تھا۔ان کی رسائی لوح محفوظ تک نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کو آسمان دنیا پر نازل کیا گیا۔

۲۔قرآن کی عظمت کا تقاضا تھا کہ اسے یک بارگی نازل کرنے کے بجائے مختلف مراحل میں نازل کیا جائے۔

۳۔ مرحلہ وار اتارنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

۴۔ قرآن کو آسمان دنیا پر نازل کر کے ملائکہ اور دیگر مخلوق کو بھی اس بات کا گواہ بنایا گیا کہ قرآن وہ آخری کتاب ہے جو آخری رسول اور آخری امت کے لئے نازل کی جارہی ہے۔

نزول ثالث کی مدت: اس تیسرے مرحلے کی مدت کے بارے میں تین اقوال پائے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلی رائے کے مطابق قرآن کریم بیس برس میں نازل ہوا۔یعنی دس برس مکہ میں اور دس برس مدینہ میں۔یہ گروہ سیدنا

ابن عباسؓ کے ایک قول کو بنیاد بناتا ہے اور فترۃ الوحی کو مدت نزول میں شامل نہیں کرتا۔

۲۔ ایک اور رائے ہے کہ قرآن مجید پچیس برس میں نازل ہوا۔ یہ لوگ مکی دور پندرہ سال پر جبکہ مدنی دور دس سال پر محیط بتاتے ہیں۔ان کے پاس اپنی اس رائے کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔

۳۔ تیسری رائے کے مطابق نزول کا یہ مرحلہ تیئس برس رہا ہے اس میں تیرہ سالہ مکی اور دس سالہ مدنی دور شامل ہے۔ یہ گروہ بھی سیدنا ابن عباسؓ کے ایک قول کو بنیاد بناتا ہے: جب آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔ آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ برس گزارے پھر ہجرت کا حکم ہوا اور عمر عزیز کے باقی دس برس آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں گذارے اور وہیں وفات پائی۔اس گروہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تاریخ اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو چالیس برس کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور تریسٹھ برس کی عمر میں آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔اس طرح کل مدت نزول تیئس برس بنتی ہے۔

مندرجہ بالا آراء میں راجح رائے تیسرے گروہ کی ہے کیونکہ اس کے دلائل زیادہ مضبوط ہیں۔ جہاں تک سیدنا ابن عباسؓ کے اقوال کا تعلق ہے تو ان کا وہ قول جس کے مطابق قرآن تیئس برس میں نازل ہوا زیادہ قابل ترجیح ہے کیونکہ اسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔ جبکہ دوسرا قول جس کے مطابق مدت تنزیل ثالث بیس برس ہے یہ دوسرے راویوں کا روایت کردہ ہے اس لئے امام بخاریؒ کی روایت پر اسے ترجیح نہیں دی جاسکتی۔

سیدنا ابن عباسؓ کے اختلافی اقوال کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ تین سال قبل از ہجرت پیدا ہوئے جس کی وجہ سے وہ تاریخ کا صحیح تعین نہیں کر سکے۔ یا انہوں نے ایک قول میں فترۃ الوحی کو شمار کیا اور دوسرے میں نہیں کیا۔

قرآن کے منجماً نزول کی حکمتیں : قرآن کریم کا تدریجی نزول بے شمار فوائد و اسرار پر مشتمل ہے۔اگر اس تدریجی نزول میں کوئی حکمت و مصلحت نہ ہوتی تو دیگر کتب مقدسہ کی طرح اس کو بھی دفعۃً نازل کر دیا جاتا مگر حکمت ربانی یہ چاہتی تھی کہ قرآن کریم، دیگر کتب سے ممتاز رہے اس لئے قرآن کو اولاً پہلے آسمان پر دفعۃً نازل کیا اور پھر وہاں سے بالاً قساط تدریجاً اتارا گیا۔اس طرح قرآن مجید کو دونوں اوصاف (دفعتاً اور تدریجاً) سے متصف کر کے اسے دیگر کتب مقدسہ کے مقابلہ میں اعلیٰ و اولیٰ مقام عطا کر دیا۔مزید حکمتیں درج ذیل ہیں۔

اطمینانِ قلب: نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ کے دوران انتہائی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا۔ جبرائیل علیہ السلام کا بار بار قرآن لے کر

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

آنا ان اذیتوں کو آسان بنا دیتا تھا جو آپ ﷺ تبلیغ دین کی راہ میں سہ رہے تھے۔ ان کی آمد و رفت آپ ﷺ کے لئے تقویت قلب کا باعث بنتی۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب سے اہل مکہ نے شکوہ کیا تو ابو طالب نے آپ ﷺ سے کہا: بھتیجے! تمہارے چچا زاد شکوہ کناں ہیں کہ تم ان کی مجالس و معبدوں میں آ آ کر انہیں اذیت دیتے ہو؟ اب اس سے باز آ جاؤ۔ آپ ﷺ نے یہ سنتے ہی آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا:

مَا أَنَا بِأَقْدَرٍ عَلَى أَنْ أَدَعَ لَكُمْ ذَلِكَ عَلَى أَنْ تُشْعِلُوْا لِيْ مِنْهَا شُعْلَةً ۔ میں اتنی بھی جرات نہیں کر سکتا کہ تمہارے لئے اس مشن کو اس شرط پر ترک کر دوں کہ تم میرے لئے سورج سے ایک جگمگاتا شعلہ لے آؤ۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۹۲)

سورج ہاتھ پر رکھنے والی حدیث شیخ البانیؒ نے سنداً غیر ثابت بتائی ہے۔ اگر قرآن لکھا ہوا ایک کتاب کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کو دے دیا جاتا تو مشکل حالات میں صرف اسے پڑھ لینے سے کبھی تسکین نہ ہوتی جو اس وقت نزول وحی سے ہوتی تھی۔ اس حکمت کو قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا۔

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا ﴾ (الفرقان: ۳۲) جن لوگوں نے کفر کیا کہا: کیوں نہ قرآن کو ایک ہی دفعہ نازل کر دیا گیا اسی طرح اس لئے تاکہ ہم اس کے ذریعے تمہارے دل کو مضبوط کر دیں۔

بشر ہونے کے ناطے انبیاء کے پہلو میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ انہیں بھی دوسرے انسانوں کے طرح خوف و حزن اور رنج و ملال سے یا فرحت و غم سے اور ہنسنے اور رونے کے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ انہیں بھی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ان کا ہمدرد ہو جو انہیں تسلی دے اور ثابت قدم رہنے کی نصیحت کرے۔ اس لئے جو اذیت و تکلیف آپ ﷺ کو پہنچتی تو سابقہ انبیاء کی مثالیں دے کر اس سخت اذیت و تکلیف میں آپ ﷺ کا حوصلہ بڑھایا جاتا اور آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی کہ اس راہ کے مسافر صرف آپ نہیں بلکہ اور بھی تھے۔ صبر و رضا کا پیکر جس طرح وہ بنے آپ ﷺ بھی بنئے۔ بدخواہوں کے مکر و فریب اور حزن و تنگ دلی سے نکالا اور کہا کہ ہم ان کی چالیں الٹی انہی پر پھیر دیں گے۔ تثبیت قلب میں یہ بشارت بھی کم نہیں تھی کہ ہم آپ کو ان کی سازشوں اور مکاریوں سے بچائیں گے۔

اس کے ذرائع : وقوع حادثہ کے وقت قرآن کا نازل ہونا آپ ﷺ کے دل کی تقویت کا موجب بنتا۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کہ جس ہستی پر قرآن اتارا جارہا ہے اللہ کے یہاں اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہے۔ پھر بار بار فرشتے کا آنا اور عہد بہ عہد تازہ قرآن کا نزول اس حد تک موجب مسرت ہے کہ الفاظ اس کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔ آپ ﷺ کی تقویت قلب کے لئے جو ذرائع قرآن کے نزول کے لئے ثابت ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ آیات کا دوبار نزول: تثبیتِ قلب رسول ﷺ کا ایک منفرد ذریعہ یہ بھی تھا کہ پہلے سے نازل شدہ آیات کو دوبارہ دہرایا جاتا تھا اور ان کے ذریعے سے نبی اکرم ﷺ کے دل کو مضبوط کیا جاتا تھا۔ مثلاً: معوذتین کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں جبکہ دوسری رائے کے مطابق مدنی ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ یہ سورتیں ابتداء مکہ میں اس وقت نازل ہوئیں جب وہاں مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔ بعد میں جب مدینہ میں مخالفت کے ہوشربا طوفان اٹھے تو پھر آپ ﷺ کو یہ سورتیں دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ پھر جب آپ ﷺ پر جادو ہوا تو حکم الٰہی سے جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کو دونوں سورتیں پڑھنے کی تلقین کی۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوتا کہ یہ آیات لکھوائی جا چکی ہیں تو انہیں دوبارہ نہ لکھوایا جاتا۔

۲۔ بدخواہوں کا علاج: کبھی دشمن کی ناکامی، ان کے برے انجام کی خبر وغیرہ دے کر نبی اکرم ﷺ کی ڈھارس بندھائی جاتی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ دشمن کی دھمکیوں اور وقتی نقصانات کو خاطر میں نہ لاتے۔ مثلاً: جب آپ ﷺ کے صاحبزادوں کا انتقال ہوا تو کفار مکہ میں عاص بن وائل اور ابولہب نے انتہائی جلی کٹی باتیں کیں کہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی جڑ کٹ گئی ہے۔ یہ صورت حال نبی اکرم ﷺ کے لئے بہت تکلیف دہ تھی کیونکہ ایک طرف تو آپ ﷺ پر بیٹوں کی وفات کی وجہ سے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا جبکہ آپ ﷺ کے چند مٹھی بھر ساتھی بھی بے یار و مددگار تھے اور دوسری طرف آپ ﷺ کو یہ خوشخبری دی گئی:

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝﴾ (الکوثر:۳) بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

ایک اور جگہ پر یہ خبر آپ ﷺ کو ان الفاظ میں دی گئی:

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝﴾ (الفتح:۲۲) اور اگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تم سے لڑیں گے تو یقیناً پشت پھیر لیں گے پھر وہ کوئی دوست اور مددگار نہ پائیں گے۔

۳۔ دفاعِ رسول ﷺ: کفار اور قریش اکثر نبی اکرم ﷺ پر الزامات لگاتے؛ شاعر، مجنون، جادوگر اور کاہن کہہ کر پکارتے تھے۔ ان حالات میں وحی کے ذریعے آپ ﷺ کا دفاع کیا جاتا اور آپ ﷺ کو ان الزامات سے بری قرار دیا جاتا۔ مثلاً:

© AL-HUDA INTERNATIONAL E-LEARNING FOUNDATION

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ○﴾ (الحاقة: ٤٠-٤٣) یقیناً یہ ایک معزز رسول کا قول ہے، یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، کم ہی ہو جو تم ایمان لاتے ہو اور نہ ہی کسی کاہن کی بات ہے، تھوڑے ہو جو تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کی طرف سے بتدریج نازل شدہ ہے۔

۴۔ حفاظت رسول ﷺ: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کا جو ذمہ لیا تھا وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی کرائی جاتی تا کہ آپ ﷺ کے اندر استقلال و بہادری اور جرأت و ہمت کا جذبہ مزید ابھرے۔ مثلاً:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ○﴾ (المائدہ: ٦٧) اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ أَوْ يَقْتُلُوْكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ...﴾ (الانفال: ٣٠) جب آپ کے بارے کفار یہ تدبیر سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو خارج از وطن کر دیں۔ وہ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

۵۔ وعدہ نصرت: رسول ﷺ اور اصحاب رسول کو تسلی دینے کی غرض سے درپیش مسائل میں مدد اور غلبہ دیئے جانے کا وعدہ کیا جاتا اور ساتھ ہی آئندہ فتح کا یقین بھی دلایا جاتا تھا۔ مثلاً:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ ○﴾ (الصّٰفّٰت: ١٧١-١٧٣) اور یقیناً ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً وہ مدد کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب و برتر ہو کر رہے گا۔

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾ (الروم: ٤٧) مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ حق ہے۔

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ .... نَصْرًا عَزِيْزًا ○﴾ (الفتح: ١-٣) یقیناً اے نبی! ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے...... اور اللہ آپ کو ایک زبردست مدد دے گا۔

درجہ بالا آیات آپ ﷺ کو مستقبل کے الٰہی منصوبے پر کس قدر حوصلہ دلاتی ہوں گی۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

٦۔گذشتہ انبیاء کے حالات: گذشتہ انبیاء نے دعوت وتبلیغ کی راہ میں جو مشکلات اٹھائیں ان کے واقعات بیان کرکے بھی نبی اکرم ﷺ کے دل کو مضبوط کیا جاتا: ﴿**فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ...**﴾ (الأحقاف:٣٥) آپ اس طرح ثابت قدم رہیے جس طرح کہ اولوالعزم پیغمبر ثابت قدم رہے۔

ان اقوام کا انجام بھی یاد دلایا جاتا جو اپنے انبیاء کو جھٹلانے کے بعد قہر الٰہی کا شکار ہوکر تباہ وبرباد ہوگئیں اور یہ بھی بتایا جاتا کہ سنت اللہ یہی رہی ہے۔

﴿**كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ**۝﴾ (ھود: ١٢٠) اور (اے نبیؐ) یہ پیغمبروں کے قصے جو آپ کو سناتے ہیں ان کے ذریعے ہم آپ ﷺ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔

٧۔حفظِ قرآن پر قادر ہونا: قرآن کو منجماً نازل کرنے کی ایک حکمت حفظ قرآن میں آسانی پیدا کرنا تھی کیوں کہ آپ ﷺ امی تھے اس لئے آپ ﷺ کے لئے یہ آسانی پیدا کردی گئی کہ نزول قرآن بتدریج ہوا تاکہ اس کے حفظ وفہم میں اور تعلیم وتبلیغ میں آسانی ہو۔اور مختلف اوقات میں نازل ہونے والے چھوٹے چھوٹے حصوں کو یاد کرنا بہت آسان ہو۔اگر سارا قرآن اکٹھا نازل کردیا جاتا تو یقیناً اس کے حفظ میں دشواری ہوتی۔

﴿**لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ**۝ **إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ**۝﴾ (القیامہ:١٦،١٧) اس وحی کو جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے اس کو یاد کرانا اور اس کو پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔﴿**سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى**﴾ (الاعلیٰ:٦) عنقریب ہم پڑھا دیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

بعض علماء کے ہاں اطمینان قلب سے مراد آپ ﷺ کے سینہ میں قرآن کو محفوظ کردینا ہے کیونکہ آپ ﷺ امی ہونے کے باعث لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے اس لئے قرآن کو تدریجاً نازل کیا تاکہ دل میں بٹھانے کے بعد اس پر عمل اور دعوت عمل دونوں آسان ہوجائیں۔جبکہ دیگر انبیاء پڑھے لکھے ہوتے تھے،اس لئے بیک وقت ان کے لئے کتاب نازل کردی گئی۔محدث ابن فورکؒ لکھتے ہیں:

تورات بیک وقت اس لئے اتاری گئی کہ وہ سیدنا موسیٰ پر نازل ہوئی تھی جو پڑھے لکھے تھے اور قرآن کو تدریجی طور پر غیر مکتوب صورت میں اس لئے نازل کیا گیا کہ آپ ﷺ نبی امی تھے۔(الاتقان ١/١٧)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۸۔احکام شریعت میں تدریج: عرب اپنی بری عادات واخلاق اور غیر انسانی کاموں میں اتنا آگے بڑھ چکے تھے اور اس قدر پختہ ہو چکے تھے کہ انہیں ایک دم سے روکنا ممکن نہ تھا۔شرک جیسی عظیم گمراہی میں اہل عرب مبتلا تھے آخرت کے بارے میں ان کا عقیدہ انتہائی گمراہ کن تھا۔ان کا خیال تھا اگر اللہ تعالی نے بالفرض ان کے اعمال کے بارے میں ان سے جواب طلب کیا تو ان کے بنائے ہوئے شریک سزا سے بچالیں گے۔انہی باطل تصورات کی بیخ کنی کے لئے اولاً بنیادی عقائد یعنی عقیدہ توحید وآخرت پرزور دیا گیا پھر احکامات نازل ہوئے۔اس حکمت کا اندازہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد سے ہوتا ہے۔

> سب سے پہلے جنت وجہنم کی آیات نازل ہوئیں جب لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو حلال وحرام کے مسائل واحکام نازل ہوئے۔اگر چھوٹتے ہی یہ حکم نازل کر دیا جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم تو کبھی شراب نہ چھوڑیں۔اور اگر حکم ہوتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم سے زنا ترک نہیں ہوسکتا۔(صحیح بخاری ۱/ ۱۸۵)

علامہ مکی بن اُبی طالب قیسی (م ۴۳۷ھ) کہتے ہیں:

> اگر قرآن بیک وقت نازل ہوتا تو اس میں بہت سے احکام ومناہی ہوتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے۔(الاتقان ۱/۴۳)

بذریعہ وحی ایک حکم آتا۔جب لوگ اس حکم پر عمل کے لئے تیار ہو جاتے تو پھر دوسرا حکم نازل کر دیا جاتا۔اسے تدریج کہتے ہیں۔

تدریج کی مثال: احکام شریعت میں تدریج کی سب سے اہم مثال شراب کی حرمت ہے جو تین مراحل میں ہوئی۔لیکن ان سے قبل غیر محسوس طریقے سے شراب سے متنفر کرنے کی کوشش کی گئی۔مثلاً:

> ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا.﴾ (النحل: ٦٧)
>
> اور کھجور وانگور کے درختوں کے پھلوں سے تم شراب بنا لیتے ہو اور عمدہ روزی بھی۔

سب سے پہلے ارشاد ہوا: ﴿يَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا...﴾ (البقرة: ٢١٩) وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور منافع ہے لوگوں کے لئے اور ان دونوں کا گناہ ان دونوں کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔

دوسرے مرحلے میں جزوی حرمت ہوئی اور ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ...﴾ (النساء:۴۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ یہاں تک کہ تم وہ جاننے لگ جاؤ جو تم کہتے ہو۔

سب سے آخری مرحلے میں قطعی حرمت کے ضمن میں ارشاد ہوا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝﴾ (المائدہ: ۹۰) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بے شک شراب اور جوا، بت اور پانسے گندگی ہیں، شیطان کے اعمال میں سے ہیں۔ پس ان سے بچو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

تدریج میں وحی جہاں رسول اللہ ﷺ کے احوال سے مطابقت کرتی رہی وہاں وحی مسلمانوں کے حالات کے ساتھ بھی ہم آہنگ رہی اور یوں اس کی پوشیدہ حکمتیں عیاں ہوئیں۔ مزید مرحلہ تدریج کو بھی تربیت فرد و قوم کا ایک آفاقی اصول مان لیا گیا۔

۹۔ رسول اکرم ﷺ پر رحمت و شفقت: قرآن کا تدریجی نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر خاص رحمت و شفقت کی علامت ہے کیونکہ اگر ایک دم سب کچھ بتا دیا جاتا کہ یہ چیزیں حلال ہیں اور یہ حرام۔ قوم سے یہ کام کروانے ہیں۔ فلاں وقت آپ ﷺ کو یہ مشکلات پیش آئیں گی۔ یہ سوالات آپ ﷺ سے پوچھے جائیں گے وغیرہ۔ تو آپ ﷺ خود مشکل میں پڑ جاتے لہذا قرآن کو تدریجاً نازل کیا گیا تاکہ آپ ﷺ پر رحمت و شفقت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿طٰهٰ ۝ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝﴾ (طٰہٰ:۱۔۲) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشکل میں پڑ جائیں۔

۱۰۔ مشکلات اور ان کا حل: قرآن رفتہ رفتہ نازل ہو کر رسول اکرم ﷺ اور اہل ایمان کی تعلیم و تربیت اور مشکلات میں رہنمائی کرتا رہا۔ مثلاً غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کے بارے میں ہدایات دی گئیں:

﴿مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ تُرِیۡدُوۡنَ عَرَضَ الدُّنۡیَا وَاللّٰهُ یُرِیۡدُ الۡاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۝﴾ (الأنفال: ٦٧) کسی نبی کے لئے یہ روا نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ خوب زمین میں خون بہائے۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

غزوہ حنین کے موقع پر مسلمانوں کو اپنی کثرت تعداد پر بہت ناز تھا اور ان کا خیال تھا کہ وہ طاقت اور تعداد کے بل بوتے پر فتح

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حاصل کرلیں گے لیکن انہیں وقتی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اس پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝﴾ (التوبہ:۲۵) اللہ تمہاری بہت سے مواقع پر مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن بھی جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو رہا تھا مگر وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہوگئی تھی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

عہد نبوی ﷺ میں ایک منافق نے زرّہ چوری کر کے ایک یہودی کے گھر چھپا دی اور اس پر چوری کا الزام لگا دیا۔قریب تھا کہ نبی اکرم ﷺ یہودی کے خلاف فیصلہ دے دیتے لیکن بروقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی رہنمائی کی اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ ؕ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِن شَيْءٍ ۚ وَأَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝﴾ (النساء:۱۱۳) اے نبی! اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کر رہے تھے اور وہ آپ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے۔اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

نبی اکرم ﷺ بہترین صفات کے حامل ہونے کے باوجود بشر تھے۔کچھ دنیاوی معاملات میں آپ ﷺ سے غلطی ہو جانے کا امکان بہرحال موجود تھا۔آپ ﷺ کے اعلیٰ وارفع مقام کی وجہ سے چھوٹے سے چھوٹے قصور کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔لہٰذا فوراً آپ ﷺ کو تنبیہ کر دی جاتی تھی۔مثلاً: نبی اکرم ﷺ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا۔جس پر ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ... ﴾ (التحریم: ۱) اے نبی آپ نے وہ حرام کیوں کیا جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا تھا۔

☆......ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ سردارانِ قریش کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ صحابی ابن مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے جو نابینا تھے۔نبی ﷺ کو اس موقع پر ان کی مداخلت پسند نہ آئی۔اس پر فوراً ارشاد باری ہوا:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى ۝ أَن جَاءَهُ الْأَعْمٰى ۝﴾ (عبس ۱-۲) ناراض ہوا اور اس نے منہ موڑا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔

☆...... کفار و یہود نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے سچ ہونے کا امتحان لینے کی غرض سے آپ ﷺ سے وقتاً فوقتاً سوالات پوچھتے رہتے تھے۔ جن کا تعلق کبھی ماضی، کبھی حال اور کبھی مستقبل سے ہوتا تھا۔ جن کا جواب دینا وحی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ مثلاً انہوں نے دریافت کیا:

روح کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیا ہے؟ چند نوجوانوں کا کیا ہوا جو کچھ عرصہ کے لئے گم ہو گئے تھے؟ وہ کون تھا جو زمین کے مشرق و مغرب پہنچ گیا تھا؟ خاندان یعقوب کس طرح مصر پہنچا؟ وغیرہ۔ ان کا جواب مختلف سورتوں میں دے دیا گیا۔ یہ قصے بنی اسرائیل کی تاریخ سے متعلق تھے اور عربوں میں غیر معروف تھے۔ ان قصوں کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ واضح ہو جائے کہ نبی ﷺ کے پاس کوئی غیبی ذریعہ علم ہے یا نہیں۔ اس لئے سورہ یوسف و کہف نازل ہوئیں۔

☆...... لوگ آپ ﷺ کے پاس آ کر موجودات اور مشاہدات سے متعلق سوالات کرتے جن کا جواب سوال ذکر کر کے دیا جاتا: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ..﴾(البقرة:٢١٩) ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ..﴾ (البقرة:٢١٥) ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ...﴾(البقرة:٢٢٢)﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ..﴾ (البقرة:٢١٧)﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ...﴾(البقرة:١٨٩) وغیرہ۔

☆...... وحی میں مسلمانوں کو آگاہ کیا جاتا کہ کفار کے مکر و شر سے ہوشیار رہیں اور اپنا بچاؤ بھی کرتے رہیں۔ اہل کتاب یا لادین لوگ جو اسلام، قرآن اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنے مکر و فریب اور شبہات کے جال پھیلاتے ان سے بھی آگاہ کیا جاتا اور ان کی تردید بھی اس عرصے میں ہو جاتی۔ مشکل کا فوری حل بھی وحی نازل کر کے پیش کر دیا جاتا۔ مثلاً ظہار اور لعان وغیرہ کے احکام ایسے ہی حالات میں نازل ہوئے۔

مقدار نزول: مختلف حالات و واقعات کے پیش نظر کبھی پوری سورت نازل ہوئی تو کبھی چند آیات اور کبھی آیات کا بھی کچھ حصہ۔ جنہیں علماء نے اس طرح تقسیم کیا ہے:

۱۔ آیات ۲۔ قصار سورتیں ۳۔ طوال سورتیں

......حسب ضرورت آیات کبھی پانچ یا اس سے زیادہ نازل ہوتیں۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں ہمیں صبح و شام آپ ﷺ پانچ پانچ آیات سکھاتے اور ہم سے آپ ﷺ ارشاد فرماتے کہ جبریلؑ پانچ پانچ آیات لے کر ہی نازل ہوئے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

......ایک وقت میں مکمل نازل ہونے والی سورتوں میں سورۃ الضحیٰ، الکوثر، الفلق، الاخلاص، الفاتحہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان چھوٹی (قصار) سورتوں کے علاوہ بڑی (طوال) سورتوں میں سے سورۃ الأنعام ایک وقت میں بغیر کسی وقفے کے نازل ہوئی۔

......متفرق آیات میں سے سورہ علق کی پہلی پانچ آیات، سورہ نور کی دس آیات اور سورہ مؤمنون کی پہلی گیارہ آیات ایک دفعہ میں نازل ہوئی۔

......بعض اوقات ایک آیت کا نزول ہوا۔ مثلاً:

﴿ ...وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِن فَضْلِهِ إِن شَاءَ.. ﴾ (التوبہ: ٢٨) اگر تمہیں مفلسی کا ڈر ہے تو اللہ نے چاہا تو اپنے فضل سے تمہیں دولتمند کر دیگا۔

......بعض اوقات ایک آیت کا کچھ حصہ بھی نازل ہوا۔ مثلاً:

﴿مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ اس آیت میں ﴿...وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ...﴾ (البقرة:١٨٧) (متفق علیہ)

یا ﴿ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ...﴾ (النساء:٩٥) مؤمنوں میں سے بیٹھ رہنے والے سوائے ان کے جو معذور ہیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔

اس آیت میں صرف ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ کے الفاظ ایک دفعہ نازل ہوئے۔

آخری آیات کون سی نازل ہوئی تھیں؟ اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ علماء نے جو کچھ بھی اس سلسلے میں کہا ہے یا لکھا ہے یہ سب ان کے اپنے اپنے علم کی بنا پر ہے۔ ان میں سے کوئی قول بھی رسول اکرم ﷺ سے مرفوعاً ثابت نہیں۔ بلکہ ہر ایک کی ایک اجتہادی کوشش ہے۔ یا۔۔ بقول ابن العربی۔۔ یہ بھی احتمال ہے کہ روز وفات اس نے نبی کریم ﷺ سے وہی آیت سنی ہو جسے وہ آخری کہہ رہا ہے۔ یا جو آیات آپ پر نازل ہوئیں انہیں آپ نے تلاوت فرمایا ہو اور اس نے یہ سمجھا ہو کہ آپ ﷺ کی تلاوت شدہ آخری آیت ہی آخری آیت ہے جو نازل ہوئی۔ (الاتقان ۱/۳۷)

☆☆☆☆☆

سوالات

ا۔ نزول قرآن سے کیا مراد ہے؟ اس کے مقاصد کی آیات قرآنیہ کی روشنی میں وضاحت کیجئے۔

۲۔ نزول قرآن کے مواقع اور ان کے دلائل تفصیلاً تحریر کیجئے۔

۳۔ قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت عزت میں اتارنے کی حکمت ضبط تحریر میں لائیے۔

۴۔ نزول قرآن کے تیسرے مرحلے کی مدت میں تین اقوال سامنے آتے ہیں۔ان اقوال وآراء کو لکھئے نیز آپ کے نزدیک قابل ترجیح کون سا قول ہے؟ اسے دلائل سے ثابت کیجئے۔

۵۔ قرآن مجید کے مرحلہ وار نزول کی حکمت اور اس کے دوررس نتائج وفوائد پر روشنی ڈالیں۔

۷۔ قلب رسول کو ثابت ومطمئن رکھنے کی متعدد صورتیں بیان کیجئے جن میں قرآنی آیات اور تاریخی وضاحتیں بھی ہوں۔

مشق

ا۔ان آیات قرآنیہ کو یک جا کیجئے جو بیت العزت میں نزول قرآن کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔اور ان کی تفسیر کو تفسیر ابن کثیر سے پڑھئے۔

۲۔قرآن کے آسمان دنیا پر نزول کے جو الإتقان فی علوم القرآن میں مذکور ہیں انہیں سنت نبوی کی روشنی میں بیان کیجئے۔

۳۔بیت العزت سے ہمارے پیارے نبی ﷺ پر نزول قرآن کے دلائل قرآن وحدیث سے دیجئے نیز آیات کا نمبر،سورت کا نام اور اس کا مکی ومدنی ہونا بھی تحریر کیجئے۔

۴۔ ﴿وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة ۝ كذلك ولنثبت به فؤادك ورتلناه ترتيلا ۝﴾

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر،درج شدہ کتب تفاسیر سے ملاحظہ فرمائیے اور الگ الگ خلاصہ لکھئے۔

ا۔تفسیر ابن کثیر ۲۔تفسیر فی ظلال القرآن ۳۔تفسیر تفہیم القرآن

۴۔تفسیر معارف القرآن ۵۔تفسیر احسن البیان

۵۔نزول قرآن بتدریج کیوں ہوا؟ وجوہات پر ایک شذرہ لکھئے۔

۶۔علوم القرآن کی بعض کتب میں بتدریج نزول قرآن کی حکمتوں کو تلاش کیجئے۔

۷۔اسلامی شریعت کے ایسے تدریجی احکامات واقدامات جو بتدریج نزول قرآن کا ثبوت ہیں ان کی روشنی میں ''اسلامی شریعت میں تدرُّج'' پر تفصیلی نوٹ لکھئے۔

۸۔صبحی صالح کی کتاب ''علوم القرآن'' میں سے ''نزول قرآن کے مراحل'' پڑھ کر مختصر نوٹ لکھئے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:6

جمع قرآن اور اس کی تدوین

جمع قرآن سے مراد قرآن کریم کا جمع کرنا۔خواہ حفظ سے ہو یا کتابت سے یا تلاوت کی ریکارڈنگ سے۔اور تدوین سے مراد اس کو کتابی صورت میں ترتیب دینا ہے۔ان سب مراحل کی ایک دل چسپ معلوماتی تاریخ ہے جسے ایک طالب علم کے لئے جاننا بہت اہم ہے۔تاکہ وہ آگاہ رہے کہ یہ مقدس کتاب کس طرح کن کن ادوار سے گذر کر محفوظ ترین صورت میں ہم تک پہنچی؟

مقصد جمع قرآن: جمع قرآن کا مقصد یہی تھا کہ جس طرح قرآن مجید آپ ﷺ پر اترا ہے اور جس طرح آپ نے اسے پڑھا یا سکھایا ہے اسے لکھ کر محفوظ کرلیا جائے۔یہ اللہ کا حکم تھا تا کہ مستقبل میں ممکنہ اختلاف جو قراءت یا اس کے الفاظ، ترتیب اور لغت میں پیدا ہوسکتا ہے وہ نہ ہوسکے۔اللہ تعالیٰ نے خود بھی اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی مگر اس حفاظت کا کام صحابہ رسول اور امت کے قراء وحفاظ سے بھی لیا۔

جمع قرآن کی دلیل: تنزیل قرآن کے دوران آپ ﷺ کو سخت مشکل وشدت محسوس کیا کرتے۔اور اپنے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔جیسا کہ سیدنا ابن عباس رض اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں ہے۔تو اللہ تعالی نے ابتداء میں ہی یہ فرمادیا:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ آپ قرآن پاک کو حاصل کرنے میں جلدی مت کیا کیجئے۔یقیناً اس قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

جمع کرنے سے مراد یہاں اس دور کی اور مستقبل کی قرآنی جمع ہے۔جو سینوں میں بھی ہوئی اور سفینوں میں بھی. قرآنه سے مراد آپ ﷺ سے اسے ویسے ہی ترتیل سے پڑھوانا جس طرح آپ پر تازہ بہ تازہ اترتا اور مختلف قراءات میں بھی۔چنانچہ جبریل امین آپ ﷺ کے پاس جب آتے تو آپ اطمینان اور غور سے سنا کرتے۔جب وہ چلے جاتے تو آپ اسے ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا انہوں نے اسے پڑھا ہوتا۔

جمع قرآن کے چار ادوار: جمع قرآن کا وعدہ اللہ تعالی نے خوب نبھایا اور اس کی حفاظت کا سامان ہر دور میں کرتا رہا۔اس جمع کے کل چار ادوار ہیں جنہیں پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے سوائے اپنی کتاب کے کسی اور کتاب کے حفاظت کا ذمہ نہیں لیا۔یہ ادوار درج ذیل ہیں:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پہلا دور: **عہد نبوی میں جمع قرآن:** سرور عالم ﷺ نے حفاظت قرآن کے لئے دو ہدایات دیں:

۱۔ اسے حفظ کیا جائے۔ ۲۔ اس کو لکھا جائے۔

حفظ: وحی کے آغاز سے ہی آپ ﷺ کو قرآن مجید یاد ہونا شروع ہوگیا کیونکہ آپ ﷺ کو یہ تسلی دی گئی ﴿**سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ** ۝﴾ (الاعلیٰ:٦) "ہم آپ کو پڑھوادیں گے کہ آپ نہیں بھولیں گے" اسے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتار کر محفوظ کر دیا گیا۔ ﴿**إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ** ۝﴾ (القیامۃ:١٧) "یقیناً اسے جمع کرنا اور اسے پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔" ہر سال جبریل امین کے ساتھ آپ ﷺ نازل شدہ حصے کا باقاعدہ دور بھی کرتے۔ حدیث میں ہے:

أَنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ كَانَ يُعَارِضُ النَّبِيَّ ﷺ بِالْقُرْآنِ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَرَّةٍ، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِيْ قُبِضَ فِيْهِ عَارَضَهُ مَرَّتَيْنِ (صحیح بخاری:۴۹۹۸) جبریل امین ہر سال آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا ایک مرتبہ دور کیا کرتے۔ جس سال آپ ﷺ کا انتقال ہوا، جبریل امین نے آپ ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا۔

آپ ﷺ نے اس دو مرتبہ دور کے بارے میں فرمایا:

إِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِى الْقُرْآنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً، وَإِنَّهُ عَارَضَنِى الْعَامَ مَرَّتَيْنِ، وَلَا أُرَاهُ إِلَّا حَضَرَ أَجَلِيْ۔
جبریل میرے ساتھ ہر سال قرآن کریم کا ایک مرتبہ دور فرمایا کرتے اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میری موت آنے والی ہے۔ (مسند احمد ٦/٢٨٢، صحیح بخاری:٣٤٢٦)

مکہ میں حفظ: مکی مسلمان بھی حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے جنہوں نے تیرہ برس کے عرصے میں مکہ میں نازل ہونے والے قرآنی حصے کو سرعت سے اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا۔ صحابہ کرام وصحابیات کی بڑی تعداد نے نہ صرف اسے یاد کیا بلکہ لکھا بھی اور غور وتدبر کرنا بھی سیکھا۔ وہ اپنی پیاری نینداور نرم وگرم بستر کو چھوڑ کر قیام اللیل کرتے اور تہجد میں اسے پڑھا کرتے۔ ان کے گھروں سے راہگیروں کو قرآن پڑھنے کی آوازیں سنائی دیتیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر ابن الدغنہ کی امان واپس کردی کہ میں اس قرآن کو پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مدینہ میں حفظ: ہجرت کرکے آپ ﷺ مدینہ منتقل ہوگئے۔ قرآن یہاں بھی دس سال نازل ہوتا رہا۔ یہاں بھی آپ ﷺ قرآن مجید کو مجالس میں، نماز میں، خطبات میں پڑھتے، سنتے اور سناتے تھے۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں قرآن مجید کی تعلیم کا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

انتظام فرمایا۔ مسلمان اسے شوق سے گھروں میں اور نماز تہجد میں بالخصوص پڑھتے ۔ نوجوانوں کو آپ ﷺ ابھارتے کہ قرآن یاد کرواسے سیکھو۔ بہترین قراء پر آپ ﷺ فخر کرتے ۔ سیدنا ابوموسی اشعریؓ کی تلاوت سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

> لَوْ رَأَيْتَنِيْ وَأَنَا أَسْتَمِعُ لِقِرَاءَ تِكَ الْبَارِحَةَ! لَقَدْ أُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ آلَ دَاوُدَ۔ اگر تم دیکھتے، تو آج رات میں نے تمہاری تلاوت سنی، تم تو آل داود کی نغمگی عطا کئے گئے ہو۔ (صحیح مسلم ۱/۵۴۶)

سالم مولیٰ آل حذیفہؓ کی تلاوت سنی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي أُمَّتِيْ مِثْلَكَ۔ اللہ کی حمد وثنا جس نے میری امت میں تجھ جیسے لوگ پیدا کئے۔ (مسند احمد ۶/۱۶۵)

سیدنا ابن مسعودؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! قرآن آپ پر اتارا گیا اور سناؤں میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اچھا لگتا ہے کہ میں دوسروں سے قرآن سنوں۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء پڑھنا شروع کی جب وہ اس آیت پر پہنچے ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ۝﴾ (النساء: ٤١) آپ ﷺ نے فرمایا: حَسْبُكَ الآنَ۔ بس بس کافی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: جب میں نے رک کر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے۔ (صحیح بخاری ۶/۱۱۳)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

> میں اشعری ساتھیوں کو ان کی آوازوں سے پہچان لیتا ہو جب وہ رات میں داخل ہو کر قرآن پڑھتے ہیں اور میں رات ہی میں ان کی قرآنی آوازوں سے ان کے گھروں کو پہچانتا ہوں اگرچہ میں نے ان کے گھروں کو نہیں دیکھا جب وہ دن کے وقت نکلتے ہیں۔ (صحیح مسلم ۴/۱۹۴۴)

آپ ﷺ نے صحابہ کو صرف قرآن کے معنی وعمل ہی نہیں سکھائے بلکہ اسے حفظ بھی کراتے ۔ جب بھی کوئی شخص ہجرت کر کے مدینہ آتا آپ ﷺ اسے انصار ومہاجرین کے سپرد کر دیتے کہ اسے قرآن سکھائیں۔ اس طرح مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والوں کی اتنی تعداد رہتی کہ ان کی آوازوں کا شور ہوتا اور نبی اکرم ﷺ کو تاکید کرنا پڑتی کہ اپنی آواز کو پست رکھا کرو تا کہ مغالطہ پیش نہ آئے۔ (مناہل العرفان ۱/۲۳۴)

نیز صحابہ کی بڑی تعداد اطراف مدینہ میں جا کر قریہ قریہ اور بستی بستی قرآن سکھاتی رہی۔ اس طرح ان نوجوانوں کی قوت حافظہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بہت کام آئی اور سینکڑوں حفاظ تیار ہوگئے۔ جن میں خلفاء اربعہ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، سالمؓ مولی ابی حذیفہ، ابیؓ بن کعب، معاذؓ بن جبل، زیدؓ بن ثابت، ابوالدرداءؓ، طلحہؓ، سعدؓ، ابو ہریرۃؓ، عبداللہ بن عمروؓ، ابن عباسؓ، عبادہ بن صامتؓ، عمرو بن العاصؓ، انس بن مالکؓ، امیر معاویہؓ، فضالہ بن عبیدؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، ابوزیدؓ بن سکن اور عبداللہ بن سائبؓ جبکہ خواتین میں عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، اور ام ورقہؓ، شامل ہیں۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ غزوہ بئر معونہ کے موقع پر جن ستر صحابہ کو شہید کیا گیا وہ قراء کہلاتے تھے اور حفاظ قرآن تھے۔ (صحیح بخاری: ۳۰۶۴، الاتقان ۱/۷۴) سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں جنگ یمامہ کے موقع پر ستر قراء صحابہ شہید ہوئے تھے۔ (عمدۃ القاری ۱۶/۲۰)

خلافت راشدہ کے تیس سالہ عرصہ میں اسلام کی دعوت مشرق ومغرب تک پھیلی۔ ہر مجاہد کے گھر میں قرآن ہوتا اور تلوار لٹکی ہوتی۔ شب وروز کی مسافت اور غریب الدیاری نے انہیں قرآن سے بھی چمٹائے رکھا۔ گھروں، محلوں اور مساجد میں یہ حفظ بھی ہوتا رہا اور تلاوت بھی۔ آج بھی مسلمانوں کے سینوں میں یہ قرآن محفوظ ہے۔ اس امت کی یہ صفت ہے: أَنَاجِیْلُهُمْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ۔ ان کے سینوں میں ان کی اناجیل ہوں گی۔ اہل کتاب اپنی کتاب کو حفظ نہ کر سکے بس انہوں نے لکھا ہے اور لکھے کو پڑھتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ قرآن کی ساری کاپیاں بھی کسی حادثے میں تلف ہو جائیں تو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمان اپنے حفظ کے ذریعے اسے دوبارہ لکھوا سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے دور میں بھی قرآن ایک شکل میں محفوظ نہیں تھا بلکہ پھیلا ہوا تھا لیکن سب کو یہ معلوم تھا کہ جب ہم قرآن پڑھتے ہیں تو سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے پھر سورہ بقرہ وآل عمران اور آخر میں سورہ الناس ہے۔

عہد نبوی میں قرآن کریم کو جمع کرنے سے کیا مراد ہے؟ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں تین احادیث روایت کی ہیں۔

۱۔ قتادۃؒ نے سیدنا انسؓ بن مالک سے پوچھا کہ دور نبوی میں قرآن کس نے جمع کیا؟ انہوں نے کہا: چار آدمیوں نے جو انصاری تھے؛ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابوزیدؓ۔ (صحیح بخاری ۲/۷۴۸)

۲۔ انسؓ بن مالک ہی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب فوت ہوئے تو ان چار کے علاوہ کسی نے قرآن کریم کو جمع نہیں کیا تھا۔ ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید۔ انس کہتے ہیں: اور ہم اس کے وارث بنے ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا: قرآن کریم کو چار افراد سے لو۔ عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور أبی بن کعب۔ رضی اللہ عنہم

ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنہوں نے قرآن کریم کو عہد نبوی میں یاد کیا تھا وہ صرف: عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ بن جبل، أبی بن کعب، زید بن ثابت، ابوزید بن سکن اور ابوالدرداء ہیں۔ مگر دوسری طرف ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کی کثیر تعداد حفاظ کرام کی تھی۔ یہ معمولی تعداد تو ان کی نہیں تھی۔ اس کا جواب علماء نے متعدد صورتوں میں دیا ہے:

۱۔ ان احادیث سے مراد صحابہ کی گنتی کرنا نہیں۔ بلکہ یہ نام بطور مثال کے ہیں۔ جس کے شاہد سیدنا انسؓ ہیں کہ انہوں نے خود ایک حدیث میں سیدنا ابیؓ بن کعب کو اور دوسری میں ابوالدرداءؓ کو ذکر کیا ہے۔ اگر نام ہی شمار کرنا ہوتے تو دونوں احادیث میں وہ سب کے متفقہ نام بتاتے۔

۲۔ جمع سے مراد کتابت ہے نہ کہ حفظ۔

۳۔ جمع سے مراد قرآن کریم کی تمام وجوہ قراءات کا حفظ کرنا ہے۔

۴۔ جمع سے مراد پورے قرآن کریم کا رسول اکرم ﷺ سے سیکھ کر حاصل کرنا ہے۔

۵۔ یا یہ وہ صحابہ ہیں جنہوں نے خود اپنے یادشدہ قرآن کریم کو رسول اکرم ﷺ کو سنایا اس طرح ان کی اسانید ہم تک پہنچ گئیں رہے وہ جنہوں نے حفظ تو کیا اور ان کی سند ہم تک نہ پہنچ سکی بکثرت ہیں۔

کتابت: حفاظت قرآن کا اصل دارو مدار تو حفظ تھا مگر نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی کتابت کا بھی اہتمام کرڈالا۔ یہ بھی قرآن مجید کا جمع کرنا ہے۔ نزول کے بعد آپ ﷺ کاتبان وحی کو جبریل امین کی ہدایت کے مطابق فرماتے کہ یہ آیات نازل ہوئی ہیں جنہیں فلاں سورہ کی فلاں آیت کے سرے پر رکھو اور لکھو۔ اس طرح قرآن کریم کے ایک ایک حرف، آیت، سورۃ کو کتابت کے ذریعے آپ ﷺ نے صحیفوں اور سطور میں ترتیب دے کر محفوظ کردیا۔ امام حاکمؒ مستدرک میں فرماتے ہیں:

جُمِعَ الْقُرْآنُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، أَحَدُهَا بِحَضْرَةِ النَّبِيِّ، وَالثَّانِيَةُ: بِحَضْرَةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَالْجَمْعُ الثَّالِثُ فِي زَمَنِ عُثْمَانَ ۔ قرآن کریم تین بار جمع کیا گیا، پہلی بار آپ ﷺ کی موجودگی میں، دوسری بار سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی موجودگی میں اور تیسری بار سیدنا عثمانؓ کے عہد میں۔

تین بار جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ:

☆......پہلی بار عہد نبوی میں اس کی کتابت اور تدوین ہوئی۔ یہ جمع صرف کتابت آیات اور ان کی ترتیب تک رہی جو سورتوں میں مخصوص مقام پر آ گئیں، یہ توقیفی ترتیب تھی۔

☆......دوسری مرتبہ عہد صدیقی میں اسے ایک ہی مصحف میں لکھا گیا۔ یہ جمع صرف کتابت تک ہی محصور رہی۔ وہ اس طرح کہ ہر سورۃ کی آیات کو ایک ہی صحیفہ میں مرتب کر دیا گیا۔ پھر یہ تمام صحائف ایک دوسرے کے ساتھ ضم کر دئے گئے اگرچہ ان میں سورتوں کی ترتیب نہ تھی۔

☆......تیسری مرتبہ عہد عثمانی میں متعدد مصاحف سے اسے ایک ہی خط عثمانی میں لکھا گیا۔ یہ کوشش مکمل قرآن کریم کو ایک ہی صحیفہ میں جمع کرنے کی تھی تاکہ آیات وسورتیں سبھی مرتب ہو جائیں۔ ان ادوار میں ہر اگلی کوشش ترجیحی طور پر کتابت کی تحسین تھی۔

یوں قرآن کریم مرتب کتابی شکل میں بھی محفوظ ہو گیا۔ اس کتابت کے بارے میں سیدنا زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں:

قرآن کی جو آیات نازل ہوتیں آپ ﷺ مجھے لکھوا دیتے۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کو سناتا، اگر اصلاح کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ اصلاح فرما دیتے۔ پھر اس کے بعد اس لکھے ہوئے کو میں لوگوں کے سامنے لاتا۔ جو کچھ بھی لکھا جاتا وہ آپ ﷺ کے گھر میں رکھ دیا جاتا تھا۔ اس دور میں قرآن کاغذوں پر لکھا جاتا نہ ہی باقاعدہ مصحف کی صورت میں تھا بلکہ متفرق طور پر پتھر کی تختیوں، چمڑے کے ٹکڑوں، درخت کی چھالوں اور چوڑی ہڈیوں وغیرہ پر لکھا جاتا تھا۔ (مناہل العرفان از زرقانی: ۲۳۹) اسی لئے تو سیدنا زیدؓ کا یہ کہنا ہے: قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ ولَمْ يَكُنِ الْقُرْآنُ جُمِعَ فِي شَيءٍ۔ آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور قرآن کریم کسی بھی شے میں جمع نہ تھا۔ (فتح الباری ۹/۹)

کتابت وحی کا کام دیگر صحابہ بھی کرتے۔ کاتبین وحی میں حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ، زبیر بن عوامؓ، خالد بن سعید بن العاصؓ، ابان بن سعید بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ، معاویہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن العاصؓ، عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ بھی شامل ہیں۔ (زاد المعاد لابن القیم ۱/۳۰)

عہد رسالت ﷺ میں ایک نسخہ تو وہ تھا جو نبی اکرم ﷺ کے پاس تھا اس کے علاوہ صحابہؓ نے خود اپنے نسخے بھی تیار کر رکھے تھے۔ جن صحابہؓ کے پاس اپنے لکھے ہوئے مصاحف تھے ان میں حضرات عبداللہ بن مسعودؓ، علیؓ، عائشہؓ، ابی بن کعبؓ، عثمان بن عفانؓ، تمیم الداریؓ، ابوالدرداءؓ، ابوایوب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبادہ بن صامتؓ، اور زید بن ثابتؓ شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے

© AL HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

انہی صحابہ سے فرمایا: سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے ''رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو دشمن کی زمین میں لے جانے سے منع فرمایا۔'' (صحیح بخاری: ۴۰۹/۱)۔ نیز قرآن کریم کے علاوہ ان اوراق پر کچھ اور لکھنے سے بھی آپ ﷺ صحابہ کرام کو منع فرماتے:

مَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرآنِ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ ۔ مجھ سے قرآن کے علاوہ جس کسی نے کچھ لکھا ہے تو وہ اسے مٹا دے ہاں مجھ سے حدیث بیان کر سکتے ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (صحیح مسلم)

آپ ﷺ کی زیر نگرانی جو کتابت قرآن ہوئی وہ سبعہ حروف پر مشتمل تھی۔ اس کی آیات کی ترتیب توقیفی تھی۔ آپ ﷺ جہری نماز کی قراءت میں عموماً اسی ترتیب کو ہی اختیار فرماتے۔ حتی کہ سورتوں سے قبل بسم اللہ کی تحریر بھی رسول اکرم ﷺ کے حکم سے کی گئی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام نسائیؒ اپنی سنن کبریٰ میں روایت فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا لَمَّا نَزَلَتْ آخِرُ آيَةٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ﴿ **وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ...** ﴾ (البقرة: ۲۸۱) **تو جناب جبریلؑ نے آپ ﷺ سے فرمایا:** يَا مُحَمَّدُ! ضَعْهَا عَلَى رَأْسِ ثَمَانِيْنَ وَمِئَتَيْ آيَةٍ مِّنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ اللہ کے رسول ﷺ! آپ اسے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد رکھئے۔

اسی لئے علماء کہتے کہ قرآنی سورتوں میں آیات کی تقدیم وتاخیر جائز نہیں۔ سیدنا عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں:

كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ شَخَصَ بِبَصَرِهِ ثُمَّ صَوَّبَهُ، ثُمَّ قَالَ: أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَضَعَ هٰذِهِ الآيَةَ هٰذَا الْمَوْضِعِ مِنَ السُّورَةِ ﴿ **إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى ..** ﴾ (النحل: ۹۰) میں رسول اکرم ﷺ کے خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنی نگاہیں اوپر اٹھائیں پھر انہیں آہستگی سے نیچے لائے۔ پھر فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو سورۃ کے اس مقام پر رکھوں۔ (مسند احمد)

سیدنا زیدؓ نے بھی جمع قرآن میں آیات کی وہی ترتیب ملحوظ رکھی جو رسول اکرم ﷺ نے بتائی تھی جس پر تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق بھی کیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر المومنین عثمانؓ سے عرض کی کہ آیت ﴿ **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا ۚ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ** ﴾ کو اس آیت نے منسوخ کیا ہے ﴿ **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ** ﴾ اور یہ آیت وصیت والی آیت سے تلاوت میں پہلے ہے تو آپ اسے بعد میں کیوں لکھ رہے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہیں؟ سیدنا عثمانؓ نے فرمایا: میرے بھتیجے! میں اس قرآن کی کسی آیت کو اس کی جگہ سے بدل نہیں سکتا۔ (صحیح بخاری: ۴۵۳۰)

زمانہ نبوی میں قرآن کریم ایک ہی مصحف میں جمع کیوں نہ ہوسکا؟ اس کے کئی جواب علماء نے دیئے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم یکبارگی نہیں بلکہ تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ اس لئے بھی ایک مصحف میں جمع کرنا ممکن نہ تھا۔

۲۔ آپ ﷺ نے اسے اس لئے بھی ایک ہی مصحف میں جمع نہیں فرمایا کیونکہ قرآن میں نسخ واقع ہو رہا تھا اگر آپ ﷺ اسے جمع کر دیتے پھر کچھ حصے کی تلاوت منسوخ ہو جاتی تو یہ اختلاف اور دین میں اختلاط کا سبب بنتا۔ آپ ﷺ بھی قرآن کریم کے بعض احکام یا تلاوت کے بارے میں منتظر رہتے کہ شاید کچھ منسوخ ہو جائے اس لئے بھی آپ ﷺ نے جمع نہیں کروایا۔ جب اس کا نزول مکمل ہو گیا اور زمانہ نسخ کے اختتام تک یہ قرآن سینوں میں محفوظ بھی رہا اور آپ ﷺ کی وفات ہو گئی تو اللہ تعالی نے خلفاء راشدین کو اس کے جمع کرنے کا الہام کر دیا۔ (البرہان از زرکشی ۱/۲۳۵)

۳۔ قرآن کریم میں آیات وسور کی ترتیب نزولی نہیں۔ اگر اس وقت قرآن ایک مصحف میں جمع کر دیا جاتا تو یہ ترتیب ہر نزول کے وقت ہی تبدیلی کا سامنا کرتی۔ اس لئے صحابہ کرام کے مابین جب کسی آیت میں اختلاف ہوتا تو وہ مکتوب قرآن کی بجائے رسول اکرم ﷺ سے ہی رجوع کرتے۔ وفات رسول اور بعض قراء صحابہ کرام کی شہادت کے بعد یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ ایک ہی مصحف میں قرآن جمع کر لیا جائے اور یہ سعادت سیدنا ابوبکرؓ کے حصے میں آئی۔

۴۔ عہد رسول میں جو کچھ لکھا گیا اس کی کچھ تلاوت منسوخ ہو گئی تھی۔ مگر وہ آپ ﷺ کی وفات تک مکتوب صورت میں موجود رہی۔

۵۔ آپ ﷺ کے عہد میں قرآن کریم مختلف پارچات پر مکتوب اور الگ الگ تھا۔ آپ ﷺ کو بھولنا بھی نہیں تھا ہاں یہ امکان آپ کی وفات کے بعد دوسروں سے تھا۔ اس لئے بعد از مشورہ سیدنا ابوبکرؓ اسے ایک ہی مصحف میں لکھنے کی جلد از جلد کوشش کی۔

اہم نکتہ: عراقی یہودی مسٹر داؤد نے انگریزی زبان کا ترجمہ قرآن شائع کر کے مقدمہ میں لکھا: یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ بڑی اور لمبی سورتیں پہلے اور چھوٹی سورتیں بعد میں ہیں۔ حالانکہ ترتیب اس کے برعکس ہونی چاہیے تھی تا کہ قاری کے لئے آسانی ہوتی۔ چنانچہ اس نے قاری قرآن کو الجھن میں ڈالنے کے لئے اپنے ترجمے میں قرآنی سورتوں کی ترتیب الٹ دی ہے۔ ایسے دانشوروں کا ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں ایک ہی واقعہ کو بار بار بیان کیا گیا ہے اس سے یہ تکرار نکال دی جائے۔

قرآن کی یہ ترتیب توقیفی ہے اور منجانب اللہ ہے۔ اللہ تعالی کے حکم سے رسول اکرم ﷺ کے سینے میں اسے اسی ترتیب سے ہی بھرا گیا اور

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

آپ ﷺ نے بھی اسی ترتیب سے اسے لکھوایا۔ یہ تو ایمانی تقاضا ہے خواہ اس ترتیب کی حکمت ہمیں سمجھ نہ بھی آئے۔ اسے ایسا ہی ماناجائے جسے آگے پیچھے کرنے کی اجازت بھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ باہم گتھی ہوئی مرتب سورتیں ہیں۔ واقعات و مدعا کا تکرار اپنے مقام پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ جن کے معانی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ کیا اس کوشش سے قرآن کے حسن، ترتیب اور اس میں پوشیدہ بے شمار حکمتوں کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ ﴿وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (الصف:۸) اور اللہ تعالیٰ پورا کرنے والے ہیں اپنے نور کو خواہ کافر اسے کتنا ہی ناپسند کریں۔

دوسرا دور: **خلافت صدیقی میں:** سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں جمع قرآن کی تفصیلات سیدنا زیدؓ بن ثابت نے دی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جنگ یمامہ کے فوراً بعد ۱۲ھ کو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ایک روز پیغام بھیج کر مجھے بلوا بھیجا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں سیدنا عمرؓ بھی موجود تھے۔ ابوبکر صدیقؓ نے مجھے فرمایا: عمرؓ نے آکر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے ستر حفاظ شہید ہوگئے ہیں اور اگر مختلف مقامات پر اسی طرح حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہوجائے۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ قرآن کو یکجا کردینا چاہئے۔ میں نے عمرؓ سے کہا: جو کام نبی ﷺ نے نہیں کیا ہم وہ کیسے کریں؟ عمرؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم! یہ کام کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ میرا شرح صدر ہوگیا اور اب میری بھی رائے وہی ہے جو عمرؓ کی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ رسول حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا: زید! تم نوجوان ہو اور سمجھ دار بھی۔ ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ پر اترنے والی وحی کو لکھا ہے۔ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ تو تم قرآن کو تلاش کرکے اسے جمع کرو۔

کاتب وحی سیدنا زیدؓ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیتے تو ایسا کرنا میرے لئے آسان ہوتا۔ میں نے عرض کی: آپ وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! ایسا کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد خلیفہ محترم بار بار مجھے یہی کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس رائے پر کھول دیا جو حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی تھی۔ چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کر ڈالا۔ جس کے صحیفے سیدنا ابوبکرؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔ بعد میں یہی صحیفے ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمرؓ کے پاس آگئے۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ لقد جائکم رسول من أنفسکم)

خلیفہ رسول ابوبکرؓ کے اس عمل کو صحابہ رسول نے اور تمام امت نے سراہا اور امت پر ایک بڑا احسان سمجھا۔ سیدنا علیؓ بن ابی طالب

نے فرمایا:

أَعْظَمُ النَّاسِ فِی الْمَصَاحِفِ أَجْرًا أَبِیْ بَکْرٍ، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَى أَبِی بَکْرٍ هُوَ أَوَّلُ مَنْ جَمَعَ كِتَابَ اللّٰهِ۔

''مصاحف کو جمع کرنے میں سب سے زیادہ جری سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ثابت ہوئے ہیں، اللہ تعالی کی ان پر رحمت ہو وہ امت کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کر ڈالا۔''

سیدنا زید کا انتخاب کیوں؟ سیدنا زیدؓ کو دو خلفاء نے کتابت قرآن اور اس کے جمع کرنے کی زحمت کیوں دی؟ اس پر ان کی نظر کیوں پڑی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بعض مخصوص خوبیوں اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ غالباً ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ سیدنا زیدؓ کو ہمسایہ ہونے کی وجہ سے دوسروں پر ترجیح دیتے۔ اس لئے وحی کے بعد آپ ﷺ انہیں بلوا بھیجتے اور زیدؓ وحی لکھ لیا کرتے تھے۔ (کتاب المصاحف: ۳)۔ نیز مدینہ تشریف آوری کے ساتھ ہی بنونجار کے اس بچے کی تعریف جب اہل محلّہ نے آپ ﷺ کے سامنے کی کہ دس سے زیادہ سورتیں یہ بچہ یاد کر چکا ہے تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: زیدؓ: تم یہود کی تحریر کو میرے لئے سیکھ لو۔ مراد یہ کہ ان کی زبان کو ایسا سیکھو کہ تم خود بولنا، لکھنا اور پڑھنا جان سکو۔ زیدؓ کا اپنا بیان ہے کہ: مَا مَرَّتْ بِیْ خَمْسَ عَشَرَةَ لَيْلَةً حَتّٰى حَذَقْتُهُ پندرہ دن نہیں گذرے تھے کہ میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی۔ بعد میں عبرانی زبان کے ترجمان بھی یہی تھے اور انہیں جواب لکھنے والے بھی۔ (مسند احمد: ۲۱۱۰۸؛ سنن ابی داود: ۳۶۴؛ سنن ترمذی: ۲۸۵۸) ایک اور وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ سیدنا زیدؓ بن ثابت کو خود نبی اکرم ﷺ نے قرآن کریم حفظ کرایا تھا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے آخری رمضان میں دو مرتبہ قرآن کی دہرائی کی تو سیدنا زیدؓ بھی موجود تھے۔ (الفتاوی الکبری ۲۱۳/۷، ۱۴۷/۸) سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور زیدؓ بن ثابت کا قرآن مجید کو جمع کرنے پر تأمل بھی قابل غور ہے کہ وہ کسی کام کو شرعی حیثیت دینے میں اور اسے قبول کرنے میں کتنے محتاط تھے۔ نیز اللہ تعالی نے ان مبارک ہستیوں کو جمع قرآن کا الہام کر کے حفاظت قرآن کا ذمہ دار بنا دیا جس کی ابتداء مشورہ فاروقی سے ہوئی اور تکمیل سیدنا ابوبکرؓ کے ہاتھوں یہ کہہ کر کرا ڈالی: إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ، عَاقِلٌ، لَا نَتَّهِمُكَ، وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اور پھر حضرت زیدؓ کا یہ کہنا: فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا أَمَرَنِیْ بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ۔

جمع قرآن کا طریقہ: قرآن کو جمع کرنے کے لئے سیدنا زیدؓ بن ثابت کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی گئی جس میں جلیل القدر صحابہؓ شامل تھے۔ ابتداء سیدنا ابوبکرؓ نے جمع قرآن کے سلسلے میں ایک اہم ہدایت دی جس پر عمل کے لئے سیدنا عمرؓ فاروق کو

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سیدنا زیدؓ کے ساتھ بھی لگادیا۔ خلیفہ رسول ابوبکرؓ نے سیدنا عمرؓ اور زیدؓ سے فرمایا:

اُقْعُدَا عَلَى بَابِ الْمَسجِدِ، فَمَن جَاءَ كُمَا بِشَاهِدَيْنِ عَلى شَيْءٍ مِنْ كتابِ اللّٰهِ فَاكْتُبَاهُ ۔دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ تو جو تمہارے پاس قرآن کی کسی آیت پر دو گواہ لائے تو اسے لکھ لو۔ (المصاحف از ابن ابی داود: ۱۲، فتح الباری ۹/۱۴)

عبدالرحمٰنؒ بن حاطب کہتے ہیں:

قَدِمَ عُمَرُ فقَالَ: مَنْ تَلَقَّى مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا مِنَ القرآنِ فَلْيَأتِ بِهِ، وَكَانُوا يَكْتُبُونَ ذٰلكَ فِي الْمُصْحَفِ وَالْأَلْواحِ وَالعُسُبِ، وَكَانَ لَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا حَتّٰى يَشْهَدَ شَاهِدَانِ۔ سیدنا عمر تشریف لائے اور فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن کا کوئی حصہ حاصل کیا ہو تو وہ اسے لے آئے۔ صحابہ قرآن مجید کو صحیفوں، تختیوں اور کھجور کی چھالوں پر لکھا کرتے تھے۔ آپ یہ تحریر دو گواہوں کے پیش کردینے کے بعد قبول کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمع قرآن کے لئے سب سے پہلے تو یہ اعلان عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن کریم کی لکھی ہوئی کوئی آیت بھی ہو وہ سیدنا زیدؓ کے پاس لے آئے۔ جب کوئی لکھی ہوئی آیت لے آتا تو وہ چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے۔

۱۔ اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲۔ کمیٹی کے ممبر سیدنا عمرؓ فاروق بھی حافظ قرآن تھے جو اپنے حافظہ سے اس کی توثیق کرتے تھے۔

۳۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کی جاتی جب تک دو قابل اعتماد گواہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔

۴۔ بعد میں ان کی لکھی ہوئی آیات کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔

اتفاق سے ایک آیت ایسی تھی جو صرف سیدنا ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس لکھی ہوئی تھی۔ یہ سورۃ توبہ کی آخری آیت ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ .... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ (التوبة:۱۲۸، ۱۲۹) تھی۔ دو گواہیاں نہ ہونے کے باوجود اس آیت کو لے لیا گیا۔ اس کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ یہ آیت لکھی ہوئی نہ ہونے کے باوجود بھی سینکڑوں حفاظ کو یاد تھی اور دوسری یہ کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوخزیمہؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: ان کی گواہی دو کے برابر ہے جس کی ایک خاص وجہ تھی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے کسی سے اونٹوں کا لین دین یعنی سودا کیا۔ آپ ﷺ نے یہ سودا تنہا کیا تھا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

جس شخص سے سودا کیا وہ بعد میں اونٹوں کی طے شدہ قیمت دینے سے مکر گیا۔ پھر آپ ﷺ سے پوچھتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس کیا کوئی گواہ ہیں جو یہ گواہی دے سکیں کہ میں نے اونٹوں کی یہ قیمت کہی تھی۔ ابوخزیمہؓ اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا: میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ حالانکہ سودا کرتے وقت وہ وہاں موجود نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ابوخزیمہ! تم کیسے گواہی دیتے ہو جب کہ تم اس موقع پر تھے ہی نہیں؟ انہوں نے جواب میں عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ عرش کی باتیں ہمیں سچ سچ بتا دیتے ہیں تو اس بات کے سچا ہونے میں کیا شک؟ انہوں نے صرف اس وجہ سے گواہی دے دی کہ اگر نبی ﷺ یہ کہہ رہے ہیں تو یقیناً سچ ہوگا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر قرار دی۔

اس کے برعکس بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ آیت ﴿...فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ...﴾ (النساء:۲۴) کے آگے ﴿...إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى...﴾ (البقرۃ:۲۸۲) کے الفاظ ہونے کے قسمیہ قائل تھے اور جمع وتدوین قرآن کے وقت شدت سے یہ کہتے رہے کہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ ممکن ہے جن ایام میں متعہ کا جواز تھا یہ قراءت بھی پڑھی گئی ہو۔ لیکن ایسی قراءت بھی رخصت اور نسخ کے ضمن میں آتی ہے مگر کمیٹی نے دو وجوہ کی بناء پر ان کا موقف قبول نہیں کیا۔ ایک یہ کہ جمع وتدوین میں خبر متواتر کو مشروط قرار دیا گیا تھا۔ اس لئے اس کے راوی صرف ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے کوئی دوسرا نہیں تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ پہلے سے دو مکی سورتوں مومنون اور معارج میں یہ محکم آیات موجود تھیں: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ إِلَّا عَلٰٓى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۝﴾

یعنی حفاظت فروج کے دو ہی ذریعے ہیں پہلا ذریعہ بیوی کا اور دوسرا لونڈی کا، ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حد سے تجاوز کرنا ہے اور متعہ والی عورت نہ بیوی ہوتی ہے نہ لونڈی۔

جمع کردہ نسخہ کا نام اور خصوصیات: اس کمیٹی نے انتہائی احتیاط اور سخت محنت کے بعد قرآن کو ایک سال کی مدت میں جمع کر دیا جسے تمام صحابہ کرام نے اتفاقاً قبول کیا اور یوں امت بھی اس پر جمع ہوگئی۔ اس نسخہ کی خصوصیات حسب ذیل تھیں:

۱۔ نسخہ میں قرآنی آیات کی ترتیب آپ ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق تھی لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورت الگ اور علیحدہ صحیفہ میں تھی جن کی ترتیب عہد عثمانؓ میں ہوئی۔ اس نسخہ کا نام مصحف اُم رکھا گیا۔

۲۔ اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔

۳۔ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

۴۔ اس میں صرف وہ آیات لکھی گئیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ اس میں آیۃ الرجم نہیں لکھی گئی کیونکہ اس کی تلاوت منسوخ تھی مگر حکم باقی تھا۔

۵۔ یہ امت کے لئے ایک ایسا متفقہ مرتب نسخہ تھا جو اسے انتشار سے بچا گیا۔ اسی لئے سیدنا زیدؓ نے تمام گواہوں کی موجودگی میں اس کا اعلان کیا۔ جس کے صحیح ہونے کی سب نے بلا اعتراض گواہی دی۔

سیدنا زیدؓ نے تکمیل مصحف کے بعد اسے خلیفہ رسول ابوبکر صدیقؓ کے سپرد کر دیا جو ان کے پاس وفات تک رہا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا ان کی وفات کے بعد یہ مصحف ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے پاس اس وقت تک رہا جب سیدنا عثمانؓ نے ان سے طلب کر کے منتخب کمیٹی کے ذریعے نئے نسخے تیار کروائے اور اسے واپس لوٹا دیا جو ان کی وفات کے بعد سیدنا ابن عمرؓ کے ذریعے مروان بن الحکم کے پاس آیا تو مروان نے یہ سوچ کر کہ مبادا اس میں کوئی ایسی بات ہو جو نسخہء عثمانؓ سے مختلف ہو اسے ضائع کر دیا۔

☆......سیدنا عمرؓ کے دور میں تدوین قرآن کی بجائے اشاعت قرآن پر زیادہ کام ہوا۔ آپؓ نے ہر جگہ تعلیم قرآن کو لازمی قرار دے دیا یہاں تک کہ فوجیوں اور دیہاتیوں کو بھی نہ چھوڑا۔ قرآن کی ترویج کے لئے آپؓ نے باجماعت تراویح کا اہتمام کیا اور ابی بن کعب وتمیم الداریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو باجماعت گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔ (موطأ امام مالک: صحیح)۔ آپؓ نے ہر جگہ یہ احکام بھیجے کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ صحت الفاظ اور اعراب کی تعلیم پر بھی توجہ دی جائے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کریم ہر طرف پھیل گیا اور حفاظ کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف سعد بن ابی وقاصؓ کے لشکر میں ۳۰۰ حفاظ موجود تھے۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی فرماتے ہیں: آج مسلمانوں میں جو بھی قرآن پڑھتا ہے فاروق اعظمؓ کا احسان اس کی گردن پر ہے۔

تیسرا دور: **خلافت عثمانی میں جمع قرآن**: سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ نئے مسلمان جو عجمی تھے مجاہدین اسلام یا مسلمان تاجروں سے قرآن سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوتی۔ قرآن سبعہ حروف میں نازل ہوا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا۔ اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگرد کو اسی طرح پڑھایا جس طرح اس نے خود نبی اکرم ﷺ سے سیکھا تھا۔ یوں قراءتوں کا اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا اور لوگوں میں جھگڑے پیدا ہونے لگے۔ زیادہ خرابی اس لئے بھی پیدا ہوئی کہ

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

سوائے ''مصحف ام'' کے پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ نہ تھا جو امت کے لئے نمونہ وحجت ہو۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمانؓ ذوالنورین خود بھی اس خطرے کا احساس کر چکے تھے۔ کیونکہ انہوں نے مدنی بچوں میں ان کے اساتذہ کی اختلاف قراءت کے اثرات کو بھانپ لیا تھا۔ سیدنا عثمانؓ اپنی تقاریر میں ان سے فرما بھی چکے تھے:

أَنْتُمْ عِنْدِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَتَلْحنُونَ، فَمَنْ نَأَى عَنِّيْ مِنَ الْأَمْصَارِ أَشَدُّ اخْتِلَافًا، وَأَشَدُّ لَحْنًا، اِجْتَمِعُوْا يَا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ، وَاكْتُبُوْا لِلنَّاسِ إِمَاماً (المصاحف:۲۹) تم میرے پاس ہوتے ہوئے بھی اختلاف کرتے ہو اور لحن بھی، تو جو مجھ سے دور علاقوں میں آباد ہیں ان کا اختلاف اور لحن تو اور زیادہ ہوگا۔ اے اصحاب محمد! اتفاق کرلو اور لوگوں کے لئے ایک امام لکھ ڈالو۔

لہذا آپؓ نے صحابہؓ کے سامنے یہ رائے رکھی کہ مصحف اُم کو سامنے رکھ کر ایک ایسا مصحف تیار کیا جائے جو صرف قریش کی لغت پر ہو۔ پھر اس کی نقول بنوا کر تمام عالم اسلام میں پھیلا دی جائیں۔ تمام صحابہؓ نے خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کی اس اجتہادی رائے کی بھر پور تائید کی کہ قرآن صرف قریش کے لہجے میں یا قریش جس طریقے سے پڑھتے ہیں اس میں لکھا اور جمع کیا جائے کیونکہ آپ ﷺ قریشی تھے، آپ ﷺ افصح العرب تھے، اور قریش ہی کی زبان و لہجے میں قرآن اترا تھا۔ (کتاب المصاحف: لابن ابی داود:۲۲)

اس صورتحال میں سیدنا عثمانؓ نے سال پچیس ہجری میں وہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا جس کی تفصیل سیدنا انسؓ کی روایت سے صحیح بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے:

سیدنا حذیفہؓ سیدنا عثمانؓ کے پاس تشریف لائے۔ وہ اہل شام وعراق کے ساتھ آرمینیہ اور آذربیجان کو فتح کرنے کے لئے جہاد کر رہے تھے۔ یہاں عراقیوں کے قراءت قرآن میں اختلاف کو دیکھ کر سیدنا حذیفہؓ سہم سے گئے۔ انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے عرض کی: اس امت کا علاج کیجئے اس سے پہلے کہ ان کا اپنی مقدس کتاب میں ویسا ہی اختلاف ہو جیسا یہود ونصاری کے یہاں ہو چکا ہے۔ سیدنا عثمانؓ نے سیدہ حفصہؓ ام المؤمنین سے مصحف منگوایا تا کہ اس کی نقول تیار کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے سیدنا عثمانؓ کے پاس بھیج دیا۔ پھر امیر المؤمنین نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن ابی العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ بن ہشام کو قرآن لکھنے کا حکم دیا۔ جو انہوں نے اسے مختلف صحیفوں میں لکھ ڈالا۔ اس موقع پر سیدنا عثمانؓ نے تینوں قریشیوں سے فرمایا: جب تم اور زید کتابت کے دوران کسی بھی شے میں اختلاف کرو تو پھر قرآن کو قریشی زبان میں لکھنا اس لئے کہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ سو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حتی کہ جب چند مصاحف لکھ لئے گئے تو سیدنا عثمانؓ نے اصل نسخہ ام المؤمنین کو واپس لوٹا دیا اور ہر صوبہ میں ان لکھے ہوئے مصاحف کی ایک ایک نقل بھجوادی۔ ساتھ ہی یہ حکم جاری کیا کہ اس قرآن کے سوا اب ہر صحیفہ یا مصحف جلا دیا جائے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

چار رکنی کمیٹی کا قیام : خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے ام المؤمنین سیدہ حفصہؓ سے **مصحف ام** منگوایا اور صحابہ رسول سے ہی پوچھا: مَنْ أَكْتَبُ النَّاسِ؟ کون سب سے بہتر کاتب ہے۔ انہوں نے کہا: کاتب رسول اللہ ﷺ زیدؓ بن ثابت۔ انہوں نے فرمایا: فَأَيُّ النَّاسِ أَعْرَبُ؟ وَفِي رِوَايَةٍ: أَفْصَحُ؟ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح عرب کون ہے؟ انہوں نے کہا: سعیدؓ بن العاص۔ سیدنا عثمانؓ نے فرمایا: فَلْيُمْلِلْ سَعِيْدٌ وَلْيَكْتُبْ زَيْدٌ۔ تو سعید املاء کرائیں اور زید لکھیں۔ سیدنا زید بن ثابتؓ کی سرکردگی میں ایک چار رکنی کمیٹی بنائی جس میں سیدنا زیدؓ کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن بن حارثؓ شامل تھے۔ یہ حضرات صحیح قریشی لہجہ میں قراءت کے انتہائی راسخ حافظ وضابط تھے۔ تینوں قریشی صحابہ کو کتابت قرآن کی ذمہ داری سپرد کرتے ہوئے فرمایا:

> إِذَا اخْتَلَفْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا (صحیح بخاری: ۴۹۸۷، سنن الترمذی: ۳۱۰۴) ''جب تمہارے اور زید کے مابین کچھ اختلاف ہو تو پھر اس قرآن کو قریش کی زبان میں لکھو اس لئے قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔''

انہیں یہ بھی بتایا کہ جب کسی آیت میں ایک سے زائد قراءت تواتر سے ثابت ہوتی ہوں تو اس آیت کو کسی علامت کے بغیر لکھا جائے تاکہ اس سے ایک قراءت نہ ہو سکے بلکہ اسے ایک ایسے رسم میں لکھا جائے جس سے ایک سے زائد قراءت ممکن ہو سکیں۔ جیسے: ﴿**فتبینوا**﴾ کو ﴿فتثبتوا﴾ بھی پڑھا گیا اور ﴿**ننشزھا**﴾ کو ﴿ننشرھا﴾ بھی پڑھا گیا۔

اسی طرح اگر کوئی لفظ مختلف قراءت میں نہ پڑھا جا سکے تو اسے بعض مصاحف میں ایسے رسم الخط سے لکھ دیا جائے جس سے صرف ایک ہی قراءت ہو سکے اور کچھ مصاحف میں ایسے رسم سے کہ اس سے ایک اور قراءت بھی معلوم ہوتی ہو۔ جیسے: ﴿**وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ...**﴾ (البقرۃ: ۱۳۲) کو بعض مصاحف میں ﴿أوصی﴾ لکھا گیا۔ ﴿**وَسَارِعُوٓا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ...**﴾ (آل عمران: ۱۳۳) کو کچھ مصاحف میں سین سے قبل واؤ کے ساتھ لکھا گیا اور بعض میں بغیر واؤ کے۔

اس جماعت کے ذمے یہ کام بھی لگایا گیا کہ وہ **مصحف ام** سے نقل کر کے کئی ایسے صحیفے تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ابتداء میں یہ کام انہی لوگوں کے سپرد تھا لیکن بعد میں یہ تعداد بڑھا کر بارہ کر دی گئی۔ ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام سرانجام دیئے:

☆......انہوں نے تمام سورتوں کو ترتیب وار ایک ہی مصحف میں لکھا۔ (مستدرک، از امام الحاکم)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......ان حضرات نے نہ صرف مصحف ام کو سامنے رکھا بلکہ نقول تیار کرتے وقت اس کی کتابت وخط کا خصوصی خیال کیا۔ جہاں پر بھی تھوڑا سا اختلاف سیدنا زید اور کمیٹی کے مابین ہوا وہیں پر قریشی لہجہ اور قریشی لغت کو بنیاد بنا کر اس کی تصحیح کر دی گئی۔ کیوں کہ اس مصحف کو لکھوانے کی اصل غرض ہی یہ تھی کہ مسلمانوں کو ایک ہی لہجہ اور لغت پر اکٹھا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس لکھے ہوئے قرآن کو کسی صحابی نے بھی پڑھا تو اس نے اس کے رسم ولغت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ اسے ہی صحیح اور محقق قرآن قرار دیا۔

☆......اس کے خط میں اس بات کی رعایت رکھی گئی کہ وہ ساتوں حروف اس میں سما جائیں جو عرضہ اخیرہ میں موجود تھیں۔ اور قراءت کی مختلف صورتیں بھی جائز قرار دی جا سکیں۔

☆......اختلاف قراءت میں صرف اس صورت پر اکتفاء کیا گیا جو متواتر تھی۔ باقی منفرد قراءت کو اہمیت نہیں دی گئی اس لئے کہ وہ متواتر نہیں تھیں۔ مثلاً: ﴿... وَكَانَ وَرَآءَ هُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝﴾ (الکھف: ۷۹) میں لفظ صالحة متواتر نہیں ہے بلکہ منفرد تھی اس لئے انہوں نے اسے اہمیت نہ دی۔

☆......ذاتی مصاحف میں صحابہ رسول کے اپنے وضاحتی بیانات یا الفاظ کی تشریح کو بھی غیر اہم قرار دیا گیا۔

☆......وہ الفاظ وآیات جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی کمیٹی نے اسے بھی نظر انداز کیا اس لئے کہ عرضہ اخیرہ میں یہ شامل نہیں تھیں۔ یہ وہی کچھ تھا جو سیدنا زیدؓ نے دور صدیقی میں لکھا تھا۔

☆......انہوں نے مصحف امّ کی ایک سے زائد نقول تیار کیں جن کی تعداد، روایات میں پانچ بھی ملتی ہے اور سات بھی۔ (فتح الباری: ۹/۱۷)

☆...... یہ معیاری نسخے تیار کروانے کے بعد سیدنا عثمانؓ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذر آتش کر دیے جو مختلف صحابہ مثلاً: ابی بن کعبؓ، علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کے پاس تھے تا کہ تمام مسلمان ایک ہی نسخے پر جمع ہوں اور اختلاف کی گنجائش نہ رہے پھر ان نسخوں کو مدینہ کے علاوہ مکہ، شام، یمن، کوفہ وبصرہ، بحرین وغیرہ بھجوا دیا گیا۔

☆......کمیٹی نے قرآنی نسخوں کو مرتب کرتے وقت کلمات وحروف کے لکھنے کا جو خاص طرز وانداز اختیار کیا علماء نے اس کا نام رسم مصحف لکھا۔ اور اس پسندیدہ رسم الخط کو حضرت عثمانؓ کی جانب منسوب کر کے رسم عثمانی یا خط عثمانی نام دے دیا۔

سیدنا علیؓ اس مشورہ کے بارے میں فرمایا کرتے:

لوگو! عثمان کے بارے میں غلو سے کام نہ لو۔ بلکہ ان کے حق میں خیر کہو۔ بخدا انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا ہم صحابہ سے

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

مشورے سے ہی کیا۔ انہوں نے ہمیں کہا: تم اس قراءت کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ کیوں کہ کچھ مسلمان ایک دوسرے سے یوں کہنے لگے ہیں: میری قراءت تمہاری قراءت سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ کہیں کفر نہ ہو۔ ہم نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ کی کیا رائے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک ہی مصحف پر جمع کر دیں۔ جس سے تفریق ہو نہ اختلاف۔ ہم سب نے کہا: بہت ہی بہترین رائے ہے آپ کی سیدنا علیؓ فرماتے: بخدا اگر میں مسلمانوں کا والی بنتا تو میں بھی وہی کرتا جو عثمانؓ نے کیا۔''

سیدنا مصعب بن سعدؓ فرماتے ہیں:

أَدْرَكْتُ النَّاسَ مُتَوَافِرِيْنَ حِيْنَ حَرَقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَأَعْجَبَهُمْ ذٰلِكَ ، أَوْ قَالَ: لَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ أَحَدٌ، وَهُوَ مِنْ حَسَنَاتِ أَمِيرِ الْمُؤمِنِينَ عُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ الَّتِيْ وَافَقَهُ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهَا، وَكَانَتْ مُكَمِّلَةً لِجَمْعِ خَلِيْفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَبِى بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ (کتاب المصاحف لابن ابی داؤد:۱۲) ''میں نے بکثرت لوگوں کو پایا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآنی نسخوں کو جلایا تو انہیں یہ کام بڑا عجیب لگا یا انہوں نے فرمایا: کسی نے اس کام کو ناپسند نہیں کیا، یہ عمل حضرت عثمانؓ کی حسنات یعنی نیکیوں میں سے ہے جس کے تمام مسلمان موافق تھے اور خلیفہ رسول حضرت ابوبکرؓ کے جمع قرآن کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا یہ عمل تھا۔

سیدنا عثمانؓ کا یہ کام **جمع ثانی** کہلاتا ہے۔ **جمع اول** کا کام تو عہد نبوی ﷺ وصدیقیؓ میں ہو چکا تھا۔ عہد عثمانی میں بس اتنا کام ہوا کہ قراءت میں جو اختلاف پیدا ہوا تھا اسے ایک مخصوص انداز تحریر سے ختم کر دیا گیا اور ایک ہی لغت پر قرآن کو لکھ کر امت کو اس پر جمع کر دیا گیا۔ اس بناء پر سیدنا عثمانؓ کو **جامع القرآن** کہتے ہیں۔ آج بھی تاشقند اور استنبول میں رکھے مصحف عثمانی کے نسخوں اور ان کے رسم الخط کو دیکھا جا سکتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ سیدنا عثمانؓ کی اس مخلصانہ کوشش کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں کہ امت آج بھی قرآن مجید پر متفق ہے اور مجتمع بھی۔ اسی باہمی الفت ومحبت نے امت کو بڑے اختلاف سے بچالیا ہے۔

تابعین کرام اور ان کے بعد لوگوں نے قرآن کریم کو حفظ کیا۔ صحابہ رسول نے دنیا بھر میں پھیل کر جہاں لوگوں کو امور دین سے آگاہ کیا وہاں قرآنی تعلیم کے حلقے بھی قائم کئے ان علاقوں کی مساجد میں باقاعدہ تدریس شروع کر دی۔ بہت سے لوگ ان کے پاس محض اسے سیکھنے آئے۔ بعض مدارس کو بہت شہرت بھی ملی۔ جن میں بہت سے تابعین دور دراز کے علاقوں سے محض سیکھنے آئے۔ جیسے کوفہ میں مدرسہ ابن مسعود، مدینہ منورہ میں مدرسہ ابی بن کعب، اور مکہ مکرمہ میں مدرسہ ابن عباس رضی اللہ عنہم۔

ان مدارس کے علاوہ دیگر علاقوں میں صحابہ کی کوششیں جاری رہیں وہ قرآن کریم کی قراءت، اس کی تحفیظ، تفسیر اور احکام کی تفاصیل بیان کرتے اور سکھاتے۔ قراءت کی مختلف وجوہ سیکھنے کے سبب بہت سے حفاظ ایسے بھی تیار ہو گئے جنہیں قراءت اور روایت میں شہرت نصیب ہوئی۔

چوتھا دور: **صوتی وطباعتی جمع**: تلاوت کے بعض احکام جن میں قلقلہ، رَوم، اِشمام، اِخفاء، اِدغام، اِقلاب اور اِظہار وغیرہ کی پابندی تلاوت کرنے والے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے قرآن پاک کی تحریر میں ان احکام کا لکھنا تو ممکن تھا مگر اس کی صحیح ادائیگی کیا ممکن تھی؟ علماء نے اسے ناممکن قرار دیتے ہوئے اسے متقن حفاظ مشائخ سے براہ راست سیکھنے اور حاصل کرنے کا کہا ہے اور لکھا ہے: مِنْ أَعْظَمِ البَلِيَّةِ تَشْيِيْخُ الصَّحِيْفَةِ۔ بڑی مصیبت صحیفہ کو اپنا شیخ بنانا ہے۔ امام شافعی فرمایا کرتے: مَنْ تَفَقَّهَ مِنْ بُطُونِ الكُتُبِ ضَيَّعَ الْأَحْكَامَ۔ جو کتابوں سے فقیہ بنتا ہے وہ بہت سے احکام کھو بیٹھتا ہے۔ (الفقیہ والمتفقہ: ۹۷/۲)

مشہور ائمہ حفاظ قرآن اپنے حفظ کی تلقی (to aquire knowledge from scholar) کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ مثلاً: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: واللہ! میں نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے ستر سے اوپر سورتیں حاصل کی ہیں۔ اور یہ بھی بیان کرتے ہیں: میں باقی سورتیں کس سے حاصل کیں۔ أَخَذْتُ بَقِيَّةَ القرآنِ عن أَصْحَابِهِ۔ باقی قرآن پاک میں نے آپ ﷺ کے اصحاب سے لیا۔ اس تلقی کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ اس کا ادراک انہیں اس حد تک تھا کہ جب انہیں کسی سورت کے بارے میں پوچھا جاتا تو صاف فرما دیتے میں نے یہ سورت نبی کریم ﷺ سے نہیں سنی۔ اور اس صحابی کا بتا دیتے جنہوں نے آپ ﷺ سے وہ سورت سنی ہوتی۔ معدی کرب کہتے ہیں: ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہمیں طسم دوسو آیتوں والی (یعنی الشعراء، آیات ۲۲۷) پڑھ کر سنائیں۔ تو فرمانے لگے: یہ سورۃ میرے پاس نہیں ہے یعنی رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی نہیں۔ مگر تم اسی شخص کے پاس جاؤ جس نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور وہ خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو ہم ان کے پاس آئے انہوں نے ہمیں یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ (مسند امام احمد: ۳۹۸۰)

بالمشافہہ استاذ سے قرآن کا سننا کوئی بدعت نہیں بلکہ یہ سنت رسول ہے آپ ﷺ نے براہ راست جبریل امین سے سنا بلکہ ہر سال ان سے سنا بھی اور سنایا بھی۔ آخری سال دو مرتبہ سنا سنایا۔ روزانہ کی تین جہری نمازوں میں بھی آپ اسے اونچی آواز سے پڑھتے، اسی طرح نماز جمعہ، نماز استسقاء، نماز خسوف وکسوف، نماز تراویح، نماز عیدین، وغیرہ میں بھی آپ جہراً پڑھ کر سناتے جس میں یہ سبق بھی ہوتا کہ صحیح تلاوت کیا ہوتی ہے اور پھر جب خود اکیلی یا سری نماز پڑھنی پڑے تو اس تلاوت کو کیسے کرنا ہے؟

فارغ التحصیل قراء طلبہ کو آپ ﷺ نومسلم کی تعلیم کے لئے مقرر فرماتے، انہیں ایسا کرنے کے لئے لکھتے بھی۔ خلفاء راشدین نے مفتوحہ علاقوں میں بھی یہی سنت جاری رکھی۔ سیدنا عثمانؓ نے مکتوب مصاحف کو جن سات علاقوں میں بھیجا ان کے ساتھ ایک مقریٔ بھی روانہ فرمایا۔ یہ سب قراءت قرآن کی تلقی کا اہتمام تھا جو بالمشافہہ سیکھنے سکھانے کا تھا۔

الحمدللہ آج بھی حفظ قرآن اور اس کی قراءات کی مختلف وجوہ سیکھنے کا سلسلہ دنیا بھر میں بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ مدارس خواہ عمارات میں ہوں یا گھروں ودکانوں میں مسلمانوں کے شوق کو کم نہیں کیا جاسکا۔ باوجود مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کے اور معیشت ومعاش کی تنگی کے، نیز تہذیبی، تمدنی، حکومتی، نشریاتی دباؤ کے پھر بھی لاکھوں مسلمان نوجوان بچے بچیاں حفظ قرآن سے سرفراز ہوتے ہیں۔ انٹرنیٹ میں موجود مختلف ویب سائٹس نے قراءات کی مختلف خوب صورت آوازوں کو محفوظ کرلیا ہے۔ اس طرح دنیا کے تقریباً ہر کونے میں حفاظ ومجود حضرات کی تراویح کی براہ راست ریکارڈنگ نے تنوع کی مثالیں قائم کردی ہیں۔ اب جہاں مقری نہیں وہاں اس کی آواز وانداز دونوں اپنا کام دکھا رہے ہیں۔

قرآنی رسم کی تحسین کے مراحل: اس جدید رسم خط کو رسم عثمانی اور رسم مصحف بھی نام دیا گیا۔ جس میں دو خاص باتیں تھیں:

۱۔ اس کی املائی تحریر ایسی تھی کہ جس میں کچھ حروف اور کلمات کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے جیسے: مـــائة میں ہمزہ کا استعمال۔ اور الزکوۃ، الصلوۃ، الحیوۃ میں واؤ اور یاء کا استعمال۔ اسی طرح بعض الفاظ میں حروف کا حذف جیسے: قال کو قٰل لکھنا یا کتابت میں بعض حروف کا اضافہ جیسے: ﴿**والسمـاء بنينها بأييد**﴾ میں مکرر یاء۔ وغیرہ۔ یہی وہ املائی صورت تھی جسے سیدنا عثمانؓ نے کمیٹی کے تین قریشی ارکان کو اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ اس کا اثر کمیٹی کے ارکان پر ہوا جب انہوں نے **التـابـوت** لفظ کو لکھنا چاہا تو ان میں اختلاف ہوا کہ اسے التابوۃ لکھیں یا التابوت؟ سیدنا زیدؓ نے فرمایا: اسے التابوۃ تاء مربوطہ کے ساتھ لکھنا چاہئے مگر دوسروں نے کہا نہیں اسے التـــابـوت تاء مبسوطہ کے ساتھ لکھنا چاہئے۔ چنانچہ وہ سیدنا عثمانؓ کے پاس گئے انہوں نے فرمایا اسے التابوت۔۔ تاء مبسوطہ کے ساتھ لکھواس لئے کہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔

۲۔ دوسری اہم بات ان مصاحف کے بارے میں یہ تھی کہ ان کی شکل یعنی اعرابی کیفیت واضح نہیں تھی اور نہ ہی نقطے تھے جو حروف معجمہ یعنی (زای، ذال، غین، جیم یا خاء وغیرہ) کو مہملہ یعنی (راء، دال، اور حاء وغیرہ) سے ممتاز کرسکیں۔ اس لئے کہ صحیح نطق میں اس وقت قرآن پاک کو پڑھنا تھا۔ اب اس کی دو صورتیں تھیں:

أ۔اصل عربی لہجے میں حروف کی ادائیگی کی جائے تا کہ زبان اپنی اصل حالت(Original Method) پر قائم رہے۔

ب۔ بالمشافہہ(Orally) اسے سن کر اور سمجھ کر اپنایا جائے۔جس سے کتابت مزید واضح ہو جائے اور لبس(Obscurity) سے محفوظ رہے۔یوں قراءت کا اختلاف ازخود ختم ہو گیا۔اور صحیح وسلیم(sound) قراءت مسلمانوں میں رائج ہو گئی جس نے ان پندرہ سو سالوں میں کتابت اور قراءت کے اختلاف کی کسی صورت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

قرآن مجید کے جمع ہونے کے بعد بتدریج اس کے رسم الخط میں حسن و نظافت بھی آتی گئی۔اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کی تشکیل(Vocalization) یعنی نقطے و اعراب غیر عربوں کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔چنانچہ ان کوششوں میں یقیناً فضیلت ان حضرات کو حاصل ہے جو اس کام میں شامل ہوئے مگر پہل کس نے کی؟ یہ طے کرنا مشکل نظر آتا ہے۔نقطے اور اعراب کے علاوہ،قرآن کے اجزاء بھی مقرر ہوئے اور بعد میں منازل، اخماس و اعشار اور رکوع وغیرہ کے سلسلے میں بھی کام ہوا جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

نقطے اور اعراب(Vocalization): مصاحف عثمانی، نقاط اور اعراب سے خالی تھے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے مدون (Recorded) قرآن میں بھی نقاط تھے نہ اعراب۔شہادت عثمانؓ کے عرصہ بعد تک بھی لوگ ان مصاحف سے صحیح تلاوت لیتے اور سنتے رہے۔عرب اہل زبان تھے اور ماہر قراء سے تلاوت سیکھتے بھی،اس لئے انہیں کوئی ایسی مشکل پیش نہ آئی کہ وہ اعرابی غلطیاں کرتے۔مشکل عجمی مسلمانوں کی تھی جو صحیح عربی الفاظ سے ناآشنا(Unfamiliar) ہونے اور نقطے و اعراب کی غیر موجودگی کی وجہ سے بڑی بڑی غلطیاں کرتے۔ان حالات میں یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ قرآن میں اعراب لگائے جائیں۔ اعراب تو لگ گئے مگر کس نے لگائے؟ علماء میں یہ اختلاف ہے کہ یہ کارنامہ کس نے سرانجام دیا۔علماء تین حضرات کے نام لیتے ہیں جو ابوالاسود الدؤلی، یحیی بن یعمر اور نصر بن عاصم اللیثی کے ہیں۔زیادہ مشہور یہی ہے کہ ابوالاسود الدؤلی نے یہ کار خیر سرانجام دیا۔امام زرکشیؒ لکھتے ہیں:

مصحف پر سب سے پہلے اعراب ابوالاسود الدؤلی نے لگائے۔بعض علماء کے خیال میں انہوں نے یہ کام عبدالملک بن مروان کے حکم سے کیا۔ جس کا سبب یہ واقعہ بنا کہ ایک بار ابوالاسود الدؤلی نے قاری قرآن سے سنا کہ وہ یہ آیت ﴿...إِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ...﴾ (التوبة:۳) میں لفظ رسولُه کو رسولِه یعنی لام کو بجائے پیش کے زیر سے پڑھ رہا ہے۔جس سے معنی ہی بدل گیا۔ابوالاسود کو بہت تکلیف ہوئی اور کہا ''خدا کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ سے بیزار ہو۔'' بصرہ کے والی زیاد بن ابیہ نے انہیں پہلے

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

ہی فرمائش کی ہوئی تھی کہ آپ قرآن مجید کے اعراب لگائیں۔ چنانچہ وہ اس کام میں لگ گئے اور کاتب سے کہا: جب تم مجھے دیکھو کہ میں اپنے ہونٹ کسی حرف کے لئے اوپر کی جانب کھولتا ہوں تو اس حرف کے اوپر ایک نقطہ لگا دو اور اگر میں نے دونوں ہونٹوں کو باہم ملا دیا ہے تو پھر حرف کے آگے نقطہ لگا دو۔ اگر میں نے نیچے کی طرف اسے موڑا ہے تو اس کے نیچے نقطہ لگا دو۔ اس طرح وہ اس کام کو مکمل کرنے کے بعد زیاد کے پاس گئے اور کہا کہ ''میں نے حکم کی تعمیل کر دی۔'' (کتاب النقط: ۱۲۴)

بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ ابوالاسود نے خلیفہ عبدالملک کے حکم سے قرآن پر حرکات لگائیں۔ ابتداء میں وہ حرکات جو ابوالاسود الدؤلی نے وضع کیں وہ اس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل معروف ہیں۔ بلکہ زبر کے لئے حرف کے اوپر، زیر کے لئے نیچے اور پیش کے لئے حرف کے سامنے ایک نقطہ مقرر کیا گیا۔ جبکہ سکون کی علامت دو نقطے تھی۔ (مناہل العرفان از زرقانی ۱/۴۰۱)

تحسین حروف کی کوشش: عجمی مسلمانوں کو قرآن سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ان کی قراءت میں جہاں اعرابی غلطیاں ہوئیں وہاں حروف کی پہچان میں زبردست غلطیاں ہونے لگیں۔ صاد کو ضاد، اور عین کو غین یا دال کو ذال کی جگہ پڑھا جانے لگا۔ اسی طرح فتحہ، ضمہ اور کسرہ بھی اپنی مقدار یکساں نہ رکھ سکا۔ مسلمان علماء نے ان غلطیوں کے ازالے کے لئے یہ قدم اٹھایا کہ اب رسم قرآنی میں حروف کی تحسین کا کام کریں یہ کام اس کام سے مختلف تھا جو ابوالاسود الدؤلی نے سرانجام دیا تھا۔ چنانچہ حجاج بن یوسف کے حکم سے ابوالأسود کے شاگرد نصر بن عاصم نے اس کی ابتداء کی۔ انہوں نے کچھ ایسی علامات وضع کیں جن سے مشابہ حروف ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں۔ چنانچہ جو علامات، حرف پر نقطوں کی تھیں انہیں دوسری علامات کے ذریعے بدل دیا تا کہ ایک ہی لفظ یا حرف پر بہت سے نقطے قراءت کو مشکل نہ بنا دیں۔ یعنی اعراب کی علامات کو انہوں نے فتحہ، ضمہ اور کسرہ میں بدل دیا اور حروف کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے کے لئے نقطوں کا استعمال کر کے انہیں ایک دوسرے سے نکھار دیا۔ ایک رائے یہ ہے کہ ابوالأسود الدؤلی کے ساتھ ان کے شاگرد یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم اللیثی بھی اس میں شریک تھے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ابتداء میں ابوالأسود الدؤلی نے نقطوں سے حرکات وضع کیں۔ بعد میں حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر، نصر بن عاصم اور حسن بصری سے بیک وقت قرآن پر نقاط اور اعراب لگانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ ان علماء نے نقطوں سمیت ان حرکات کو متعارف کرایا جو آج ضمہ، فتحہ اور کسرہ کہلاتے ہیں۔ (تاریخ افکار و علوم اسلامی ۱/۱۱۳)

کتابت میں آیات کی تقسیم کے لئے صحابہ کرامؓ نے ہر آیت کی علامت مقرر کی جو آیت کے سروں پر لگائی جاتی تھی۔ یہ علامت تین نقطے (:.) کی تھی۔ (الاتقان ۱/۱۶۷) کتابت میں جب نکھار آیا تو ابوالاسود الدؤلی نے آیت کا نشان گول دائرہ (O) مقرر کر دیا۔ تھوڑا عرصہ بعد امام لغت خلیل بن احمد فراہیدی نے ہمزہ، شد، روم اور اشمام کی علامات قرآنی کتابت میں ڈال کر اس میں

مزید خوبصورتی اور آسانی پیدا کردی۔ رسم قرآنی کے ضبط کو مزید بہتر بنانے کے لئے یہ کوششیں ہمارے زمانے تک ہوئی ہیں جن میں آیات کی تعداد سمیت ہر سورت کا نام کتاب اللہ میں لکھا گیا، آیات میں رموز کا استعمال، قراءت میں مزید یکسوئی اور با مقصد بنانے کے لئے کیا گیا، معانی کو نکھارنے اور اجاگر کرنے کے لئے علامات وقف بنائی گئیں، مختلف رنگوں والا مجود مصحف وجود میں آیا تا کہ تجوید کو با آسانی سمجھا جا سکے اور الفاظ کی ادائیگی صحیح مخارج کے ساتھ ہو سکے۔

الحمدللہ آپ ﷺ کی وفات کے پندرہ سال بعد یہ قرآن، کتابت واداء کے محاسن کے ساتھ اور دوسری مرتبہ آپ ﷺ کی وفات کے صرف پینتالیس سال بعد یہ اپنے تمام تر محاسن کو لئے امت کے ہاتھ میں تھا۔ جس میں اعرابی اور حرفی وضاحت تھی اور دیگر بے شمار محاسن بھی۔ اس کوشش میں مسلمان حتی الامکان کامیاب ہوئے۔ نحو وصرف کے تمام تر قواعد بھی قرآن سے سچی لگن اور محبت کے سبب لکھے گئے۔ نیز تفاسیر، قرآنی لغات ومترادفات اور مختلف زبانوں میں اس کے لفظی ترجمے پر مشتمل سینکڑوں کتب اس میں غور وتدبر کا معمولی حق ہیں جو فرض سمجھ کر لکھی گئیں۔ سینکڑوں قراء حضرات کی مسحور کن آوازوں میں C.D's ہینڈی پن مین، IPOD نیز انٹرنیٹ پر موجود ان کی تجوید واحکام تلاوت (قلقلہ، اِشمام، اِخفاء، ادغام، اِقلاب اور اظہار وغیرہ) کے ساتھ آڈیو اور ویڈیو مختلف قراءتیں دستیاب ہیں جو بچوں، بچیوں، نوجوانوں اور بوڑھوں تک کو قرآن مجید کی اس نغماتی کیفیت کو اپنانے پر ابھارتی ہیں اور حفظ قرآن میں مدد دیتی ہیں۔ یونیورسٹیوں، اداروں اور معاہد میں قرآنی علوم پر ہونے والی ریسرچ اور کتب حدیث وفقہ جیسے اسلامی علوم وغیرہ دیکھ کر اور پڑھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن مجید کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی اور سچی عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔

معنی اور تلاوت کے اعتبار سے تقسیم: معنوی اعتبار سے قرآن، آیات اور سورتوں پر مشتمل ہے۔ اور تلاوت کے اعتبار سے اسے کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً احزاب، رکوع، سیپارے، اخماس، اعشار وغیرہ۔ یہ تقسیم ایسی خصوصیت ہے جس میں دنیا کی کوئی اور کتاب اس کے ہم پلہ نہیں۔ جاحظ کا کہنا ہے: اللہ تعالی نے اپنی کتاب کا ایسا نام رکھا ہے جو عربوں کے کلام سے مختلف ہے۔ اپنے سارے کلام کو اس نے قرآن کہا جیسے انہوں نے دیوان کہا۔ اس کی سورتیں قصیدہ کی مانند ہیں اور آیت بیت کی طرح اور اس کا آخر قافیہ سے ملتا جلتا ہے۔

قرآن پاک کی اکائی آیت ہے۔ جس کا مطلب ہے نشانی۔ آیتوں سے مل کر سورتیں بنتی ہیں۔ سورت کے معنی فصیل (Boundry Wall) کے ہیں۔ آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اور تقسیم کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک رائے کے

مطابق یہ ترتیب و تقسیم توقیفی ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ترتیب اجتہادی ہے۔ ان میں سے پہلی رائے زیادہ درست اور قابل اعتماد ہے اور اس کے دلائل بھی زیادہ قوی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

- وہ احادیث جو سورتوں کے فضائل سے متعلق ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سورتیں عہد نبوی ﷺ میں مرتب ہو چکی تھیں۔ مثلاً ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ "جو سورۃ البقرہ کی آخری دو آیات رات کو پڑھ لے وہ اس کے لئے کافی ہیں۔" (سنن ترمذی: ۲۸۸۱، حسن صحیح)

- وہ احادیث جو کتابت قرآن سے متعلق ہیں وہ بھی آیات و سورتوں کی ترتیب توقیفی کی دلیل ہیں۔ مثلاً سیدنا عثمانؓ فرماتے ہیں: آپ ﷺ وحی نازل ہونے کے بعد کاتبین وحی کو بلواتے اور فرماتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں اس جگہ پر رکھو جہاں اِن باتوں کا ذکر ہے۔ (سنن ترمذی)

- احادیث میں اگر کہیں سورتوں کی تلاوت کا غیر مرتب ذکر ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ سورتوں کی تلاوت میں ترتیب واجب نہیں بلکہ آگے پیچھے کی جا سکتی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے۔ ان دلائل کے علاوہ ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ موجودہ ترتیب میں لفظ **حم** ایسی سورتوں کے شروع میں ہے جو یکے بعد دیگرے آتی ہیں۔ لیکن "**مسبحات**" (سبح سے شروع ہونے والی سورتیں) میں ایسی ترتیب نہیں ہے بلکہ یہ سورتیں الگ الگ مقامات پر آتی ہیں۔ اگر ترتیب آیات و سور اجتہادی ہوتیں تو حم کی طرح "**مسبحات**" کو بھی ایک دوسرے کے بعد جمع کر دیا جاتا۔

- علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن کو **بین دفتین** (دو گتوں کے درمیان) عہد صدیقی میں جمع کیا۔ اس میں کسی قسم کی زیادتی یا کمی نہیں کی۔ اس کو بالکل ویسا ہی لکھا جیسا انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا یعنی ترتیب میں بھی کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہیں کی۔ ان کے بعد تابعین نے بھی اس ترتیب کو یاد کیا، لکھا اور نسلاً بعد نسل آج بھی اسی طرح ہمارے پاس محفوظ ہے۔ (الاتقان: ۷۱)

- یہ ترتیب حفظ قرآن کے لئے آسان اور شوق دلانے والی ہے۔ ہر سورت کا ایک موضوع ہے اور مقاصد ہیں۔ لمبی سورت ہونا اس کے معجزانہ ہونے کی شرط نہیں۔ سورۃ الکوثر بھی تو معجز ہے۔

احزاب یا منازل: صحابہؓ کا معمول تھا کہ تہجد میں قرآن کی تلاوت کیا کرتے اور ہفتہ میں ایک بار قرآن ختم کیا کرتے۔ اس مقصد کے لئے ان کی روزمرہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر تھی۔ جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا تھا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن پاک میں احزاب کی تقسیم خود نبی اکرم ﷺ نے کی تھی۔ (تاریخ القرآن از پروفیسر عبد الصمدؒ صارم: ۱۰۳) اوس بن حذیفہؓ فرماتے ہیں: میں نے صحابہؓ سے پوچھا کہ آپ نے قرآن کے کتنے حزب بنائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک حزب

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تین سورتوں کا، دوسرا پانچ کا، تیسرا سات کا، چوتھا نو کا، پانچواں گیارہ کا، چھٹا تیرہ کا، اور آخری حزب مفصل سورہ ق سے لے کر آخر تک کا۔(البرہان ۱/۲۴۷) زرکشیؒ لکھتے ہیں اگر ہم ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳ کو جمع کریں تو کل ۴۸ بنتے ہیں۔ اور اڑتالیس سورتوں کے بعد سورہ ق شروع ہوتی ہے۔ امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب عہد نبوی میں بھی وہی تھی جو آج ہے۔(فتح الباری ۹/۴۲)

نیز یہی تقسیم سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے مصحف میں ان کی ہفتہ وار تلاوت کے نشانات سے بھی ملتی ہے۔ جناب ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ایک بار سارے قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ان سات احزاب کی تقسیم اس طرح کی تھی۔

پہلی منزل	سورہ الفاتحہ سے سورہ النساء تک
دوسری منزل	سورہ المائدہ سے سورہ التوبہ تک
تیسری منزل	سورہ یونس سے سورہ النحل تک
چوتھی منزل	سورہ بنو اسرائیل سے سورہ الفرقان تک
پانچویں منزل	سورہ الشعرآء سے سورہ یٰس تک
چھٹی منزل	سورہ الصافات سے سورہ الحجرات تک
ساتویں منزل	سورہ ق سے سورہ الناس تک

اخماس اور اعشار: ابتداء میں قرآن میں اخماس اور اعشار کی علامات بھی لگائی جاتیں۔ اخماس سے مراد یہ تھی کہ ہر پانچ آیات کے بعد حاشیہ پر لفظ ''خماس'' یا ''خ'' لکھ دیتے تھے جبکہ ہر دس آیتوں کے بعد ''عشر'' یا ''ع'' لکھ دیتے تھے۔ جو رمز (Abbreviation) تھے۔(مناہل العرفان ۱/۴۰۳) ایک قول کے مطابق حجاج بن یوسف ان کا اولین موجد ہے جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ خلیفہ مامون ان کا موجد تھا۔(البرہان ۱/۲۵۱) ایک اور قول یہ ہے کہ صحابہؓ کے دور میں ان علامات کا وجود ملتا ہے۔ مثلاً مسروقؒ کہتے ہیں ''عبداللہؓ بن مسعود مصحف میں اعشار کے نشان کو مکروہ سمجھتے تھے۔''(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۱۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے موجد صحابہ رسول تھے۔ اب یہ سب علامات عنقا ہوگئی ہیں۔

آیت: عربی زبان میں لفظ آیت کے متعدد معانی ہیں۔ معجزہ، علامت اور عبرت کے معنی میں بھی آیت کا لفظ قرآن کریم میں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

استعمال ہوا ہے۔ برہان اور دلیل کے معنی بھی یہ لفظ دیتا ہے۔اسی طرح لفظ آیت حیران کن معاملے کے لئے بھی ہے جیسے: فُلانٌ آيَةٌ فِي الْعِلْمِ وَفِي الْجَمَالِ ۔فلاں شخص علم میں یا جمال میں ایک آیت ہے مراد یہ کہ اس کا علم یا جمال حیران کن ہے۔اسی طرح لفظ آیت: جماعت کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے عرب کہا کرتے ہیں: خَرَجَ الْقَوْمُ بِآيَتِهِمْ ۔لوگ اپنی آیت یعنی جماعت سمیت نکل آئے۔

اصطلاح میں الفاظ وحروف کا وہ مجموعہ جس کا مطلع یعنی آغاز اور مقطع یعنی اختتام قرآن کریم کی کسی سورت میں درج ہو۔یعنی قرآن کریم کی سورت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جس کا اپنا آغاز ہے اور اپنی انتہاء بھی۔اور ہر آیت، اگلی وپچھلی آیت سے گہرا تعلق بھی رکھتی ہے۔قرآن مجید میں کل چھ ہزار دوسو آیات ہیں۔علماء کا ان کی تعداد میں اختلاف وقف کا ہے یعنی محض دو آیتوں کو ایک سمجھنے یا ہر آیت کو الگ الگ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔آیات قرآنیہ کی ترتیب توقیفی ہے۔جبریل امین نے جس طرح آپ ﷺ کے قلب اطہر پر اتاریں اسی ترتیب سے آپ ﷺ نے انہیں اپنی نمازوں اور خطبوں میں پڑھا۔یہی ترتیب ملحوظ رکھنا فرض ہے۔آیت کی ابتداء اور انتہاء کے بارے میں آ گاہی بھی آپ ﷺ ہی نے دی ہے۔مثلاً سورہ فاتحہ کو آپ نے سبع مثانی فرمایا۔سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تحدید بھی آپ نے مَنْ قَرَأَ بِالْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ ۔جس نے رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تلاوت کی وہ اسے کافی ہوں گی۔فرمائی (متفق علیہ) اور یہ بھی فرمایا: تَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ ۔تمہیں آیت صیف ہی کافی ہوگی جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔(مسند احمد ۱/۲۶) اسی طرح بعض علماء نے ہر سورہ کے شروع میں حروف مقطعات کو بھی آیت شمار کیا ہے۔سوائے حم عسق کے اسے کوفی علماء نے دو آیتیں قرار دیا ہے اور طس، یس، الر اور المر کو بھی آیت شمار کیا ہے مگر صرف ایک حرف یعنی ق، ن، ص کو آیت شمار نہیں کیا۔علماء کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ ہر آیت پر وقف سنت ہے جس کی اتباع ضروری ہے۔آیات کے اعتبار سے قرآن کریم کی عین درمیانی آیت سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۴۵ ہے جو ﴿يأفكون﴾ پر ختم ہوتی ہے۔کلمات کے اعتبار سے نصف سورہ الحج کی آیت نمبر ۲۰ میں ﴿والجلود﴾ اور اس کے بعد باقی نصف آخر تک۔حروف کے اعتبار سے سورہ الکہف میں لفظ ﴿ نكراً ﴾ میں نون اور اس کا کاف اگلے نصف ثانی کے لئے شروع ہوتا ہے۔یہ بھی ایک رائے ہے کہ ﴿تستطيع﴾ کی عین نصف ہے اور دوسری یہ بھی ﴿وليتلطف﴾ میں دوسری لام بھی عین نصف ہے۔بہرحال ہر آیت ایک دلیل بھی ہے اور برہان بھی اور معجز بھی ہے اس لئے اس میں حیران کن احکام، عقائد اور تنبیہ و دروس ہوتے ہیں۔اور اپنی بلاغت وفصاحت میں بھی منفرد ہوتی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

رکوع: رکوع کی علامت "ع" ہے جو حاشیہ پر لکھی جاتی ہے۔ رکوع کی علامت کا آغاز دورِ صحابہؓ کے بعد ہوا۔ ایک رائے کے مطابق یہ تقسیم حجاج بن یوسف نے کی۔ یہ علامت اس جگہ لگائی گئی جہاں سلسلہ کلام ختم ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ معنی کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ لہذا یہ تقسیم بہت حد تک صحیح ہے۔ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی مقدار کا تعین تھا جو نماز کی ایک رکعت میں پڑھی جا سکے۔ اسی لئے اس کو رکوع کا نام دیا گیا کہ وہ مقام جہاں نماز میں قراءت ختم کر کے رکوع کیا جائے۔ اس کا تعلق نماز تراویح سے نہ تھا بلکہ بعد میں یہ بات مشائخ کے اپنے اجتہاد و فعل کی طرف منسوب کی گئی۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں یہ تحریر ملتی ہے: مشائخ احناف نے قرآن کو پانچ سو چالیس رکوع میں تقسیم کیا ہے اور مصاحف میں اس کی علامات بنادی ہیں تا کہ تراویح میں ستائیسویں شب کو قرآن ختم ہو سکے۔ (فتاویٰ عالم گیری: فصل التراویح: ۹۴) بعد میں بعض خوش نویسوں نے طویل رکوعوں کی مزید تقسیم کر دی اور ۵۴۰ کی بجائے ۵۵۸ رکوع کے نشان بنا دیے اور طلبہ کی آسانی کے لئے پاک و ہند میں شائع ہونے والے قرآن کریم میں ہر رکوع پر مخصوص نمبر لگا دئے۔ ع، رکوع کا مخفف ہے اس کے اوپر لکھے ہوئے عدد کا مطلب ہے کہ یہ اس سورہ کا رکوع نمبر ہے اور درمیان میں لکھے گئے عدد سے مراد اس رکوع کی کل آیات ہیں اور سب سے نیچے لکھے ہوئے عدد سے مراد اس پارے کے رکوع کا نمبر ہے۔

سیپارے: قرآن کی ایک اور تقسیم پاروں کے اعتبار سے بھی کی گئی۔ یہ تقسیم کس نے کی، نام متعین نہیں ہو سکا۔ لیکن یہ تقسیم ایسی عجیب سی ہے جس میں معنی اور سلسلہ کلام کا خیال نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات پارہ بالکل ادھوری بات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ تقسیم پسند نہیں کی گئی۔ ایک رائے کے مطابق یہ تقسیم بچوں کو قرآن پڑھانے میں آسانی کے لئے کی گئی۔ علامہ بدرالدین زرکشیؒ کا کہنا ہے: قرآن پاک کے تیس پارے جو مشہور چلے آ رہے ہیں مدارس کے نسخوں میں انہی کا رواج ہے۔ (البرہان ۱/۲۵۰) جبکہ ایک اور رائے کے مطابق یہ تقسیم اس لئے کی گئی کہ قرآن، مہینہ میں ختم کیا جا سکے۔ اس رائے کی بنیاد ایک حدیث پر ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمروؓ سے فرمایا:

> "قرآن ایک مہینے میں ختم کیا کرو اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو فرمایا کہ اچھا تو پھر ایک ہفتہ میں قرآن ختم کیا کرو"۔

بہر حال یہ تقسیم بھی قریب تعداد میں آیتوں کی گنتی کر کے بنائی گئی ہے جو غیر منطقی ہے اس میں پھر مناسب تبدیلی کی گئی۔ ہر پارہ کو تقریباً دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور پھر چار حصوں میں۔ جو ربع اور نصف سے معروف ہیں۔ مجمع الملک فہد سے شائع ہونے والے قرآن مجید میں یہی ترتیبِ سیپارہ بہتر کر دی گئی ہے۔ ہر آدھے پارے کو حزب بنایا گیا ہے۔ ابتداء سے انتہاء قرآن

کریم تک ان احزاب کو مسلسل اور ترتیب وار شمار کیا گیا ہے اور پھر ہر حزب کو چار حصوں میں تقسیم کر کے مزید آسانی کر دی گئی ہے۔

سورت: اسی عربی میں تاء مربوطہ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔جس کی جمع سُوَر آتی ہے۔اس لفظ کو دو حیثیتوں سے بولا جاتا ہے:

۱۔ السُّؤْرَة: ہمزہ کے ساتھ۔ جو أَسْأَرُ سے مشتق ہے۔جس کا معنی ہے: أَبْقٰی۔باقی رہنے والا۔ السُّؤْرُ: باقی ماندہ۔پانی جو پی کر برتن یا گلاس میں چھوڑ دیا جائے۔اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے گویا کہ سؤرۃ بھی سارے قرآن کا بقیہ حصہ ہے اور اس کا ایک ٹکڑا ہے۔

۲۔**السُّوْرَة**: بغیر ہمزہ کے۔اس کا معنی مقام و مرتبہ ہے یا لمبی و خوبصورت عمارت ہو جو ایک علامت ہو۔اس اعتبار سے سورت نام پھر اس لئے ہے کہ یہ اپنے مرتبے اور مقام کے اعتبار سے اس سچائی کی علامت ہے جو اس میں بیان کی گئی ہے۔اور ایک دلیل بھی ہے کہ یہ سارا قرآن اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اس کا کلام ہے۔قلعے کی اونچی دیوار کو سُوْر کہتے ہیں۔دو وجہ سے لفظ سورت اس لفظ کے مشابہ ہے:

۱۔دیوار اونچی محسوس ہوتی ہے۔سورت اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے بھی بلند و بالا محسوس ہوتی ہے۔

۲۔دیوار کی اٹھان ایک دوسرے پر رکھی گئی اینٹوں پر ہوتی ہے۔آیات جو یکے بعد دیگرے آتی ہیں سورت کی اٹھان بھی ان پر ہوتی ہے۔

علماء قرآن کے نزدیک سورت قرآن کریم کی آیات کے اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کا ایک مطلع یعنی آغاز ہوتا ہے اور اس کا ایک مقطع یعنی اختتام ہوتا ہے۔یہ سب ایک سو چودہ سورتیں ہیں جس کا آغاز الفاتحہ سے اور اختتام الناس سے ہوتا ہے۔اکثر سورتیں ایسی ہیں جن کا ایک ہی نام ہے جیسے النساء، الأعراف، الأنعام، مریم وغیرہ۔مگر کچھ ایسی بھی ہیں جن کے متعدد نام ہیں۔ان میں کسی کے دو نام ہیں: جیسے: محمد ،اس کا ایک نام القتال بھی ہے۔اور الجاثیة اس کا دوسرا نام الشریعہ بھی ہے۔سورۃ النحل کا دوسرا نام النِّعَم ہے اس لئے کہ اس میں متعدد نعمتوں کا ذکر ہے۔

اسی طرح سورہ المائدة کے دو اور نام ہیں: العُقُود ،اور المُنْقِذَة،سورة غافر کے بھی اسی طرح دو اور نام ہیں: الطَّوْل اور المُؤمِن۔

بعض سورتیں ایسی ہیں جن کے تین سے زیادہ نام ہیں: مثلاً: سورة التوبة کے یہ نام بھی ہیں: بَرَاءَة، الفاضِحَة اور الحَافِرَة،

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سیدنا حذیفہ فرماتے ہیں یہ سورۃ العذاب ہے۔ابن عمرؓ فرمایا کرتے: ہم اسے المُشَقْشِقَة کہا کرتے۔اور الحارث بن یزید کہتے ہیں: اسے المُبَعْثَرَة ، المُسَوَّرة اور البَحُوث بھی کہا جاتا۔(البرہان ۱/۵۲۱) اسی طرح سورۃ فاتحہ کے امام سیوطیؒ نے پچیس نام لکھے ہیں۔

کچھ سورتوں کا ایک ہی نام ہے: جیسے البقرة اور آل عمران کو الزھراوَین کہا جاتا ہے۔اور الفلق اور الناس کو المُعَوَّذَتَیْن اور وہ پانچ سورتیں جن کا آغاز حٰم سے ہوتا ہے انہیں آل حامیم یا حوامیم کہتے ہیں۔

طباعت قرآن: ابتداء میں جب تک پریس ایجاد نہ ہوا تھا۔قرآن کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے۔پریس ایجاد ہونے کے بعد سب سے پہلے سن ۱۵۳۰ء میں اٹلی کے شہر "البندقیہ" میں قرآن طبع ہوا مگر کلیسا اسے برداشت نہ کر سکا اور اسے ضائع کرنے کا حکم دیا۔پھر ۱۶۹۷ء اور ۱۶۹۸ء میں جرمنی اور اٹلی کے مستشرقین نے قرآن چھپوائے لیکن انہیں مقبولیت حاصل نہ ہوسکی۔صحیح مصدقہ قرآنی طباعت سب سے پہلے مولائی عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں کی۔اسی طرح قازان میں بھی قرآن کو طبع کیا گیا۔ ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں پتھر پر قرآن چھاپا گیا۔اس کے بعد ہندوستان میں کئی بار قرآن مجید شائع ہوا۔۱۸۷۷ء میں ترکی کے شہر آستانہ (استنبول) میں طباعت قرآن ہوئی۔۱۹۲۳ء میں شیخ الازہر کی زیر سرپرستی قرآن کا ایک حسین وجمیل نسخہ شائع کیا گیا۔جسے تمام اسلامی دنیا میں بہت شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔اور لاکھوں نسخے ہر سال شائع کر کے اطراف عالم میں بھیجے جاتے رہے۔مشرق ومغرب کے تمام علماء اس بات پر متفق تھے کہ اس نسخے کی طباعت و کتابت ہر لحاظ سے مکمل اور معیاری ہے۔

مصحف مرتل: قرآن کریم کو ترتیل سے تلاوت کر کے ریکارڈنگ کرنے کا یہ منصوبہ، استاذ لبیب سعید کی سربراہی میں ۱۴/رمضان ۱۳۷۹ھ کو قاہرہ میں پہلے اجلاس میں طے ہوا۔تاکہ لوگوں کو قراءت قرآن کے صحیح نطق کی تعلیم ہو اور صحیح تلفظ کان میں پڑے۔اور شاذ قراءتوں سے چھٹکارا ملے۔چنانچہ محرم ۱۳۸۱ھ میں شیخ محمود الحصری کی آواز میں قرآن کریم کی قراءت بہ روایت حفص عن عاصم مکمل ہوئی اور ۱۳۸۲ھ میں ابوعمرو کی قراءت بہ روایت دوری مکمل ہوئی۔چند دیگر قراء حضرات کی مختلف روایتوں سے بھی ریکارڈنگ ہوئی تھی مگر یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچے بغیر توقف کا شکار ہوگیا۔اس ریکارڈنگ کو مصحف مرتل کہتے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قراءتِ قرآن کریم کے چار انداز ہیں:

تحقیق: جوانتہائی اطمینان سے پڑھنے کی حالت ہے زبان کوقرآنی لہجہ میں ڈھالنے کی مشق کا یہ انداز عام ہے۔

ترتیل: اطمینان اورٹھہراؤ سے قرآن کریم کی تلاوت ۔یہی سب سے افضل قراءت ہے۔

تدْوِیر: یہ ترتیل اورحدر کے درمیان کی کیفیتِ قراءت ہے۔

حَدَر: احکام قراءت کا خیال کرتے ہوئے تیزی سے قراءت کرنے کوحدر کہتے ہیں ۔امام مجاہدؒ سے پوچھا گیا:مَنْ أَقْرَأُ النَّاسِ؟ لوگوں میں سب سے زیادہ بہترین قاری کون ہوسکتاہے؟فرمایا:مَنْ حَقَّقَ فِی حَدَرٍ۔جس نے حدر میں احکام قراءت کا خیال رکھا۔

مصاحف مرتلہ ترتیل صحیح کی ایک ممتاز صوتی صورت ہے اس لئے جہاں معلم قرآن نہ ہو یا علاقے دور دراز کے ہوں وہاں تحفیظ قرآن کریم کے لئے اوراس کی تعلیم کے لئے یہ ریکارڈنگ بہت ہی مفید ہے۔ہمارے دور میں سعودی عرب میں مدینہ منورہ کا **مجمع الملک فهد** صفر۱۴۰۵ھ سے طباعت قرآن کا ایک تاریخی کردارادا کررہاہے۔تیس ملین قرآنی نسخوں کی سالانہ خوبصورت طباعت،عمدہ کاغذ وتجلید اورپھر دنیا بھر کی زبانوں میں اس کے تراجم نیز قراءحضرات کی مرتل ریکارڈنگ اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ پھراس کی مفت تقسیم واقعی ایک قابل قدر کارنامہ ہے جودنیائے اسلام میں اور پوری دنیا میں اللہ کے اس پیغام کوعام کرنے کا سبب بن رہاہے۔یہ سب قرآن مجید کی حفاظت کے الٰہی سامان ہیں جوتا ابد رکھنے کے کئے جارہے ہیں۔

متفقہ رائے: ہر دور کے علماء کی یہ متفقہ رائے رہی ہے کہ مرتب مصحف کے مطابق ہی تلاوت ہونی چاہئے یعنی ایک آیت کے بعد دوسری آیت یا ایک سورت کے بعد دوسری سورت تلاوت کرنی چاہئے۔سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ کیا جاتا ہے۔نیز کتابت بھی اسی ترتیب سے ہونی چاہئے۔مستقبل کی ضروریات مدنظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی توقیفی ترتیب مقرر کی گئی۔اس ترتیب کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ہرآیت کا ہرکلمہ تقدیم وتاخیر کے بغیر اپنے مقام پر ہو۔اسی نص پر اجماع ہے۔کوئی ایسا عالم یا گروہ نہیں جو للہ الحمد رب العالمین پڑھتا ہو بلکہ سبھی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ پڑھنے کے ہی قائل ہیں۔

۲۔آیت کی ایسی ترتیب کہ ہرآیت سورۃ میں اپنے ہی مقام پر ہو۔یہ بھی نص اوراجماع سے ثابت ہے راجح قول یہی ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے۔اس سے اختلاف کرنا حرام ہیں ایسی تلاوت بھی غلط ہوگی:﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○﴾ کی بجائے مالك یوم الدین الرحمن الرحیم پڑھا جائے۔

اسی طرح مسند احمد (حدیث نمبر ۳۹۹)، سنن ابی داوٗد (۷۸۶)، سنن نسائی (۸۰۰۷) وسنن ترمذی (۳۰۸۶) میں سیدنا عثمانؓ سے ایک روایت ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ پر جب مختلف سورتیں نازل ہوتیں تو آپ ﷺ نزول کے بعد کسی کاتب کو بلوا بھیجتے پھر آپ ﷺ اسے فرماتے کہ ضَعُوْا هٰذِهِ الْآيَاتِ فِي السُّورَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَ كَذَا۔ ان آیات کو اس سورۃ میں وہاں رکھو جس میں یہ یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

۳۔ قراءت میں سورتوں کی ایسی ترتیب کہ مصحف میں ہر سورۃ اپنے مقام پر ہو۔ غالب اجتہادی ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ قراءت یا کتابت میں یہ ترتیب واجب نہیں۔ ان کا استدلال سیدنا حذیفہ بن یمانؓ کی (صحیح مسلم: ۷۷۲) روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے سورۃ البقرۃ تلاوت فرمائی، پھر سورۃ النساء، اور پھر آل عمران۔ نیز امام بخاریؒ احنف سے تعلیقاً بیان فرماتے ہیں:

> انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ کہف پڑھی، اور دوسری میں سورہ یوسف یا یونس اور پھر بیان کیا کہ انہوں نے سیدنا عمرؓ بن خطاب کے ساتھ انہی دو سورتوں کے ساتھ نماز فجر پڑھی تھی۔ (باب الجمع بین السورتین فی الرکعۃ)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ایک سورۃ کو دوسری سورۃ کے آگے پیچھے پڑھا جا سکتا ہے اور کتابت بھی کی جا سکتی ہے۔ اسی لئے تو صحابہ رسول کے مصاحف، کتابت میں ایک دوسرے سے مختلف تھے مگر جب انہوں نے خلافت عثمانی میں ایک ہی مصحف پر اتفاق کر لیا تو یہ خلفاء راشدین کی سنت قرار پائی اور حدیث رسول میں ہے کہ (جب سنت رسول نہ ہو تو) ان کی سنت کی اتباع واجب ہے۔

توقیفی ترتیب میں مکی و مدنی سورتیں باہم جڑ کر سات گروپ میں منقسم ہو گئی ہیں۔ بعض علماء کے ہاں یہی سبع من المثانی کا مفہوم ہے ان میں ہر گروپ مکی دور سے شروع ہو کر مدنی دور پر اختتام پذیر ہوتا ہے اس طرح کار رسالت کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ جس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ ہر گروپ میں سورتوں کی ترتیب نزولی ہے یعنی ہر گروپ کے اندر سورتیں اسی ترتیب سے رکھی گئی ہیں جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

۱۔ان عوامل کی وضاحت کیجئے جو آنحضرت ﷺ کے دور میں قرآن مجید کی حفاظت کے لئے اپنائے گئے؟

۲۔آپ ﷺ کے عہد مبارک میں کن اسباب کے پیش نظر قرآن کی کتابت کی گئی؟

۳۔عہد صدیقی میں قرآن مجید کی حفاظت کے لئے کئے گئے اقدام کی وضاحت کریں؟

۴۔ان فوائد کا ذکر کیجئے جو عہد صدیقی میں حفاظت قرآن کی صورت میں سامنے آئے۔

۵۔جمع قرآن اور اس کی تدوین کے کام کا جو خاکہ حضرت ابو بکرؓ نے بنایا وہ کیا تھا؟

۶۔حضرت عثمانؓ نے جمع وتدوین قرآن پر جو کام کیا۔اس کی اہمیت پر تبصرہ کیجئے۔

۷۔درج ذیل کی وضاحت کیجئے۔

سورتوں میں آیات کی ترتیب　　مصحف میں سورتوں کی ترتیب　　سورتوں کے نام

۸۔قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے بارے میں علماء کا کیا کہنا ہے؟ واضح کیجئے۔

۹۔درج ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھئے۔

نقطے واعراب　　احزاب　　رکوع وسپارے

مشق

۱۔جمع وتدوین قرآن پر درج ذیل کتاب کی مدد سے ایک نوٹ لکھئے۔

تاریخ افکار وعلوم اسلامی (جلد اول)، مؤلف راغب الطباخ، باب ۶/ص ۱۱۵

۲۔ مورلیس بکائی کی کتاب "قرآن، بائیبل اور سائنس" میں سے قرآن پر ایک جامع نوٹ لکھئے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:7

علوم قرآن

تعریف علوم قرآن : قرآن مجید میں واقع مختلف مباحث، مثلاً: نزول قرآن، وحی کا بیان، مصاحف میں اس کی کتابت، جمع اور تدوین، محکم ومتشابہ آیات، مکی ومدنی سورتیں، اسباب نزول، قرآن کے الفاظ کی تفسیر وترجمہ، ان کی اغراض وخصوصیات، وغیرہ سے متعلق گفتگو کو ''علوم القرآن'' کہتے ہیں۔ ان کا مقصد قرآن مجید کی تمام جزئیات، کلیات اور تصورات کو واضح کرنا اور سمجھنا ہے۔ اس علم کو اصول التفسیر بھی کہتے ہیں۔

امام زرکشیؒ نے اپنی معروف کتاب **البرہان** میں علوم القرآن کے تینتالیس موضوعات شمار کر کے ان پر تفصیلی گفتگو چار ضخیم اجزاء میں کر دی ہے۔ علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ نے ان کی تعداد اسی (۸۰) شمار کی ہے اور ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے جبکہ کلام اللہ میں اور بھی بے شمار علوم ہیں جن کی تعداد تین سو سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان علوم میں سے چند کے نام یہ ہیں:

۱۔علم تجوید	۲۔علم محکم ومتشابہ	۳۔علم قراءت
۴۔علم اسباب نزول	۵۔علم رسم قرآنی	۶۔علم اعجاز قرآن
۷۔علم اعراب قرآن	۸۔علم ناسخ ومنسوخ	۹۔علم مکی ومدنی
۱۰۔علم غریب قرآن	۱۱۔علم تفسیر	

فوائد علوم قرآن: علوم القرآن کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً:

رسم قرآن کا علم بتاتا ہے کہ قرآن کی تحریر بتدریج اپنے کمال تک کن کن مراحل سے ہو کر پہنچی۔ اس کی تشکیل کب اور کیسے ہوئی؟ اسی طرح احزاب، منازل، اجزاء اور ہر سورۃ کے نام وغیرہ کب، کیوں اور کیسے متعین ہوئے۔ مصحف قرآنی کے مختلف خطوط کا تعین اور پھر کتابت جیسی دلچسپ باتیں یہی علم کرتا ہے۔

علم تجوید، قرآن کریم کے طالب علم کو حروف کے صحیح مخارج ونطق کی معرفت دیتا ہے۔ اس کی مشق تلاوت قرآن یا سماع قرآن کی لذت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ تجوید کے بغیر قرآن کی تلاوت غیر مؤثر رہتی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

علم قراءت پر دسترس اسی تلاوت کا خوگر بناتی ہے جو ہادی برحق نے ترتیل سے کی تھی۔ اور جس کے مختلف طرز ادا تھے۔

اسبابِ نزول آیات وسور کے پس منظر سے آگاہ کرتا اور ان کی تشریح وتوضیح میں بھرپور معاونت کرتا ہے۔

ناسخ ومنسوخ کا علم، قرآنی آیات میں بیان کردہ مخصوص حکم کی پہلی اور آخری نزولی ترتیب کا تعین کرتا ہے۔ وہ ذات اپنی حکیمانہ تدبیر سے جو حکم چاہے، ابتداءً نازل کردے اور بعد میں اس حکم کو اٹھالے اور اس کی جگہ زیادہ بہتر حکم نازل کردے یا ویسا ہی حکم لا کر ہمارے ایمان کا امتحان لے۔ عقل انسانی کو شاہد بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی آیات والفاظ میں سے جتنا چاہے باقی رکھے اور جو چاہے محو کردے۔

مکی ومدنی آیات وسور کے علم سے اس تقسیم کی حکمتیں اور فوائد ظاہر ہوتے ہیں، قرآن مجید کیوں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا؟ عقائد اور احکام کے نزول میں تدریجی پہلو کیوں پیش نظر رکھے گئے؟ یہ علم روایات مختلفہ کو چھانٹنے اور ان کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے میں بڑا ممد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔ خاص طور پر دعوت اسلامی کے مراحل کو سمجھنے میں، تا کہ ہر علاقے اور ہر زمانے میں دعوت دین کے دوران داعی حضرات کو ان سے استفادہ کا موقع ملے۔ یہ علم سیرت نبوی سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ نیز آیات اور الفاظ کے معنی ومفہوم میں امکانی تحریف کو یہی علم ہی کھنگالتا ہے۔

قرآن فہمی کے لئے **عربی زبان** کا علم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ عربی زبان جو قرآن فہمی میں مدد دے۔ اس کی مددگار قرآن مجید واحادیث کی لغات، گرامر صرف ونحو اور احادیث نبویہ ہیں۔

تفسیر قرآن کے لئے یہ علوم کنجی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ علوم طالبِ علم کو قرآن کے افہام وتفہیم میں اعتماد دیتے اور درست منہج عطا کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف ان سے عملاً مستفید ہوتا ہے بلکہ تعلیم وتعلّم کا جذبہ بھی بیدار کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میری ہمت وقوت میں اضافہ کا سبب نہ صرف یہ پاک کلام ہے بلکہ فہم وعقل کو جلا بخشنے والی یہ مقدس کتاب ہے۔ اسی معنی میں قرآن کو آسان کتاب کہا گیا ہے۔ طالب علم کو یہی علوم، قرآن پر کئے گئے اعتراضات، تحریفات اور شبہات کا مدلل جواب دینے کی صلاحیت عطا کرتے ہیں۔ قرآنِ مجید کے اسرار ورموز، عقائد واحکام کا علم اور ان کی حکمتیں انہی علوم کی مرہون منت ہیں۔

تدوینِ علومِ قرآن کی مختصر تاریخ: قرآن کریم کے علوم کی بنیاد دورِ رسالت میں ہی رکھ دی گئی تھی جسے صحابہ کرامؓ نے اجتہادی فہم سے استوار کیا اور بعد کے علماء نے اس کو مزید نکھارا۔ اس تدوین کو تاریخی طور پر تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پہلا دور: تدوین سے قبل کا عہد : یہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا، سینوں میں محفوظ ہوا اور لکھا بھی گیا۔اس عہد کے عرب حضرات کے لئے قرآن کا سمجھنا اور سمجھانا اس لئے آسان تھا کہ قرآن انہی کی زبان میں اترا۔آپ ﷺ بھی عرب اور مخاطب قوم بھی عرب تھی۔قرآن نے غیر عربوں کے لئے بھی اپنے پیغام میں خاصی کشش رکھی جسے سمجھنا ان کے لئے بھی چنداں مشکل نہ تھا۔یہود، نصاریٰ اور غیر عرب حضرات سبھی دور رسالت میں قرآن کی سماعت سے متاثر نظر آتے ہیں۔صحابہ کرامؓ اسے بہتر انداز سے سمجھتے، پڑھتے، عمل کرتے اور سمجھاتے تھے۔مثلاً:

سیدنا عبداللہؓ بن مسعود روایت کرتے ہیں جب یہ آیت ﴿**الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**O﴾ (الأنعام:۸۲) اتری تو ہم پریشان ہو گئے۔خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اللہ کے رسول ﷺ أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ؟ ہم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے ساتھ ظلم وزیادتی نہیں کرتا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مفہوم آیت کا تم سمجھ رہے ہو یہاں وہ مراد نہیں بلکہ یہ وہی ہے جو لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا تھا، ﴿**يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ**O﴾ (لقمان: ۱۳) بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا یقیناً شرک کرنا بڑا ظلم ہے یعنی ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔

اس لئے صحابہ رسول یہ جانتے تھے کہ فلاں آیت کس پس منظر میں نازل ہوئی، اس کا معنی ومفہوم کیا ہے۔کون سی آیت منسوخ ہو چکی ہے اور کن آیات متشابہات پر ہم نے صرف ایمان رکھنا ہے اور ان کی تاویل نہیں کرنی۔اگر کوئی مشکل پیش آتی تو آپ ﷺ ان کے درمیان موجود تھے جن سے وہ دریافت کر لیتے۔اس لئے اس دور میں علوم قرآن متعارف کرانے یا انہیں مدون کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔اور بھی کئی وجوہات تھیں۔جن میں چند اہم درج ذیل ہیں:

☆ ......اس دور میں اگرچہ قرآن سے متعلق علوم موجود تھے اور صحابہ کرامؓ ان سے واقف بھی تھے لیکن ان علوم نے ابھی تک کوئی ایسی واضح شکل اختیار نہ کی تھی کہ ان کو باقاعدہ طور پر ضبط تحریر میں لایا جاتا۔

☆ ...... اس دور میں نزول قرآن کے ساتھ تدوین قرآن کا کام بھی ہو رہا تھا اور صحابہ کرامؓ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ تدوین میں مصروف تھے کہ کسی اور موضوع پر کوئی کام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

☆ ......قرآن عربی زبان میں قلبِ رسول ﷺ پر نازل ہوا تھا جو عربوں کی اپنی زبان تھی۔اس لئے انہیں قرآن سے متعلق علوم مثلاً: علم التجوید، علم الاعراب، علم غریب القرآن وغیرہ سے بخوبی واقفیت حاصل تھی لہٰذا ان تمام علوم کو مدوّن کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ ......ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن ان کے سامنے نازل ہوا تھا۔انہیں بخوبی علم تھا کہ کونسا حصہ کس موقع پر اور کس پس منظر میں نازل ہوا اور یوں وہ علم تفسیر، ناسخ ومنسوخ، علم مکی و مدنی، علم نزول، علم وحی، علم اسباب وغیرہ کے بارے میں اچھی طرح جان چکے تھے۔

☆ ...... اگر صحابہ کرامؓ کو اہل زبان ہونے اور نزول قرآن کا شاہد ہونے کے باوجود کوئی مشکل پیش آجاتی تھی تو وہ براہ راست نبی اکرم ﷺ سے اس کا حل دریافت کرلیا کرتے تھے۔

☆ ...... علوم قرآن کو احاطہ تحریر میں لانے کے سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کے علاوہ کسی بھی قسم کی کتابت سے منع کیا تھا کیونکہ اس سے یہ احتمال تھا کہ وہ قرآن میں شامل ہو جائے گا۔لہذا نہ صرف علوم القرآن کی کتابت بلکہ کسی بھی موضوع کی کتابت کی طرف توجہ نہ دی گئی۔

دوسرا دور: تدوین کا عہد اور اس کا آغاز: رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کے سلسلے میں جو علمی و تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھیں ان کا بنیادی مقصد، خدمت قرآن، اس کے صحیح فہم کی اشاعت کرنا اور کسی بھی کج فہم کی ممکنہ شرارتوں سے قرآن مجید کو محفوظ رکھنا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دور صحابہؓ میں ہی فضائل قرآن، علم تفسیر، علم رسم قرآن اور علم اعراب القرآن پر بہت کچھ کہا بھی گیا اور لکھا بھی گیا۔

خلافت صدیقی و فاروقی: اس عہد میں علوم قرآن کی نشرو اشاعت محض زبانی نہ رہی بلکہ تدوین کی ابتدا اس عہد میں ہی شروع ہوئی۔صحابی رسول ابوالمنذر اُبی بن کعبؓ نے عجمیوں میں قرآن مجید کی عظمت کو جاگزیں کرنے کے لئے فضائل قرآن پر ایک کتاب لکھی۔اس میں دلوں کو نرمانے اور قرآن کی طرف مائل کرنے کے لئے اہم علمی نکات تھے۔اسی طرح غیر عربی اقوام کو اصول دین سے آگاہ کرنے اور قرآن کے معنی ومفاہیم سے روشناس کرانے کے لئے علم التفسیر کی تدوین بھی انہوں نے شروع کی۔ان کا انتقال عہد فاروقیؓ میں ہوا تھا۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہد صدیقیؓ یا عہد فاروقیؓ کی کتابیں ہیں۔سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کا بھی علوم قرآن میں ایک قابل قدر حصہ ہے جو ان کے ارشد تلامذہ سعید بن جبیر، مجاہد بن جبر وابوالعالیۃ الریاحی کی روایات سے تفاسیر میں سموئی جا چکی ہے۔ترجمان القرآن کا لقب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دیا تھا۔

خلافتِ عثمانیؓ: سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں اسلامی خلافت کی حدود مزید پھیلیں اور لوگ مسلمانوں کے کردار، اخلاق اور نیکی و پاکیزگی سے متاثر ہو کر اسلام میں جوق در جوق داخل ہوئے تو انہیں بھی قرآن مجید کو پڑھنے سمجھنے کا شوق ہوا۔یہ نئے لوگ

عربی زبان سے نابلد، قرآن مجید کے نزول کی اہمیت سے ناآشنا اور جو حالات نزول قرآن کے دوران پیش آئے ان سے بھی ناواقف تھے۔ انہیں شوق تلاوت تو تھا مگر عربی لہجہ کے نہ ہونے سے ان کا غیر عربی لہجہ تلاوت کلام پاک میں آہستہ آہستہ عام ہو گیا۔ نیز اس وقت جو قرآن لکھا ہوا تھا اس کا رسم الخط بھی کچھ ایسا تھا جو تلاوت قرآن میں اختلاف کو عام کرنے کا سبب بنا۔

سیدنا عثمانؓ نے جس لغت اور خط کو اس امت کے لئے پسند فرمایا اسے رسم عثمانی کہا جاتا ہے جو علوم قرآن کی ایک قسم ہے۔ اسے علم رسم القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح اس علم کا پہلا تعارف ہوا۔

خلافتِ علیؓ: عربی زبان ولہجہ کی حفاظت اور قراءتِ قرآن میں لحن سے بچاؤ اور صحیح نطق کے لئے چند پیشگی اقدامات اٹھانے پر سیدنا علیؓ بھی مجبور ہوئے۔ آپؓ نے ابو الأسود الدؤلی کو بعض بنیادی اصولوں کی رہنمائی کرتے ہوئے قرآن مجید کے اعراب سمجھائے۔ اس رہنمائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دؤلی نے نقط مصاحف پر ایک مختصر رسالہ لکھا۔ جو علم اعراب القرآن کا نقطۂ آغاز تھا جس کے مؤسس سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے۔

تدریس وتعلیم کے ذریعے بھی علوم قرآن کو صحابہ کرامؓ نے عام کیا ان میں خلفاء اربعہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ مزید ان کے چند لائق شاگردوں نے ان کی چھوڑی اس وراثت کو خوب اشاعت دی یہ سب تابعین تھے۔ ان میں سرفہرست ابن المسیبؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ اور زید بن اسلمؒ ہیں۔ عہد تابعین میں پہلی تفسیر سعیدؒ بن جبیر نے لکھی۔ ان کے بعد ابوالعالیہ رفیعؒ بن مہران الریاحی نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ یہ دونوں حضرات عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ مجاہد نے بھی تفسیر ابن عباس کی روایت کی جو انہی کے مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ علقمہ بن قیس، مسروق بن الأجدع، قتادۃ بن دعامہ، عمرو بن شرحبیل اور ابوعبدالرحمٰن السلمی کا تعلق کوفہ سے تھا یہ سبھی مدرسہ ابن مسعودؓ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور مدینہ منورہ میں ابی بن کعبؓ کا مدرسہ بھی اپنے قابل شاگردوں سے معمور ہے جن میں ابوالعالیہ الریاحی اور محمد بن کعب القرظی ہیں جنہوں نے سیدنا ابی بن کعبؓ کے مدرسہ کو فروغ دیا۔

تیسرا دور: دوسری صدی ہجری : یہ دور دوسری صدی ہجری سے ہمارے دور تک محیط ہے۔ صحابہ وتابعین نے علوم القرآن کی بنیاد رکھ کر مزید فکر وعمل کی راہیں کھولیں۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں علومِ قرآن کی تدوین پر سب سے زیادہ کام قرآن کے خاص موضوعات اور مختلف مباحث پر جداگانہ تصانیف کے سلسلے سے شروع ہوا۔ اسباب نزول، غریب قرآن، ناسخ ومنسوخ، علم قراءت، متشابہ قرآن، اعراب ومعانی قرآن اور علم تفسیر وغیرہ پر لاتعداد کتب لکھی گئیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

کتب حدیث میں آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی تفسیری روایات معمولی جگہ پاسکیں۔اس لئے علماء تفسیر نے تفاسیر لکھیں۔کسی نے ایک سورۃ یا چند آیات کی تفسیر لکھی اور کسی نے مکمل قرآن مجید کی۔ضمناً ان تفاسیر میں علومِ قرآن کے مباحث اور علماء کے تفسیری نکات بھی آ گئے جن میں امام شعبہ بن الحجاج البصریؒ، امام مالک بن انسؒ، امامِ حجاز سفیان بن عیینہؒ، امام وکیع بن الجراحؒ اور یگانہ روزگار مجاہد امام عبداللہ بن المبارکؒ شامل ہیں۔رہے وہ لوگ جنہوں نے صرف تفسیری موضوع کو اختیار کیا اور اس پر بہت کچھ لکھا۔ان میں سرفہرست امام محمد بن جریر الطبریؒ (م:۳۱۰ھ) ہی نظر آتے ہیں جن کی تفسیر ''جَامِعُ البَيَانِ عَنْ تَأْوِيْلِ آيِ الْقُرْآنِ'' تفسیر بالمأثور میں ایک وقیع اور عمدہ کتاب ہے۔

اسباب نزول پر ایک کتاب سیدنا ابن عباسؓ کے شاگرد، عکرمہؒ مولیٰ ابن عباسؓ (م:۱۰۷ھ) نے لکھی۔علم القراءت پر حسن بصریؒ (م:۱۱۰ھ) نے اور غریب القرآن پر عطاء بن ابی رباحؒ (م:۱۱۴ھ) نے اور الناسخ والمنسوخ پر قتادہ بن دعامہ السدوسیؒ (م:۱۱۷ھ) نے کتب لکھیں۔ابان بن تغلبؒ (متوفی:۱۵۱ھ) نے بھی قرآن کے غریب الفاظ کو جمع کیا اور غریب القرآن کتاب تصنیف کی۔اس صدی میں مشہور مفسر اور فقیہ خراسان مقاتل بن سلیمانؒ (متوفی:۱۵۰ھ) اور علامہ حسین بن واقد المروزیؒ (متوفی: ۱۵۷ھ) نے قرآن کے ناسخ ومنسوخ پر قلم اٹھایا اور کتاب لکھی۔ابوعبدالرحمن عبداللہ بن عیسیٰؒ (متوفی:۱۶۰ھ) نے غریب القرآن پر چھ جلدوں پر مشتمل نہایت جامع کتاب لکھی۔نقط مصاحف پر امام لغت خلیل بن احمد بصریؒ (متوفی:۱۷۰ھ) نے کتاب لکھی۔

قراءت کے موضوع پر ابوعمرو بن العلاءؒ نے کتاب القراءت تصنیف کی۔امام ابوالحسن بن حمزہ کسائیؒ (متوفی:۱۸۹ھ) نے بھی سب سے پہلے متشابہ آیات پر کتاب علم آیات المتشابہات لکھی۔اعراب ومعانی قرآن پر سب سے پہلے ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰؒ نے لکھا۔

تیسری صدی ہجری : اس صدی میں علم القراءت اور الناسخ والمنسوخ پر ابوعبید القاسم بن سلامؒ (متوفی:۲۲۴ھ) نے کتب لکھیں۔اعراب ومعانی قرآن پر بھی جامع کتاب ان کی ہے۔امام علی بن المدینیؒ (م:۲۳۴ھ) نے اسباب نزول اور ابن قتیبہؒ (م:۲۷۶ھ) نے تأویل مشکل القرآن اور تفسیر غریب القرآن پر کتب لکھیں۔تیسری صدی ہجری کے اختتام پر مشہور نحوی محمد بن یزید الواسطیؒ (م:۳۰۶ھ) نے إعجازُ القُرآنِ فِي نَظْمِهِ کے نام سے قرآن کے اعجاز پر کتاب تصنیف کی جو بہت مشہور ہے۔

الغرض تیسری صدی ہجری تک قرآن کے مختلف علوم پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی۔اگرچہ ابتدائی دور کی اکثر تصانیف آج ناپید ہیں لیکن وہ کتب جو عہد قریب میں لکھی گئیں ان میں بہت سا سرمایہ ان کتب کا آ گیا ہے۔علومِ قرآن

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پر کام آج بھی جاری ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔لیکن ابتدائی تین صدیوں کی تصنیفات کا مقابلہ بعد کی کتب نہیں کرسکتیں۔

یہ تو تھی ایک مختصر تاریخ جس میں بتدریج ایک ایک موضوع پر علمی وفکری آراء آتی گئیں جنہیں بعد میں یکجا کر کے علوم القرآن کا عنوان دیا گیا۔ایک رائے یہی ہے کہ لفظ علوم القرآن کا سب سے پہلے استعمال محمد بن خلف بن المرزبانؒ (۳۰۹ھ) نے الحَاوِیْ فِیْ عُلُومِ الْقُرآنِ رکھ کر کیا۔

چوتھی صدی ہجری میں بھی اکثر علماء نے علوم القرآن پر بے شمار کتابیں لکھیں۔جن میں:

۱۔ ابوبکر محمد بن قاسم الانباریؒ (م:۳۲۸ھ) عجائب علوم القرآن کے مصنف ہیں۔اپنی اس کتاب میں فضائل قرآن، حروف سبعہ، کتابت المصاحف، تعداد سور، آیات اور کلمات جیسے مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

۲۔ **المختزن في علوم القرآن** امام ابوالحسن الاشعریؒ (م:۳۲۴ھ) کی یہ خاصی ضخیم تصنیف ہے جو علوم القرآن کے مختلف مباحث پر مشتمل ہے۔(الدیباج:۱۹۵)

۳۔ ابوبکر السجستانیؒ (م:۳۳۰ھ) ''**غریب القرآن**'' کے مؤلف ہیں۔اس کتاب کی تالیف پر انہوں نے اور ان کے استاد ابوبکر بن الانباریؒ نے پندرہ سال صرف کئے۔

۴۔ ابومحمد القصاب محمد بن علی الکرخیؒ (م:۳۶۰ھ) کی تألیف ''**نکت القرآن**'' ہے۔اس میں قرآن مجید کے مختلف علوم، احکام اور اختلافی نکات کی وضاحت کی گئی ہے۔

۵۔ ابوعبیداللہ بن جرواسدیؒ (م:۳۸۷ھ) نے الأَمَدُفِیْ عُلُومِ الْقُرآنِ اور محمد بن علی الأدفوی (۳۸۸ھ) نے کتاب الاستغناء فی علوم القرآن تصنیف کیں۔

یہی سلسلہ پانچویں صدی ہجری میں بھی جاری رہا۔جس میں سب سے پہلی عمدہ اور جامع مرتب کتاب جو منظر عام پر آئی وہ علی بن ابراہیم الحوفیؒ (م:۴۳۰ھ) کی تھی۔جس کا نام انہوں نے ''**البرھان في علوم القرآن**'' رکھا۔اسی طرح انہوں نے ''**إعراب القرآن**'' نامی ایک کتاب بھی تصنیف کی (حسن المحاضرۃ:۲/۲۲۸)۔بعد کی صدیوں میں اعراب القرآن پر بہت سی کتب لکھی گئیں۔جن میں امام ابوعمرو الدانیؒ (متوفی:۴۴۴ھ) کی تصنیف لاجواب ٹھہری۔جس کا نام ''**التیسیر فی القراءات السبع**'' اور ''**المحکم فی النقط**'' ہے۔دسویں صدی ہجری کے آغاز میں سابقہ تمام علوم قرآنی کی ایک جامع وشامل کتاب لکھنے کا شرف امام جلال الدین

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سیوطیؒ (متوفی:۹۱۱ھ) کو حاصل ہوا۔جس کا نام انہوں نے ''**الإتقان في علوم القرآن**'' رکھا۔

چودھویں صدی ہجری میں بہت سے علماء نے علوم قرآن پر کام کیا۔جن میں جمال الدین القاسمیؒ (م:۱۳۳۰ھ) کی کتاب ''**محاسن التأویل**''، محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ کی کتاب ''**مناهل العرفان**''، مصطفیٰ صادق الرافعیؒ کی کتاب ''إعجاز القرآن''، سید قطبؒ کی کتاب ''**التصویر الفني في القرآن**'' اور عبداللہ درازؒ کی کتاب ''**النبأ العظیم**'' قرآنی مکتبہ میں ایک عظیم اضافہ ہیں۔

آج سے تقریباً دو صدی قبل برصغیر میں ممتاز محدث وفقیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اصول تفسیر پر فارسی زبان میں ایک انتہائی جامع ومختصر کتاب لکھی جس میں انہوں نے قرآن کریم کے تمام مباحث سے ہٹ کر مضامین قرآن پر اپنی ایک وقیع رائے پیش کی ہے جس کا تذکرہ طلبہ کے لئے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

مضامین قرآن: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۱۵ھ-۱۱۷۶ھ) نے اصول تفسیر کے ضمن میں بعض علوم کا خلاصہ مضامین قرآن کے نام سے اپنی معروف کتاب **الفوز الکبیر** میں پیش کیا ہے۔اس کتاب کے کل چار ابواب ہیں۔جن میں علوم القرآن اور مطالعہ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر ایک جامع تبصرہ کیا گیا ہے۔**الفوز الکبیر** کے پہلے باب میں قرآن مجید کے مضامین کو شاہ صاحبؒ نے پانچ علوم میں تقسیم کیا ہے۔جو ان کے نزدیک قرآن مجید کا لب لباب ہیں۔یہ علوم انہیں کے متعین کردہ ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ احکام۔
۲۔ مخاصمات یعنی علم مناظرہ۔
۳۔ تذکیر بآلاء اللہ۔نعمتوں کے ذریعے یاددہانی
۴۔ تذکیر بأیام اللہ۔گذشتہ واقعات کے ذریعے یاددہانی
۵۔ علم تذکیر بالموت ومابعد الموت۔(موت یا بعد از موت پیش آنے والی حالتوں کے ذریعے یاددہانی)

احکام: احکام کے بارے میں وہ پہلی اہم بات یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ملت ابراہیمی پر مبعوث ہوئے۔اس لئے اس ملت کے احکام اور طریقوں کو باقی رکھا گیا ہے۔قرآن مجید نے اس ضمن میں بعض احکام کی چھان پھٹک بھی کی اور بعض کی اصلاح کر کے ملت ابراہیمی کو اصل صورت میں پیش کیا۔

قرآنی احکام کے ذیل میں اوامر ونواہی بھی آتے ہیں۔جن میں کچھ مجمل ہیں جن کی تفصیل جناب رسالت مآب ﷺ پر چھوڑ دی گئی۔مثلاً: قرآن مجید کا حکم ہے۔ أقیموا الصلاة نماز قائم کرو۔آنحضور ﷺ نے اس کی وضاحت عمل اور قول دونوں سے کر

دی۔اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، طہارت وغیرہ کے احکام بھی ہیں۔قرآن کے بعض احکام عام طرز خطاب میں اور بعض اشارۃً ہیں۔ مثلاً: مومنوں کے کام کی تعریف کردی تو حکم دیا کہ اس قسم کے کام کرنے چاہئیں۔﴿لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۝﴾ (الصافات:٦١) اور منافقوں کو اگر کسی بات پر توبیخ کی تو اشارہ یہ دیا کہ مسلمان ایسے کاموں سے بچ کر رہیں۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے بارے میں مختصر احکام دے کر رہبانیت سے ہمیں روکا ہے۔ جن میں عبادات اور معاملات دونوں شامل ہیں۔

تدبیر منزل میں نکاح، طلاق، زوجین، والدین و اولاد کے حقوق و فرائض، یتیموں کی پرورش، غلاموں، رشتہ داروں، ہمسایوں سے حسن سلوک اور وراثت وغیرہ کے احکام و دیگر خاندانی مسائل کو قانونی اور اخلاقی شکل دے دی۔ یہ **عائلی قوانین** کہلاتے ہیں۔

معاملات میں تجارت، خرید و فرخت، تبادلے، ناپ تول، اقرار نامے، دستاویزات، شہادت، صدقہ و خیرات وغیرہ انفاق فی سبیل اللہ کے احکام فرما کر کاروبار اور باہمی تعاون کی سبیل نکالی۔ جنہیں موجودہ اصطلاح میں **دیوانی قانون عدل** کہا جاتا ہے۔

سیاست مدنی میں عدل کے قیام کے لئے حدود و تعزیرات مثلاً قصاص، دیت، چوری، راہزنی، زنا، قذف وغیرہ کی سزائیں بیان کر کے شہریت اور تمدن کی حفاظت فرمائی۔ یہ اسلام کا **فوجداری قانون** ہے۔

آداب معیشت میں حلال و حرام اشیاء کا تذکرہ کر کے کسب معاش کی حد بندی فرمائی اور

آداب معاشرت میں پردہ، استئذان، وغیرہ واضح کر کے شرم و حیاء کی حدود مقرر کیں۔ اور اسلام کی تبلیغ اور جہاد کے احکام دے کر نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی۔

ان تمام احکامات کو قرآن مجید نے اصولوں کی شکل میں منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمادی۔ مگر اس کے اجمال کی تفصیل رسول اکرم ﷺ کے قول و عمل اور تقریر پر چھوڑ دی۔

مخاصمات (علم مناظرہ) : مشرکین، منافقین، یہود و نصاریٰ کے متعلق مختلف انداز سے قرآن کریم میں گفتگو کی گئی ہے۔ انہیں قائل کرنے کے لئے جن دلائل کا سہارا لیا گیا ہے انہیں علم المخاصمات یا علم الجدل کہتے ہیں۔ چونکہ انسانی فطرت میں کثرتِ جدال ہے اس لئے قرآن کریم نے جدال کی تین اقسام بیان کی ہیں:

جدال محمود: جیسے اللہ تعالی کا یہ ارشاد:﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ... ﴾ (النحل:١٢٥) اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے دعوت دو اور ان سے مجادلہ بھی احسن طریقے سے کرو۔

اسی طرح یہ ارشاد: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ... ﴾(العنکبوت:٤٦) اور اہل کتاب سے مجادلہ صرف احسن طریقے سے ہی کرو۔

جدال مباح: جیسے:﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی اللّٰهِ... ﴾(المجادلة:١) یقیناً اللہ نے سن لی اس خاتون کی بات جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھی۔اور اللہ سے اپنی شکایت بھی۔اسی طرح ابراہیمؑ کے بارے میں:﴿ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجٰدِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ ﴾ (ھود:٧٤)جب ابراہیمؑ کا خوف ختم ہوا تو وہ ہم سے قوم لوط کے بارے میں لگے جھگڑنے۔اور یہ ارشاد﴿ یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ﴾ (النحل:١١١) جس دن ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں جھگڑے گا۔

جدال مذموم: جیسے:﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ... ﴾ (الحج:٣) کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی ذات کے بارے میں بغیر کسی علم کے جدال کرتے ہیں۔ یا﴿ مَا یُجَادِلُ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا... ﴾(غافر:٤) اللہ تعالیٰ کی آیات میں صرف کفار ہی جھگڑا کرتے ہیں۔

جدال کے ان آداب وقواعد کو پیش نظر رکھ کر قرآن چند اہم باتوں کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔طلب حق کی غرض سے مجادلہ کرنے والا تعصب سے آزاد ہو کر دوسرے کا نکتہ نظر سنے۔نیز طعن وتشنیع سے دور رہ کر نرم انداز کو اپنائے۔دلیل کو وزن دے اور اس کا صحیح ہونا مانے۔کبر ونخوت اس کے آڑے نہ آئے۔قرآن کریم میں اولاً مختلف فرقوں کے بنیادی عقائد کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔مثلاً:مشرکین کی بت پرستی، مختلف توہمات، منافقین کا دورخا پن، یہود کا نظریہ کہ ہم دین ابراہیمی کے متبع ہیں اور برگزیدہ قوم ہیں، اور نصاریٰ کا عقیدہ تثلیث وغیرہ اور دونوں کا متشابہات میں پڑنا مگر محکمات سے گریز کرنا۔ان عقائد کو بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم نے ان کے باطل ہونے کے دلائل دیے ہیں۔ایسے جھوٹ اور فساد کے خلاف مسلمانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کی گئی ہے۔اور جا بجا ان فرقوں کو مخاطب کر کے ٹھوس دلائل وشواہد کے ساتھ ان کے غلط عقائد کی نشان دہی کی ہے۔ اس ضمن میں تورات وانجیل کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔قرآن ہی ہے جس نے سب سے پہلے اس حقیقت پر روشنی ڈالی اور کہا: یہ دونوں کتابیں اب اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے پیروکاروں نے ان میں کیا کیا من مانی تبدیلیاں کر ڈالی ہیں۔اسی طرح قرآن مجید نے ان تمام فرقوں کے شکوک وشبہات اور دین اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا ذکر کیا ہے۔اور ان کا شافی جواب جدل محمود سے دے کر بھرپور خطابت کے ساتھ اپنی دلائل سے اسلام کا دفاع کیا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذریعے یاد دہانی : تذکیر کا مطلب ہے یاد دلانا اور آلاء اللہ کا معنی ہے اللہ کی نعمتیں۔تذکیر بآلاء اللہ کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کی نعمتوں کے ذکر کے ساتھ زندگی کا سبق یاد دلانا۔اس علم کے ذریعے اللہ عزوجل نے تمام انسانوں کو مہذب بنانا چاہا۔اس لئے کہ قرآن مجید سب کی فلاح کے لئے نازل ہوا ہے۔اس میں اللہ نے صرف ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جنہیں شہری، بدوی اور عرب وعجم یعنی عوام کی اکثریت یکساں طور مستفید ہوتی اور سمجھتی ہے۔نفس کی باطنی نعمتیں جو اولیاء وعلماء کے ساتھ مخصوص ہیں یا ارتفاقی نعمتیں جو بادشاہ لوگوں کے ساتھ خاص ہیں۔ان کا ذکر اللہ نے نہیں فرمایا۔اس لئے کہ یہ چند لوگوں کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ ہاں جن نعمتوں کا ذکر ضروری تھا انہیں کر دیا۔مثلاً: اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت معرفت ربوبیت و الوہیت ہے۔اس کی پہچان سے ہی روح کی صفائی اور بالیدگی ہوتی ہے۔اور شرک اور خدائی دعوے داروں سے بیزاری الگ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے متعلق بھی اہم اور مختصر باتیں قرآن حکیم میں بیان فرمادی ہیں۔اسی طرح زمین وآسمان کی پیدائش، بادلوں سے پانی برسانا، پانی کے چشمے جاری کرنا، طرح طرح کے پھل اور غلے اگانا، ضروری صفات کا الہام۔یہ سب خزانے انسانوں کے لئے وقف کر دیے ہیں۔

مصائب کا ہونا، اور ان کے دور ہونے پر لوگوں کے رویوں کا بدل جانا، اس پر تنبیہ فرمائی ہے، اس لئے کہ یہ مرض نفس میں بکثرت واقع ہوتا ہے۔انعامات، وآلاء کا ذکر اس کثرت سے اس لئے کیا گیا ہے کہ آدمی اللہ کا شکر گزار بن کر رہے اور شکر گزاری یہ ہے اس کے احکام کی پیروی کی جائے۔

گذشتہ قوموں کے اہم واقعات : ایام اللہ سے مراد گزشتہ قوموں اور انبیاء کرام کے اہم واقعات کی مدد سے زندگی کا سبق یاد دلانا۔ یہ وہ واقعات ہیں جن کو اہل عرب آپ کی بعثت سے قبل سنتے چلے آرہے تھے۔قرآن کریم نے ان واقعات کو بیان کرکے عبرت ونصیحت کے پہلو کو اجاگر کیا ہے مثلاً انبیاء کرام میں سیدنا ابراہیم ، اسحٰق ، اسمٰعیل ، یوسف ، موسیٰ ، داؤد ، سلیمان ، اور عیسیٰ علیہم السلام کے حالات۔طوفان نوح کا واقعہ، قوم عاد وثمود اور بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے قصے، سیدنا ایوب و یونس پر شفقت الٰہی کا واقعہ، سیدنا زکریا کی دعاء مستجاب اور سیدنا عیسیٰ کے معجزات وقصے وغیرہ۔

ان تمام قصوں کا مقصد محض افسانہ سرائی نہیں بلکہ یہ ہے کہ سامعین عبرت پکڑیں، نصیحت حاصل کریں اور ان کرداروں کی پیروی کریں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے سرتابی نہ کی اور یوں بجائے سزا وعذاب کے انعام واکرام کے مستحق بنیں۔ان واقعات میں ضمناً لوگوں کے عقائد، اخلاق، اور معاملات میں ان کی پسند وناپسند میں صحیح وغلط کو نکھار دیا گیا اور اچھی باتیں ذہن

نشین کرادیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں شرح وبسط کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ ان کی عبرت آموز کڑیوں کو لیا گیا ہے۔

موت اور موت کے بعد کی کیفیات : اس ضمن میں قرآن مجید میں موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ انسانی موت کی کیفیت، اس کی بے چارگی، عالم نزع، موت کے بعد جنت و دوزخ کو سامنے کرنا، عذاب ورحمت کے فرشتوں کا سامنے آنا، قبر اور عذاب قبر وغیرہ کی خوب تصویر کشی کی گئی ہے۔ جس سے دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔

علامات قیامت کا ذکر بھی ہے۔ مثلاً سیدنا عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول، دجال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور، نفخہء اولیٰ وثانیہ، حشر ونشر، سوال وجواب، میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں آنا۔ مؤمنین کا جنت میں جانا اور کفار کا دوزخ میں۔ یہ سب ایسی عبارات میں ہیں کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مومنین کا جنت میں داخلہ - دیدار الٰہی - نعمتیں، باغات، عالی شان محلات، بہتی نہریں، لباس ہائے فاخرہ، خوش جمال زوج وحور، ان کے ذکر میں ایسی دلآویزی ہے کہ دنیا کی تمام لذتیں اور آسائشیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ ان تمام قصوں کو مختلف صورتوں میں ان کے اسلوب وتقاضے کے مطابق کہیں اجمالا اور کہیں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

وقال الشاعر

وغَيْرُ تَقِيٍّ يَأمُرُ النَّاسَ بِالتُّقٰی طَبِيْبٌ يُدَاوِیْ وَالطَّبِيْبُ مَرِيْضُ

خدا خوفی سے عاری شخص، لوگوں کو تقوی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے وہ ایسا طبیب ہے جو علاج تو کرتا ہے مگر خود مریض ہے

وقال النابغة مادحًا

فَإنَّکَ شَمْسٌ وَالْمُلُوکُ کَوَاکِبُ إذَا خُلِقَتْ لَمْ يَبْدُ مِنْهُنَّ کَوْکَبُ

آپ تو سورج کی طرح ہیں اور دیگر بادشاہ ستاروں کی مانند۔ جب سورج طلوع ہوجائے تو یہ ستارے ماند پڑ جائیں

وقال لبیدؓ بن ربیعة

وَمَا الْمَرْءُ إلَّا کَالشِّهَابِ وَضَوْئِهِ يَحُوْرُ رَمَاداً بَعْدَ إذْ هُوَ سَاطِعُ

آدمی سوائے ایک شعلہ جوالہ کے کچھ نہیں جو تھوڑی دیر کے لئے چمکتا ہے اور پھر راکھ میں بدل جاتا ہے

☆......سُئِلَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ الْخَرْشَبِ عَنْ بَنِيْهَا أيُّهُمْ أفْضَلُ؟ فَقَالَتْ:

فاطمہ بنت خرشب سے اس کے بیٹوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان میں اچھا کون ہے تو اس نے جواب میں کہا:

هُمْ کَالْحَلْقَةِ الْمُفَرَّغَةِ لَا يُدْرٰی أيْنَ طَرْفَاهَا.

وہ سب ایک ڈھلے ہوئے کڑے کی طرح ہیں جن کے دونوں کنارے معلوم نہیں ہوتے۔

سوالات

۱۔ علوم القرآن سے کیا مراد ہے؟

۲۔ علوم القرآن بے شمار ہیں۔کسی عالم نے ان کی تعداد اس (۸۰) بتائی ہے اور کسی نے (۴۳) وجہ لکھئے۔

۳۔ علوم القرآن میں سے کچھ کے نام بتا دیجئے۔

۴۔ علوم القرآن کے فوائد کیا ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

۵۔ علوم القرآن کی تدوین کے مراحل کا تذکرہ کیجئے اور ہر مرحلہ کے بارے میں ایک مختصر تجزیہ کیجئے۔

۶۔ علوم القرآن بکثرت ہیں اور مختلف اوقات میں بتدریج سامنے آئے۔کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ:

ا) ان علوم میں سب سے پہلے کون سا علم متعارف ہوا؟ ب) اس کے اسباب کیا تھے؟

۷۔ ذیل میں چند علمائے کرام کے اسماء گرامی ہیں جنہوں نے علوم القرآن پر لکھا۔جو کتاب انہوں نے لکھی ان کے نام کے سامنے اس کتاب کا نام لکھئے۔

۱۔ علی بن المدینی	۲۔ ابوعبید القاسم بن سلام	۳۔ محمد بن ایوب الضریر
۴۔ محمد بن خلف المرزبان	۵۔ابوبکر محمد بن قاسم الانباری	۶۔ ابوالحسن الاشعری
۷۔ ابوبکر السجستانی	۸۔ ابومحمد القصاب	۹۔ علی بن ابراہیم بن سعید الحوفی
۱۰۔ جلال الدین السیوطی	۱۱۔ بدرالدین الزرکشی	۱۲۔ محمد عبدالعظیم الزرقانی
۱۳۔مصطفیٰ صادق الرافعی	۱۴۔ الاستاذ سید قطب	۱۵۔ محمد عبداللہ دراز

۸۔ مضامین قرآن کتنے ہیں؟ ان کے نام بتائیے۔نیز ان کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصریحات بیان کریں۔

۹۔ مقالات سلیمان جلد سوم سے علوم القرآن کا باب پڑھئے اور اس کا خلاصہ پیش کیجئے۔

مشق

۱۔ کتاب علوم القرآن از ڈاکٹر صبحی صالح سے ''علوم القرآن کا تاریخی جائزہ '' مطالعہ کیجئے۔اور ان مؤلفین کے نام، مع کتاب، پر مبنی ایک فہرست مرتب کیجئے۔جن کا ذکر آپ کی اس کتاب میں نہیں۔

لائبریری سے ان کتابوں کی جو علوم القرآن پر لکھی گئی ہیں ایک فہرست اس ترتیب سے مرتب کیجئے۔

۱۔ نام کتاب و مؤلف، تاریخ وفات، مجلدات، کتاب کے صفحات، پبلشر اور تاریخ طباعت وغیرہ۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:8

علم رسم الخط

وہ طریقہ جس میں کوئی تحریر نطق کے مطابق لکھی جاتی ہو۔اسے رسم الخط کہتے ہیں۔مگر ہر زبان کی طرح عربی بھی ایسی زبان ہے جس کی کتابت اس کے نطق کے مطابق نہیں۔کیونکہ اس میں کچھ حروف وہ ہیں جو بولے جاتے ہیں مگر لکھے نہیں جاتے اور کچھ ایسے ہیں جو لکھے جاتے ہیں مگر بولے نہیں جاتے۔قرآن مجید کا بھی اپنا مخصوص رسم الخط ہے۔اس کا جاننا علم رسم الخط کہلاتا ہے۔یہ بھی علوم القرآن کی ایک اہم نوع ہے۔رسم عربی میں اثر یعنی نشان کو کہتے ہیں۔جس سے مراد مصحف کا وہ خط قدیم جس سے صحابہ کرام نے قرآن کریم کی حفاظت کی۔۔موجودہ عربی رسم الخط دو قسم کا ہے:

عام عربی رسم الخط: عام عربی رسم الخط میں کلمات کو اعراب (Vocalization) اور حروف کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے جس میں پڑھنے والا اس کلمہ یا جملہ کو ایک ہی انداز میں پڑھ سکتا ہے جس کے معنی میں وسعت پیدا نہیں ہو پاتی۔مثلاً مالک کا لفظ عام عربی میں ایسا ہی لکھا جاتا ہے اور اسے مالک ہی پڑھتے ہیں۔اور قال کو قال ہی۔ اس رسم الخط کی مزید انواع میں خط رقعہ اور خط نسخ خاصے معروف ہیں۔

قرآن مجید کا رسم الخط: یہ وہ خط ہے جو سیدنا عثمانؓ کے دور میں بالاتفاق کتابت قرآن مجید کے لئے اپنایا گیا اسے رسم عثمانی یا رسم المصحف کہتے ہیں۔یہ خط گو عربی رسم الخط سے ملتا جلتا ہے مگر چند مخصوص مقامات پر آپ ﷺ کی ہدایات کے مطابق ضروری تبدیلیاں کی گئیں جن سے الفاظ قرآن کے معانی میں وسعت پیدا ہوگئی۔جیسے: ملک اور قل کے الفاظ۔اسے مَلِکِ بھی پڑھ سکتے ہیں اور مٰلِکِ بھی۔یا قُلْ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور قَـال بھی۔اس طرح بلا شبہ ان کے معانی وسیع ہوگئے۔ان خصوصیات کی بناء پر قرآن کریم لکھتے وقت اس رسم الخط کا انتخاب کیا گیا چونکہ سیدنا عثمان ذوالنورینؓ نے یہ زور دیا کہ رسم الخط وہی اختیار کیا جائے جس کی طرف آپ ﷺ نے راہنمائی فرمائی تھی۔اسلئے اسے رسم عثمانی کہا گیا۔

اس خط کا فائدہ یہ ہوا کہ لکھے ہوئے قرآن مجید کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگیا۔الفاظ کو مختلف انداز میں لکھنے اور پھر پڑھنے سے نص قرآن کی ادائیگی میں وسعت پیدا ہوگئی اور اختلاف و غلطی کا امکان ختم ہوگیا۔قرآن علماء کے سینوں میں محفوظ تھا جو دوسرے سے بالمشافہہ سنداً اخذ کیا کرتے تھے۔اس لئے قراءت میں اختلاف بھی ممکن نہ رہا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

عربی رسم اور رسم عثمانی کا فرق: علماء نے ان دونوں خطوط میں بظاہر اختلاف یا فرق سے چھ قواعد مستنبط کئے ہیں۔

پہلا قاعدہ: حذف: رسم عثمانی میں پانچ حروف کو بعض مقامات پر حذف کر دیا گیا ہے جبکہ عام عربی رسم الخط میں یہ حروف موجود ہیں۔ جو درج ذیل ہیں: الف، واؤ، یاء، لام، اورنون۔

(ا) حذف الالف : رسم عثمانی میں تین وجوہ کی بناء پر الف کو حذف کیا گیا ہے۔ مثلاً:

حذف اشارہ: اشارہ سے مراد کہ یہاں الف کسی اور قراءت میں محذوف ہے۔ جیسے: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں الف کا حذف۔ یا ﴿ وَإِنْ يَأْتُوْكُمْ أُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ﴾ میں أُسَرٰى کی سین پر الف کا حذف۔ امام حمزہ نے اسے أَسْرَى یعنی سین ساکن اور راء کو بغیر الف کے پڑھا ہے۔ یا ﴿تُفٰدُوْهُمْ ﴾ میں الف کو گرا کر ﴿تَفْدُوهم﴾ تاء زبر اور فاء جزم کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا گیا جو امام ابن کثیر، ابوعمرو، ابن عامر اور حمزہ وخلف کی قراءت ہے۔

حذف اختصار: جمع مذکر ومؤنث سالم سے وہ الف جس کے بعد نہ تشدید ہو نہ ہمزہ، حذف کر دی گئی۔ جیسے: ﴿العٰلَمِينَ﴾، ﴿وَالذّٰرِيٰتِ﴾ ﴿وَالْحٰفِظِيْنَ﴾، ﴿ وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ ۔ اگر الف کے معاً بعد حرف مشدد آیا یا مہموز، تو پھر الف کو لکھا۔ جیسے: ﴿الضّٰآلِّيْنَ﴾ ﴿ وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ﴾ یا ﴿لِلطَّآئِفِيْنَ﴾ ﴿وَالْقَآئِمِيْنَ﴾ یا﴿أَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ﴾ ۔ اسی طرح فَعَّالین اور فَعَّالون کے وزن پر جو لفظ آیا۔ سوائے چند ایک کے۔ اس میں بھی الف محذوف کر دیا۔ جیسے: ﴿ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ﴾، ﴿لِلأَوّٰبِيْنَ﴾ ، ﴿طَوّٰفُوْنَ﴾ اور ﴿الخَرّٰصُوْنَ﴾ میں۔

حذف اقتصار: مراد یہ ہے کہ ایک مقام پر ایک لفظ میں یہ الف حذف ہوا مگر دوسرے مقام پر نہیں ہوا۔ جیسے لفظ المیعاد میں الف کو اس آیت میں حذف کر دیا گیا ہے۔ ﴿ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ﴾ (الانفال: ٤٢ جبکہ دوسرے مقامات پر یہ بدستور موجود ہے۔ اسی طرح ﴿الْقَهّٰارِ﴾ کا لفظ سورۃ الرعد کی آیت: ١٦ میں بغیر الف کے ہے اور دوسرے مقامات پر نہیں۔ اسی طرح يُسٰرِعُوْنَ، اِبْرٰهِيْمَ، سَلٰمٌ، الْمَسٰجِدِ، يُجٰدِلُوْكُمْ، بَلّٰغُ، تُرٰباً وغیرہ میں الف حذف شدہ ہے۔

رسم عثمانی میں الف کو اور متعدد جگہوں پر بھی حذف کیا گیا ہے۔ مثلاً:

- ہر وہ اسم جس کے آخر میں یاء ماقبل کسرہ آیا ہو وہاں بھی الف کو حذف کیا گیا۔ جیسے: ﴿الصّٰبِئِيْنَ﴾، ﴿ طٰغِيْنَ ﴾ ﴿غٰوِيْنَ﴾ وغیرہ۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

● جب الف، لام کے بعد درمیان میں آئے یا دو لاموں کے بعد آئے تو وہاں بھی الف حذف کیا گیا۔ جیسے: ﴿الإصلٰحُ﴾، ﴿علّٰمَ الغُيُوبِ﴾، دو لاموں کے درمیان الف کے حذف کی مثال: ﴿إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ ﴿ وَلَا خَلٰلٍ﴾ . كَلٰلَةٍ﴾ . وغیرہ

● ہر ایسا لفظ جس میں ہاء تنبیہ (warning) کی تھی یا نداء کی۔ اس سے الف حذف کیا گیا بشرطیکہ وہ لفظ کے آخر میں نہ ہو۔ جیسے: ﴿هٰتَيْنِ﴾ ﴿هٰذَا﴾ یا ﴿هٰؤُلَاءِ﴾، ﴿هٰأَنْتُمْ﴾ جبکہ ھا کے ساتھ موجود الف، أنتم اور أولاء کا اپنا ہے۔

● اسی طرح الف کا حذف ﴿یاأیها﴾ کی یا سے۔ اور اس کو یوں لکھا گیا (يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ) اسی طرح ﴿يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ﴾ ﴿يٰآدَمُ﴾، ﴿يٰإِبْرٰهِيمُ﴾ وغیرہ میں حرف ندا کو بھی بغیر الف کے لکھا گیا۔

(ب) حذف الیاء: الف کی طرح "ی" بھی متعدد مقامات پر حذف کی گئی۔ مثلاً:

● متصل یاء المتکلم کو ان کلمات سے حذف کیا گیا، جیسے أَطِيْعُوْنِ، تَعْبُدُوْنِ، كِيْدُوْنِ، اِتَّبِعُوْنِ وغیرہ میں آخری نون دراصل نی ہے جس کی "ی" محذوف ہے اور "ن" کی زیر اس کی قائم مقام ہے۔

● جب ایک یاء دوسری یاء کے ساتھ لفظ میں اکٹھی ہوگئی تو وہاں بھی ایک یاء گرادی گئی خواہ وہ یاء ہمزہ کی صورت میں تھی جیسے: ﴿مُتَّكِئِيْنَ﴾ ، ﴿سَيِّآتِ﴾ ۔ یا وہ ہمزہ کی صورت میں نہ تھی جیسے: ﴿ النَّبِيّٖنَ﴾ ﴿الْأُمِّيّٖنَ﴾۔

☆ ہر اسم منقوص کے آخر میں جہاں رفع یا جر آنا تھا وہاں بھی یاء حذف کی گئی۔ جیسے: ﴿بَـــاغٍ﴾، هَـــادٍ﴾، ﴿وَالٍ﴾، ﴿وَاقٍ﴾، ﴿ الدَّاعِ﴾، ﴿وَالْبَادِ﴾.

(ج) حذف الواو: واؤ کو بھی متعدد مقامات پر حذف کیا گیا۔ مثلاً:

...... جب ایک واؤ دوسری واؤ کے ساتھ ایک ہی کلمہ میں جمع ہو جائے تو وہاں ایک واؤ گرادی گئی خواہ وہ ہمزہ کی صورت میں تھی جیسے ﴿مَسْؤُلًا﴾، ﴿وَلَا يَؤُدُهٗ﴾، ﴿تُؤْيِهِ﴾ یا وہ ہمزہ کے بغیر تھی۔ جیسے : ﴿دَاوٗدَ﴾، ﴿ وَلَا تَلْوٗنَ﴾، ﴿لَا يَسْتَوٗنَ﴾.

......واؤ کو لفظ پر بوجھ سمجھ کر حذف کر دیا گیا کیونکہ اس کا پڑھنا بھی ممکن نہ تھا۔ جیسے: يَدْعُ الدَّاعِ، وَيَمْحُ اللّٰهُ البَاطِلَ ، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ، میں سے واؤ حذف ہوئی جو دراصل يدعو، يمحو، سندعوا تھے۔

(د) حذف اللام: پانچ الفاظ خواہ وہ مفرد تھے یا تثنیہ و جمع۔ ان میں اس لام کو حذف کر دیا گیا جو دوسری لام کے ساتھ آیا۔ یہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پانچ الفاظ (الَّیل)، (الَّائی)، (الَّتِی)، (الَّاتِیْ)، (الَّذِیْ) ہیں۔ ان پانچ الفاظ کے علاوہ باقی میں لام کو رہنے دیا گیا جیسے: (اللَّطِیْفُ)، اللَّوَّامَةِ)، (اللُّؤْلُؤُ) اور (اللّٰهُمَّ). میں۔

(ہ) **حذف النون**: دو مقامات پر نون کو حذف کیا گیا۔ جو ﴿فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاءُ﴾ اور ﴿وَكَذٰلِكَ نُجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ہیں۔

دوسرا قاعدہ: الزیادۃ (اضافہ): کلمہ میں کسی حرف کا حقیقی اضافہ اس طرح ہو کہ اسے نہ ملا کر پڑھا جا سکے اور نہ اس پر وقف ہو سکے۔ کبھی بعض حروف میں یہ اضافہ غیر حقیقی بھی ہوتا ہے پھر وقف میں وہ پڑھا بھی جاتا ہے جیسے: ﴿لٰكِنَّا﴾ کے لفظ میں الف کا اضافہ۔ یا ابتداء میں الف کا اضافہ جیسے: لفظ ابن کی ابتداء میں الف کا اضافہ، جب وہ سطر کے شروع میں آئے۔ رسم عثمانی میں جن حروف کا اضافہ کیا گیا ہے وہ تین ہیں: الف، واؤ اور یاء۔ مثلاً:

(ا) **زیادۃ الالف**: کچھ الفاظ میں واؤ جمع کے بعد الف کا اضافہ کیا گیا بشرطیکہ واؤ جمع، فعل ضمیر سے متصل نہ ہو مثلاً: ﴿تَاْمَنُوْا﴾، ﴿كَفَرُوْا﴾، ﴿اِعْدِلُوْا﴾ وغیرہ۔ سوائے چند کے جیسے: ﴿فَاِنْ فَاءُوْ﴾ ﴿عَتَوْ﴾.

☆ واؤ اصلی کے بعد الف کا اضافہ فعل مضارع معتل الآخر میں مرفوع یا منصوب واؤ کے بعد کیا گیا۔ جیسے: ﴿يَدْعُوْا﴾ ﴿لِيَرْبُوْا﴾ ﴿نبلوا﴾ سوائے ایک جگہ کے جو ﴿عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ﴾ ہے اس میں الف حذف کر دی گئی۔

☆ جمع مذکر سالم میں جو واؤ علامت رفع ہے اسکے بعد الف کا اضافہ بھی کیا گیا۔ یا جو واؤ مذکر سالم کے قائم مقام آئی۔ اس کا نون حذف کر کے وہاں الف کا اضافہ کر دیا گیا۔ جیسے: ﴿مُرْسِلُوا النَّاقَةِ﴾، ﴿كَاشِفُوا الْعَذَابِ﴾، ﴿صَالُوا النَّارِ﴾.

☆ اسی طرح بعض مقامات پر الف کا اضافہ بغیر کسی قاعدے کے کیا گیا۔ مثلاً: ﴿عليهم﴾، ﴿لِشَايْءٍ﴾، ﴿مِائَةٍ﴾، ﴿لَا اِلَى اللّٰهِ﴾، ﴿مَلَإِيهِ﴾، ﴿أَفَائِنْ مَّاتَ﴾ وغیرہ، جو دراصل عَلَيهم، لِشَيْءٍ، مِئَةٌ، لَإِلَى اللّٰه، مَلَئِهِ، أَفَئِنْ مَّاتَ تھے۔

☆ واؤ کے بعد الف کا اضافہ جیسے: ﴿تَفْتَؤُا﴾، ﴿أَتَوَكَّؤُا﴾ ﴿تَظْمَؤُا﴾ شاید یہ الف، ہمزہ متطرفہ ہے جو لفظ کے کنارے پر واؤ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح نون کے بعد الف کا اضافہ جیسے: ﴿لٰكِنَّا هُوَ اللّٰهُ﴾، ﴿والظُّنُوْنَا﴾.

(ب) **زیادۃ الیاء**: رسم عثمانی میں یاء کا اضافہ دو طرح سے کیا گیا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆ جس لفظ میں ہمزہ مکسورہ تھا خواہ اس سے پہلے الف ہی کیوں نہ آئی ہو وہاں یاء کا اضافہ کیا گیا۔ جیسے: ﴿ مِـــــنْ وَّرَآیٔ حِجَاب﴾، ﴿مِنْ تِلْقَایٔ نَفْسِی﴾، ﴿ اِیْتَایٔ﴾ وغیرہ ہیں۔ یا الف آئی ہو جیسے: ﴿أفائِن مَّاتَ﴾ میں۔

☆ وہ لفظ جس میں ہمزہ مکسورہ تھا اور نہ ہی الف۔ وہاں بھی یاء کا اضافہ اسی نوعیت کے دو کلموں میں کیا گیا۔ جیسے: ﴿بـأَییِّکم ﴾ اور ﴿بأییْدٍ﴾ وغیرہ میں۔

(ج) **زیادۃ الواو:** الف اور یاء کی طرح چار الفاظ ﴿یٰـأُولِـی﴾، ﴿ أُولُـوا ﴾ ﴿أُولَاءِ﴾، ﴿أولٰـت﴾ میں واؤ کا اضافہ بالاتفاق کیا گیا اور ﴿ سَـأُورِیْـکُمْ ﴾ ، ﴿ وَلَأُصَلِّبَنَّکُمْ﴾ میں واؤ کے اضافہ پر اختلاف کیا گیا۔ پہلے میں واؤ کا اضافہ راجح کہا گیا اور دوسرے میں عملاً اس کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

تیسرا قاعدہ: قاعدہ ہمزۃ: رسم عثمانی میں عام عربی رسم الخط سے ہٹ کر ہمزہ کی کتابت کے لئے یہ چند منفرد طریقے اپنائے گئے۔ اس لئے کہ ہمزہ لفظ کی ابتداء یا وسط یا آخر میں ہوتا ہے۔

(ا) **ہمزہ ساکن:** ہمزہ ساکن کو اس سے ماقبل حرف کی حرکت کے مطابق لکھا گیا۔

☆......اس سے قبل زبر کی صورت میں اسے "الف" پر لکھا گیا۔ مثلاً: البأساء، اقرأ۔

☆...... زیر کی صورت میں ہمزہ کو "ی" پر لکھا گیا۔ مثلاً: ائذن لی، جئنا. بئر۔

☆...... جبکہ پیش کی صورت میں اسے "و" پر لکھا گیا۔ مثلاً: اؤتمن، المؤتون۔

(ب) **ہمزہ متحرک:** ہمزہ متحرک کی کتابت الف پر ہوئی چاہے اس پر زبر ہو، زیر ہو یا پیش ہو۔ مثلاً: أَیُّـوبَ، إذا، أُنْـزِلَ۔ لیکن اگر ہمزہ متحرک کلمہ کے وسط میں آئے تو اس کی حرکت کے موافق حرف پر اس کی کتابت کی گئی مثلاً: سَـــأَلَ، سُـئِـلَ، نَـقْـرَؤُهُ. ہمزہ اگر آخر میں آیا اور اس کا ماقبل ساکن تھا تو اس کی کوئی صورت بھی اختیار نہیں کی گئی بلکہ اسے علیحدہ لکھا گیا۔ جیسے: ﴿دِفْ ءٌ﴾، اور ﴿الخَبْ ءَ﴾ وغیرہ۔

چوتھا قاعدہ: البدل: رسم عثمانی میں تین حروف الف، نون اور تاء تانیث کو بدل کر ان کی جگہ دوسرے حروف کو لکھا گیا۔ مثلاً:

(ا) الف کو دو حروف یاء اور واؤ سے بدلا گیا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ا۔الف کا یاء سے بدل: کچھ الفاظ میں الف کو یاء سے بدل کر بھی لکھا گیا۔

☆ جب الف یاء سے بدلی گئی ہو۔یعنی اصل میں وہ یاء تھی تو وہ محض اپنے اصل کی تنبیہ کے لئے اور امالہ کے جواز کے لئے یاء کے ساتھ لکھ دی گئی۔مثلاً: ﴿هوٰيه﴾، ﴿هُدٰى﴾، ﴿استسقٰيه﴾، ﴿ أعطٰي﴾، ﴿يأسفَي﴾.

نوٹ: اصل الف پہچاننے کا قاعدہ یہ ہے کہ لفظ اگر اسم ہے جیسے: فَتًى تو اس کا تثنیہ دیکھا جائے۔جیسے: فَتَيَان ۔یا اگر لفظ فعل ہے تو اسے تاءِ ضمیر کی طرف مسند کیا جائے۔جیسے: رمی سے رمیتَ.

☆ لفظ اگر رباعی تھا تو اس میں الف، کو یاء سے بدل دیا گیا جیسے:﴿المَوتٰى﴾، ﴿السَّلْوٰى﴾ اور﴿إحْدٰيهُمَا﴾.

☆ الف اگر یاء سے بدلی ہوئی محسوس ہوئی تو اسے بھی یاء سے لکھ دیا گیا جیسے: ﴿أنّٰى، يتـامٰى، سكارٰى، مرضٰى، متٰى، بلٰى، توفيكم، إلى، على و غیرہ۔

الف کا واؤ سے بدل: کچھ الفاظ میں الف کو تفخیم کے لئے واؤ سے بدل کر لکھا گیا جب کہ اصلاً اس میں واؤ تھی اور اضافت بھی نہیں تھی۔مثلاً: یہ چار عام الفاظ: الصلوة، الزكوة، الحيوة، الربو وغیرہ۔جو اصل میں الصلاة، الزكاة، الحياة اور الربا تھے۔یا ﴿بِالْغَدٰوةِ﴾، ﴿كَمِشْكٰوةٍ﴾، ﴿مَنٰوةَ﴾ میں ۔مضاف ہونے کی صورت میں ان میں دو الفاظ پھر الف کے ساتھ لکھے جائیں گے۔مثلاً:﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾، اور﴿ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي﴾ ۔لفظ صلوة واؤ کے ساتھ بعض مقامات پر مضاف ہوا ہے وجوہ قراءت کی بناء پر وہ مستثنٰی قرار دیا گیا ہے: جیسے:﴿إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾، ﴿وَصَلَوَاتِ الرَّسُوْلِ﴾، ﴿أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ﴾ اور ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ میں۔

(ب) نون: مختلف مقانات پر الف کی صورت میں لکھا گیا۔

☆ تنوین کو الف کی ہر اس صورت میں لکھا گیا جہاں اسم منصوب تھا اور اس میں ہاءِ تانیث کی نہیں تھی اور نہ ہی وہ اسم مقصور تھا۔ مثلاً:﴿حكمًا وعلمًا﴾۔

☆ نون تاکید خفیفہ کو الف سے لکھا گیا جب اس کا ماقبل مفتوح تھا جیسے:﴿...وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصَّاغِرِيْنَ ۝﴾ (يوسف:٣٢) ،یا﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝﴾ (العلق:١٥)

☆ جن الفاظ کے نون کو الف لکھا گیا ان میں لفظ (إذن) بھی ہے۔ جیسے: ﴿إِذًا لأَذَقْنٰکَ﴾، ﴿وَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا﴾ اور ﴿...وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلافَکَ إِلَّا قَلِيْلًا ○﴾ (الاسراء:۷۶) اس کو الف سے اس لئے بھی لکھا گیا کہ قراء حضرات کا اجماع ہے کہ اگر اس پر وقف کیا تو وہ الف ہو جائے گا۔

(ج) تاءتانیث: تاءتانیث اسماء میں ہاء سے لکھی جاتی ہے۔ افعال میں نہیں۔ وصل کی صورت میں تا پڑھی جاتی ہے اور وقف کی صورت میں ہاء۔ یہی عام قاعدہ ہے۔ مثلاً: لفظ رحمة اس آیت میں: ﴿...وَآتَانِيُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِه...﴾ (ھود:۲۸) اور نعمة ﴿...وَمَنْ يُبَدِّلُ نِعْمَةَ اللّٰهِ...﴾ (البقرة:۲۱۱) اور لفظ کلمة: ﴿... وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ ...﴾ (یونس:۱۹) وغیرہ۔ مگر تیرہ کلمات اس قاعدے سے مستثنٰی قرار دئے گئے۔ جو درج ذیل ہیں:

﴿رَحْمَتُ﴾، ﴿نِعْمَتُ﴾، ﴿سُنَّتُ﴾، ﴿ابْنَتُ﴾، ﴿شَجَرَتُ﴾، ﴿امْرَأتُ﴾، ﴿قُرَّتْ﴾، ﴿بَقِيَّتُ﴾، ﴿فِطْرَتُ﴾، ﴿لَعْنَتُ﴾، ﴿وَجَنَّتُ﴾، ﴿وَمَعْصِيَتُ﴾، اور ﴿كَلِمَتُ﴾.

ان میں فرق یہ ہے کہ جو لفظ ہاء کے ساتھ لکھا گیا اس پر ہاء کا ہی وقف کریں گے اور وصل کی صورت میں اسے تاء کے ساتھ ملا دیں گے۔ اور جو تاء مفتوحہ کے ساتھ لکھا گیا وہ تاء وصل میں پڑھا جائے گا اور سانس کی تنگی، مقام تعلیم یا امتحان کی صورت میں وقف کے ساتھ۔

پانچواں قاعدہ : وصل وفصل:

(ا) وصل: وصل سے مراد دو الفاظ کو ملا کر ایک لفظ کی صورت میں لکھنا ہے۔ رسم عثمانی میں کچھ مقامات پر وصل ہوا۔ مثلاً: إن اور لا کو ملا کر إلاَّ لکھا گیا اسی طرح ﴿بِئْسَمَا﴾، ﴿وَيْكَأن﴾، ﴿أَلَّنْ﴾ ﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ جو اصل میں ایک دوسرے سے جدا تھے۔

(ب) فصل: دو لفظ کے مرکب کو توڑ کر الگ الفاظ لکھنے کو فصل کہتے ہیں۔ مثلاً: أمن کو أم من لکھا گیا۔ إلم کو إن لم لکھا گیا۔

علماء کا کہنا یہ ہے کہ فصل کو وصل اس لئے بنایا ہے تا کہ قرآن کریم کی تحریر میں اختصار آ جائے ورنہ وصل کو لے بیٹھتے تو پھر اختصار نہ رہتا اور کلام طویل ہو جاتی۔

چھٹا قاعدہ: دو قراءتیں: رسم عثمانی میں کچھ الفاظ کو اس طرح لکھا گیا کہ ایک سے زیادہ قراءت کی گنجائش نکل آئے۔ مثلاً: ﴿ملک یوم الدین﴾۔ لکھ کر دو قراءتوں ﴿مالک﴾ اور ﴿ملک﴾ کو امکان پیدا کر دیا۔ اسی طرح ﴿مسیطر﴾ کو

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿ مصیطر ﴾ لکھا تا کہ اسے س اور ص دونوں حروف سے پڑھا جا سکے۔

رسم عثمانی کی خصوصیات: عام عربی رسم الخط کی نسبت رسم عثمانی مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہے:

ا۔مختلف قراءات کی گنجائش: نقطوں اور اعراب کی موجودگی میں قاری ایک ہی قراءت پڑھنے پر مقید ہوتا ہے لیکن رسم عثمانی میں حرکات ونقاط کی موجودگی کی وجہ سے قرآن کریم کو ایک سے زیادہ قراءات میں پڑھنے کی گنجائش ملتی ہے۔جبکہ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔مثلاً: ﴿إن هٰذانِ لَسَاحِرٰنِ﴾ ۔اسے رسم عثمانی کے مطابق یوں لکھا جاتا تھا:﴿إن هـذان لساحران ﴾۔اس آیت کو حرکات کے بغیر لکھنے سے ایک سے زیادہ قراءات کی گنجائش نکل آئی۔

ا۔امام نافعؒ نے اسے ﴿إنّ هذان﴾ پڑھا۔یعنی پہلے نون کو مشدد اور دوسرے کو مخفف۔اور

۲۔ ابن کثیر نے پہلے نون کو مخفف اور دوسرے نون کو مشدد ﴿إنْ هذانّ﴾ کر کے پڑھا ہے۔

۲۔ایک سے زائد معانی کا امکان: رسم عثمانی میں پائی جانے والی وصل اور فصل کی خصوصیات سے معنوں میں بہت وسعت پیدا ہوتی ہے۔مثلاً: ﴿أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝﴾ (النساء:۱۰۹) اور ﴿أَمَّنْ يَمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (الملك:۲۲)

پہلی آیت میں أمْ اور مَنْ حالت فصل میں دو الگ الگ الفاظ کے طور پر استعمال ہوئے۔یہاں "أم" "بل" کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اس سے "أم من" کا مطلب ہوگا۔" بلکہ جو" جبکہ دوسری آیت میں وصل کے قاعدے کے مطابق ان دونوں الفاظ کو ملا کر ایک لفظ "أمن" کی صورت میں لکھا گیا جس کا مطلب ہے" بھلا کون ہے جو"۔چنانچہ اس ایک آیت کے دو ترجمے کئے جاسکتے ہیں۔

ا۔ بلکہ جو چلتا ہے بالکل درست سیدھی راہ پر ۲۔ بھلا کون چلتا ہے بالکل سیدھی راہ پر

۳۔اصل حرکت کی وضاحت: چونکہ رسم عثمانی میں اعراب استعمال نہیں کئے گئے تھے اس لئے بعض مقامات پر حرف کو غلط حرکت کے ساتھ پڑھے جانے کے اندیشے کے پیش نظر وہاں اصل حرکت کی طرف رہنمائی کے لئے اشارہ کے طور پر کچھ حروف کا اضافہ کیا گیا۔مثلاً: ''سَاُورِيْكُمْ'' میں بظاہر واؤ زائد لگتی ہے۔لیکن حرکات کی غیر موجودگی کی وجہ سے اس بات کا امکان تھا کہ لوگ غلطی سے الف ہی پڑھ لیں یا اس پر زیر یا زبر پڑھ لیں گے۔اس لئے الف کے بعد واؤ کا اضافہ کر دیا گیا۔جو کہ پیش کا قائم مقام

ہےاور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ''الف'' پر پیش ہے۔ یہ ''واؤ'' پڑھی نہیں جائیگی۔ اسی طرح ''أولٓئِکَ'' کی ''واؤ'' بھی پیش کی قائم مقام ہےاور پڑھی نہیں جائیگی۔ ''ذي القربى''میں ''یا'' حالت جر کے قائم مقام ہے۔

۴۔دیگر فصیح لہجات کا علم: عرب قبائل گو اپنی لغات اور لہجوں میں ایک دوسرے سے ذرا مختلف تھے لیکن قرآن کو فصیح لغت میں لکھوا کر تمام لہجات یا لغت کی برتری کا دعوی روک دیا گیا۔ مثلاً: قبیلہ ہذیل کی لغت اس وقت فصیح ترین لغت شمار ہوتی تھی اور اس میں لفظ ''یأتي'' کی ''ی'' حذف کر کے "یأتِ" لکھا جاتا۔ اس لیے قرآن میں یہ لفظ یأتي اور یأت دونوں انداز میں لکھا گیا ہے۔

۵۔بعض مخفی اشارے: اس رسم الخط میں بعض الفاظ مخفی اشارے بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً: سورة الذٰریٰت میں ارشاد ہے: ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْيدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۝﴾ (الذاریات:۴۷) عام رسم الخط میں ''أید''ایک ''یاء'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جبکہ رسم عثمانی میں اس مقام پر '' أییــد'' کو دو یاء کے ساتھ لکھا گیا۔ اس طرح یہاں ایک خفیہ مفہوم یہ ملتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ''أیید'' سے مراد بجائے ہاتھ کے وہ مادہ (Material) ہو جس سے آسمان بنایا گیا اور جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آیا۔

فقہی قاعدہ ہے کہ حروف کی زیادتی معنی میں زیادتی کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے اگر یہ لفظ عام رسم الخط میں ''أید'' لکھا جاتا تو اس قسم کا (Advantage) نہ لیا جاسکتا۔ اسی طرح قرآن میں لفظ ''یدعوا'' کو واؤ اور الف حذف کر کے ''یدعُ'' بھی لکھا گیا۔ اس سے معنی میں جلدی کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ یعنی ﴿یدعُ الإنسان﴾ کا مطلب ہوگا کہ انسان پکارنے میں جلدی کرتا ہے۔ اسی طرح ''یمحوا'' کو ''یمح'' لکھا گیا۔ ﴿...وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ...﴾ (الشوری:۲۴) کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ باطل کو مٹانے میں جلدی کرتا ہے۔

رسم مصحف توقیفی ہے یا اجتہادی؟ اس بارے علماء کی دو آراء ہیں۔ ایک گروہ کے مطابق رسم مصحف اجتہادی ہے جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ یہ رسم مصحف توقیفی ہے۔ پہلے گروہ میں علامہ زمخشری، علامہ ابن خلدون اور عمر بن عبد السلام وغیرہ شامل ہیں۔ ابنؒ خلدون اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> **"یہ ایک اجتہادی عمل ہے۔ اس میں اختلاف ہوسکتا ہے، عام لوگوں کا اس بارے میں رائے دینا مناسب نہیں بلکہ ایک مجتہد کے مقابلے میں دوسرا مجتہد ہی کوئی رائے دے سکتا ہے"۔** (مقدمہ ابن خلدون: ۱۶۵)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

امام احمدؒ الباقلانی کا خیال ہے:

"رسم مصحف میں ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے جو معنی میں تبدیلی کا باعث نہ بنے۔ان آراء کے مطابق علماء کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ یہ رائے قرآن کی کتابت میں ترقی اور عمدگی کی طرف لے جانے میں مددگار ثابت ہوگی اور اگر رسم عثمانی میں کچھ تبدیلی کی جائے تو اس سے عام قاری کو قرآن پڑھنے میں آسانی ہوگی"۔

لیکن مندرجہ بالا آراء کے برخلاف جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ رسم مصحف توقیفی ہے اور اس کی مخالفت کرنا یا اسے ترک کر کے دوسرا رسم الخط اختیار کرنا درست نہیں۔علامہ شیخ محمد بخیتؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

قرآن کا رسم الخط کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہے۔لہذا توقیفی ہے۔(تاریخ افکار و علوم اسلامی:۱۲۳)

اس کی دلیل ایک اور واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ایک دفعہ امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ مصحف میں جس طرح کتابت کی جاتی ہے اس کو بدل کر دوسرے طریقے سے لکھا جائے یا نہیں؟ تو آپؒ نے جواب دیا: نہیں۔(احسن البیان فی علوم القرآن:۴۵)

اس رائے کو مزید تقویت امام احمد بن حنبلؒ کے ایک قول سے ملتی ہے: رسم عثمانی کی مخالفت کرنا جرم ہے۔(مناہل العرفان ۳۷۰/۱)۔ عبدالعزیز لداخ کا کہنا ہے:

اصحابؓ رسول یا کسی بھی شخص کے لئے قرآن میں ذرہ برابر غلطی کرنا جائز نہیں۔ وقتِ کتابتِ قرآن رسول اللہ ﷺ نے جن الفاظ میں کسی بھی حرف کا اضافہ اگر کیا تو وہ ان مختلف اسرار کی وجہ سے تھا جو آپ ﷺ ہی جانتے تھے۔جس طرح قرآن کا نظم ایک معجزہ ہے اسی طرح قرآن کا رسم الخط بھی ایک معجزہ ہے۔(ایضاً)

ایک رائے یہ بھی ہے کہ رسم عثمانی کو دیگر آثار قدیمہ کی طرح محفوظ کر لیا جائے تا کہ ضرورت کے وقت اس سے استفادہ کیا جا سکے اور عام لوگوں کی آسانی کے لئے قرآن کو ان کے معروف رسم الخط میں لکھا جائے۔اس رائے کے مطابق کچھ عملی کوششیں کی گئیں۔ مثلاً: بچوں کے لئے ایسے پارے چھاپے گئے جن میں ہر آیت رسم عثمانی کے ساتھ ساتھ عام رسم الخط میں بھی لکھی گئی تھی۔ بظاہر بات فائدہ مند لگ رہی تھی مگر حقیقتاً الٹا بوجھ بن گئی اور زیادہ غلطیاں ہونے لگیں۔لہذا اس رائے کو ترک کر دیا گیا اور رسم عثمانی ہی مسلمانوں میں معروف رہا اور ہے۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

ا۔ عام عربی رسم الخط اور رسم عثمانی کی الگ الگ تعریف کیجئے۔

۲۔ وہ چھ نکات لکھئے جو ان دونوں خطوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں؟ اس فرق کی تفصیل دیجئے۔

۳۔ بتایئے:

أ۔ذیلی الفاظ میں کون سے حروف زائد ہیں؟ علیھم، لشای، من ورائ حجاب، سأوریکم

ب۔کون سے حروف محذوف ہیں؟ یجدلوکم، بلغ، یوم یدع الداع، کیدون۔

ج۔الوصل اور الفصل کا قاعدہ کیا ہے اس کی دو تین مثالیں دیجئے۔

۴۔ رسم عثمانی کی خصوصیات بیان کیجئے۔

۵۔ رسم مصحف توقیفی ہے یا اجتہادی؟ بحث کیجئے۔

مشق

ا۔ درج ذیل سورتوں میں سے ان کلمات کو لکھئے جن کا رسم الخط جدید عربی رسم الخط سے مختلف ہو۔

ا. طٰہٰ ۲. الحج ۳. القصص

۲۔ کتاب "تاریخ افکار وعلوم اسلامی" کے باب ۹ کا مطالعہ کیجئے۔اور اس پر ایک جامع نوٹ لکھئے۔

۳۔ موضوعات قرآنی پر مشتمل کتاب "تبویب القرآن" مؤلفہ علامہ وحید الزمانؒ سے مندرجہ ذیل پر مشتمل آیات نکالئے؟

أ) تحریف وتبدیل ہونے سے قرآن محفوظ ہے۔

ب) کلام اللہ میں بنواسرائیل کی تحریف۔

ج) اللہ تعالیٰ کے بارے میں نصاریٰ کے اقوال اور ان کے جھوٹ کی جرأت۔

☆☆☆☆☆

يَا مُتْعِبَ الْجِسْمِ كَمْ تَسْعىٰ لِرَاحَتِهِ أَتْعَبْتَ جِسْمَكَ فِيْمَا فِيْهِ خُسْرَانُ

اے جسم کو تھکا مارنے والے! تو اس کے آرام کی کتنی تگ ودو کرے گا؟ تم تو اپنی جسم کو اس چیز میں تھکا رہے ہو جس میں نقصان ہی نقصان ہے۔

أَقْبِلْ عَلَى الرُّوْحِ وَاسْتَكْمِلْ فَضَائِلَهَا فَأَنْتَ بِالرُّوْحِ لَا بِالْجِسْمِ إِنْسَانُ

اپنی روح کی طرف متوجہ ہو اور اس کی خوبیوں کو پروان چڑھا تو روح کے ساتھ نہیں بلکہ جسم کے ساتھ انسان ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

باب :9

حروف سبعہ

تعریف: اس سے مراد قرآن کریم کی قراءت کا وہ انداز ہے جس میں لفظ کو پڑھنے کی سات مختلف صورتیں پیدا ہوں۔ اسے حروف سبعہ کہا جاتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کے بعض حروف کی ادائیگی اگر قریشی لہجہ میں مشکل ہو تو بصورت مجبوری اسے کسی اور عربی لہجے میں یوں ادا کیا جائے کہ حروف بدل جائیں مگر معنی نہ بدلے۔

سبعہ حروف کی دلیل: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس آیت ﴿فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ پر یہ عنوان باندھا اور حروف سبعہ کی دلیل یہ حدیث دی: إِنَّ هَـذَا الْقُرآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ یہ قرآن سات حروف میں نازل ہوا ہے تو جو بھی تمہیں آسان لگے اسے پڑھو۔ امام ابن حجرؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حدیث میں آسانی سے مراد آسانی والی آیت نہیں بلکہ آیت میں آسانی سے مراد اس کی قلت وکثرت ہے۔ اور حدیث میں آسانی سے مراد وہ ہے جو قاری قرآن کو مستحضر یعنی یاد ہو۔ اس طرح آیت میں کمیت اور حدیث میں کیفیت مراد ہے۔ (فتح الباری ۶۴۹/۱۳) سیدنا عمر فاروقؓ فرماتے ہیں:

> میں نے عہد رسالت میں ہشام بن حکیمؓ کو سورۃ فرقان تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ وہ اسے بہت سے حروف پر پڑھتے جا رہے تھے جو آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ میں نے نماز ہی میں ان کی خبر لینا چاہی۔ بمشکل صبر سے کام لیا یہاں تک کہ انہوں نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے انہیں ان کی چادر میں لپیٹا اور پوچھا: یہ سورت آپ کو کس نے پڑھائی جو میں نے ابھی آپ سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے۔ میں نے کہا: آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ بخدا رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھی یہ سورۃ پڑھائی مگر اس طرح نہیں جس طرح میں نے آپ سے سنی۔ یہ کہتے ہوئے میں ان کو زبردستی بارگاہ نبوی ﷺ میں لے گیا اور عرض کی: میں نے ان سے سورہ فرقان ایسے حروف میں پڑھتے ہوئے سنی ہے جو آپ ﷺ نے مجھے نہیں پڑھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمر انہیں چھوڑ دو اور ہشام! اسے پڑھو۔ ہشام نے سورت اسی قراءت پر پڑھی جو میں نے ان سے سنی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: عمر! تم پڑھو۔ میں نے اسی قراءت میں اسے پڑھا جس میں آپ نے مجھے پڑھائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ بے شک یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ جیسے آسانی ہو پڑھ لیا کرو۔ (متفق علیہ)
>
> راوی کہتے ہیں:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ایک دفعہ سیدنا عثمانؓ نے منبر پر فرمایا: جس شخص نے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنی ہو کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ میں اسے قسم دیتا ہوں کہ کھڑا ہو کر اس کی شہادت دے۔ یہ سن کر بے شمار صحابہ کرامؓ شہادت کے لئے کھڑے ہوئے۔ سیدنا عثمانؓ نے فرمایا: میں بھی ان کے ساتھ شہادت دیتا ہوں۔ (مسند ابی یعلی: مسند عثمان)

ایک بار رسول اکرم ﷺ جبریل علیہ السلام سے ملے اور فرمایا: جبریل! مجھے امی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہے ان میں بوڑھے مرد اور عورتیں بھی ہیں اور بچے بچیاں بھی۔ کوئی ایسا بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ جبریل امین نے فرمایا: اے محمد! قرآن سات حروف میں نازل کیا گیا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۹۴۴)

ایک بار رسول اللہ ﷺ بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے کہ جبرائیلؑ آ گئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو ایک ہی حرف پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ دوسری بار آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ تیسری بار آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو تین حرفوں پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری امت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ چوتھی بار آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو سات حرفوں پر پڑھے۔ پس جس حرف پر وہ پڑھے گی ان کی وہ قراءت درست ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۱۹۰۶)

یہ احادیث تین صورتیں پیش کرتی ہیں:

۱۔ جبریل امین اور آپ ﷺ کے درمیان مکالمہ۔

۲۔ قراءت میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف اور اپنے اختلاف کو ختم کرنے کے لئے ان کا رسول اکرم ﷺ کو حکم بنانا۔

۳۔ آپ ﷺ کی یہ خبر کہ قرآن جس حرف میں چاہو پڑھ لو۔

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن سبعہ حروف پر نازل ہوا ہے۔ متفق علیہ حدیث ہے اس لئے حروفِ سبعہ ایک حقیقت ہے۔ امام ابو عبید القاسم بن سلامؒ حدیث سبعہ حروف کو متواتر کہتے ہیں۔ حافظ ابن الجزریؒ نے بھی اس کی تمام اسانید کا تتبع کر کے لکھا ہے کہ اس حدیث کو سیدنا عمر بن خطابؓ، ہشام بن حکیمؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابوبکرہؓ، عمرو بن العاصؓ، زید بن ارقمؓ، انس بن مالکؓ، سمرہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بن جندبؓ، عمر بن ابی سلمہؓ، ابوجہیمؓ، ابوطلحہ انصاریؓ اور ام ایوب انصاریہؓ جیسے صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔

مقصد سبعہ حروف: احادیث تو بہت ہی زیادہ ہیں۔ قرآن کو سبعہ حروف پر نازل کرنے کا مقصد امت کے لئے آسانی پیدا کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مجھے جبریل امین نے قرآن مجید ایک حرف کے مطابق پڑھایا، میں ان سے مزید حروف کی درخواست کرتا رہا اور وہ بھی (اللہ تعالی کے حکم سے) مجھے مزید اجازت دیتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حروف تک رک گئے۔ (مسلم: ۱۹۰۲)

اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن شہابؒ زہری فرماتے ہیں:

بَلَغَنِیْ أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ الَّذِي يَكُونُ وَاحِدًا، لَا يَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ۔ **مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سبعہ حروف وہ ہیں جو کسی معاملے میں ایک ہی حکم دیتے ہوں۔ جو حلال وحرام میں اختلاف نہیں کرتے۔**

وجوہات: ابن الجزری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

☆...... سات حروف پر نزول قرآن کا مقصد یہ تھا کہ امت کے لئے تخفیف ہو۔ یہ آسانی امت کی فضیلت وعظمت کی وجہ سے عطا کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ دعائے رسول کی قبولیت کا اثر بھی تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین کو اپنی اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کو تمام سرخ وسیاہ اور عرب وعجم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ قرآن عربوں کی زبان میں نازل ہوا تھا۔ ان کی بولی میں بڑا فرق تھا۔ ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اپنی بولی کے علاوہ دوسروں کی زبان بولیں۔ بلکہ عربوں کی حالت یہ تھی کہ وہ سکھانے سے بھی دوسروں کی زبان نہیں سیکھ سکتے تھے۔ (مناہل العرفان ۱/۱۲۹)

☆...... قریشی لہجہ سے متعدد قبائل کو مانوس کرنے، ان کی لسانی عصبیت کو ختم کرنے اور قرآن کریم کے قریب لانے کے لئے تدریج وترویج کا عمل ہی مثبت نتائج دکھا سکتا تھا جس کے لئے یہ آسانی ہدایت دی گئی تا کہ زیادہ سے زیادہ عرب قبائل کو قرآن کے بعض حروف کو انہی کے لہجے میں پڑھنے کی اجازت مل جائے۔

☆...... جبریل امین خود ان حروف کو لے کر آپ ﷺ پر اترے اور ان تمام کو پڑھا بھی گئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ حروف پڑھائے اور لوگوں نے بھی ان حروف کو آپ ﷺ سے پڑھا۔ کیا یہ معجزہ نہیں؟

☆...... قرآن ایک حرف پر ہو یا سات حرف پر یہ سب اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہوئے ہیں رسول ﷺ نے تو اس میں صرف ابلاغ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کا کردار ادا کیا ہے۔اور امانت ادا کر کے رسالت کا فریضہ بخوبی نبھایا۔

☆......اس سے مراد یہ نہیں کہ قرآن کا ہر لفظ سات طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے بلکہ اس سے مراد کہ قرآن کریم اپنے دامن میں وسعت لئے اس شرط پراترا ہے کہ اختلاف کی صورتیں ان سات سے زائد نہ ہونے پائیں۔خواہ ایک لفظ کی ادائیگی میں کتنا ہی تنوع پیدا ہوجائے یا خواہ ایک ہی کلمہ کی قراءت اور اس کے مختلف طریقوں کی بھی بھرمار ہوجائے۔

☆...... پیارے رسول ﷺ کی دعائے رعایت کو بھی شرف قبولیت بخشا کہ جبریل امین آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا:إنَّ اللّٰہَ یَأمُرُكَ أنْ تَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَی حَرْفٍ ۔اللہ تعالی آپ کو حکم دیتے ہیں کہ قرآن کریم کو ایک حرف پر پڑھئے۔آپ ﷺ نے فرمایا:أسْأَلُ اللّٰہَ مُعَافَاتِہِ وَمَعُونَتِہِ، إنَّ أُمَّتِی لَا تُطِیْقُ ذٰلِكَ۔ میں اللہ تعالی سے اس کے عفو درگذر کا خواستگار ہوں اور اس کی مدد کا بھی۔میری امت اس کی ہمت نہیں رکھتی۔آپ مسلسل یہی سوال کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے سات حروف کی رعایت دے دی۔

حروف سبعہ سے مراد: علماء نے لکھا ہے: لفظ **حرف**: یا تو حرف ہجاء کو کہتے ہیں یا پھر لغت کو۔جیسے **حرف قریش**، یا **حرف هذیل**۔مراد لغت قریش یا لغت ہذیل۔اسی طرح اس سے مراد شے کا کنارہ، اس کی دھار، یا پہلو بھی ہے۔حدیث میں ہے:فَجَاءَ عُصْفُوْرٌ فَوَقَعَ عَلَی حَرْفِ السَّفِیْنَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً ۔ایک چڑیا آئی اور وہ سفینہ کے کنارے پر بیٹھ گئی تو اس نے چونچ سے ایک سوراخ کھودا۔قرآن کریم میں بھی اسی معنی میں یہ حرف مستعمل ہوا ہے:﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ لوگوں میں کچھ اللہ کی عبادت پہلو پر کرتے ہیں۔یعنی خوش ہوئے تو بھول گئے۔تکلیف ہوئی تو یاد آئی۔**حرف**: قراءت کی ایک قسم کو بھی کہتے ہیں جیسے: **حرف ابن مسعود** یعنی ان کی قراءت۔رہا لفظ **سبعة**: یہ عدد ہے جو چھ اور آٹھ کے درمیان ہوتا ہے۔مگر عربی میں کبھی اس کی اکائیوں سے مراد مبالغہ بھی ہوتا ہے۔ستر کا لفظ دہائیوں میں اور سات سو کا لفظ سینکڑوں میں مبالغہ کے لئے مستعمل ہے۔

عرب قبائل لکھنے پڑھنے کے عادی نہیں تھے قرآن جب سنتے تو بھلا لگتا مگر اپنے عادی لہجے سے نکل کر اسے ویسے ہی پڑھنا جو لغت قریش کا لہجہ تھا ان کے لئے ناممکن اور مشکل تھا۔نیز اس دور کی کتابت میں لفظ کی شکل تو ایک تھی مگر اسے پڑھنے کے متعدد امکانات تھے۔اس لئے حروف سبعہ کے تعین کے لئے کہ وہ کیا ہے؟ علماء کے اس پر تقریباً پینتیس (۳۵) اقوال ہیں۔جو سب ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور سبھی کا احتمال بھی ہے۔اس لئے ہر ایک نے اس کے معنی و مراد بتانے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔بلکہ اس موضوع پر کتب بھی لکھی ہیں۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی اس حدیث پر ایک بہترین شرح ہے جو مطبوع ہے۔سوال یہ ہے کہ ہشام بن حکیم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی قراءت ایک دوسرے سے مختلف تھی۔دونوں قریشی تھے۔دونوں کی

عربی لغت بھی قریش کی زبان تھی۔قرآن کریم بھی لغت قریش میں نازل ہوا پھران دونوں میں اختلاف کیا تھا؟ جسے ھَــکَـذَا أُنْزِلَتْ اورإِنَّمَـا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ کہہ کرختم کیا گیا۔نیزاس حدیث کی تائید میں متعدداحادیث اوربھی ہیں نیزیہ حدیث کتب صحاح وسنن میں موجود ہے۔دوسرے قبائل اپنے لہجات کے ساتھ تو قریشی لہجہ اپنانے کےمحتاج رہےمگرخودقریشیوں میں قراءت کااختلاف ہے؟اس کا کیا کیا جائے؟

علماء نے ان احادیث کورد کرنے کی بجائے سوچ بچار کے دروازے کھلے رکھےاورسبعہ حروف کےمختلف مفاہیم متعین کرنے کی کوشش کرتے رہے۔جنہیں ہم چارگروہوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔**پہلاگروہ** دورائے رکھتا ہے:

پہلی رائے: یہ حدیث مشکل اورمتشابہ میں سے ہے۔اس لئے اس کامعنی نہیں جانا جاسکتا۔اس لئے کہ حرف ایک مشترک لفظ ہے جس کے متعدد معانی ہیں اس وجہ سے حدیث میں اس کا کوئی معنی متعین نہیں کیا جاسکتا۔اس کا جواب یہی ہے کہ متشابہ اسے کہتے ہیں جومخفی ہو۔نیزآپ کو جب سبعہ حروف میں قرآن کریم کو پڑھنے کاحکم دیا گیا تو آپ نے امت کو یہی حکم دیااورامت نے اسے پڑھا آپ نے اس اختلاف کو سننے کے باوجودفرمایا:اسی طرح قرآن کی یہ آیت اتری۔اس لئے یہ مشکل ہے نہ متشابہ۔

دوسری رائے: سات سے مرادحقیقی سات نہیں بلکہ یہ ایک رمزیہ بات ہے،جس سے یہ اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ قرآن اپنی لغت، بیان، معانی اوراعجاز میں کامل ترین ہے۔یہ خیال بھی درست نہیں اس لئے کہ حدیث رسول میں سات ہی مراد ہے۔دیکھئے حدیث ابن عباسؓ: میں آپ سے مزید مانگتا تو آپ مجھے وہ بھی اضافۃً عطا کردیتے۔پھرحدیث ابیؓ میں:اللہ تعالی آپ ﷺ کوحکم فرماتے ہیں کہ آپ کی امت قرآن کوایک حرف پرپڑھے۔اسی طرح دوحرف پر، تین پراورپھرسات پر۔یہ سب سات عدد ہی ہے نہ کہ رمز۔

دوسراگروہ: اس کا خیال ہے کہ حروف سبعہ کاتعلق معانی سے ہے نہ کہ الفاظ سے۔پھران کے متعدداقوال ہیں۔مثلاً:

۱۔سات حروف سے مرادیہ سات معانی ہیں:امر، زجر،حلال،حرام،محکم،متشابہ اورامثال۔

۲۔بلکہ یہ مراد ہیں:وعدہ ووعید،حلال وحرام،مواعظ،امثال اوراحتجاج۔

۳۔نہیں بلکہ محکم،متشابہ،ناسخ ومنسوخ،عموم وخصوص،قصص وغیرہ مراد ہیں۔

ابن عطیہ ان اقوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:یہ بہت ہی کمزوردلیل ہے کیونکہ یہ سات معانی احرف کےنہیں ہیں نیزیہ بھی

اجماع ہے کہ ان حروف کے معانی میں اتنی وسعت نہیں کہ وہ حلال کوحرام اور حرام کو حلال کریں۔اور نہ ہی ان معانی میں یہ حروف کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔(تفسیر ابن عطیہ ۱/۳۵) ابن قتیبہ کہتے ہیں: اس حدیث میں اس قسم کے معانی بتانے کی کوئی تک ہی نہیں۔(تأویل مشکل القرآن:۲۶)۔الماوردی کہتے ہیں: یہ بات ہی غلط ہے آپ ﷺ نے ان حروف میں ہر حرف پر قراءت کرنے کا اور ایک حرف کو دوسرے حرف سے تبدیل کرنے کا بھی اشارہ دیا ہے۔اہل اسلام کا اجماع ہے کہ کسی آیت کو دوسری آیت میں احکام کی طرح بدلنا حرام ہے۔(البرہان للزرکشی ۱/۲۱۷)۔

خلاصہ یہی ہے کہ احادیث رسول میں جو تاکید اور اجازت ہے وہ اختلاف قراءت کی ہے نہ کہ معانی کی۔اس لئے کہ صحابہ میں جب اختلاف ہوا تو آپ ﷺ نے ان میں ہر ایک کی قراءت کو سنا اور سب کی آپ ﷺ نے تصویب فرمائی۔اگر ان میں سے کسی کی قراءت تحریم کا مفہوم دیتی اور دوسرے کی تحلیل کا تو کسی کے پاس حق نہ ہوتا بلکہ حلال وحرام کی صورت میں ان میں ایک مصیب ہوتا اور دوسرا غلط۔اس لئے کہ حلال وحرام اکٹھے نہیں ہو سکتے ورنہ قرآن پاک میں تناقض ہوتا۔

اصل حکمت یہی تھی کہ سبعہ حروف کے ذریعے امت کو آسانی ورحمت سے نوازا جائے۔ان مذکورہ معانی کو مراد لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔مزید یہ کہ یہ الفاظ ومعانی تو قرآن پاک میں موجود ہیں پھر یہ معانی سبعہ حروف سے نکالنا بھی کہاں تک درست ہے؟

تیسرا گروہ: احرف سبعہ سے مراد وہ صورتیں ہیں جن سے کلمات قرآنیہ میں تغایر اور اختلاف واقع ہوتا ہے اور جن سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔جو بالاتفاق سات ہیں۔ایسے حروف یا الفاظ جن میں اختلاف کی سات صورتیں ہوں مگر قراءت کا خط ایک ہی ہو۔امام ابن قتیبہؒ، امام رازیؒ، نے یہی معنی لکھا ہے اور ابن الجزریؒ نے بھی اسی مفہوم کو پسند کیا ہے۔یہ صورتیں درج ذیل ہیں:

☆۔اسماء کے واحد، تثنیہ، جمع یا ان کے مذکر ومؤنث ہونے میں اختلاف۔جیسے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ (المؤمنون:۸) اسے أمانَتِهم واحد بھی پڑھا گیا ہے۔واحد کا لفظ بیک وقت ایک ہی ذمہ داری کو نبھانے پر زور دیتا ہے۔یا ﴿لا يقبل﴾ کو ﴿لا تقبل﴾ پڑھنا۔

☆ افعال کی صرفی تبدیلی کا ہو جانا مثلاً: امر کو ماضی بنا دینا جیسے: ﴿فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا...﴾(سبا:۱۹) یہاں اسے بَاعَدَ بھی پڑھا گیا۔ ایک اور قراءت میں بعّدَ بھی۔جس میں معنوی شدت آ گئی۔یا اعراب کی مختلف صورت کا واقع ہو جانا جیسے: ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ...﴾(البقرۃ:۲۸۲) اسے یُضارُّ بھی پڑھا گیا۔

☆ پچھلی آیت پرعطف کر کے کچھ لفظوں کی کمی ہو جانا جیسے: ﴿ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ○ ﴾ (لیل:۳) اسے وما خلق کے بغیر صرف والذکر والأنثی پڑھا گیا۔ یا ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ کو بغیر ھو کے پڑھنا۔

☆ مختلف قبائلی لہجات کا قریشی لہجے سے فتحہ، امالہ، تفخیم، ترقیق، اظہار وادغام کا اختلاف مثلاً: ﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ○﴾ (النازعات:۱۵) اس میں لفظ أتٰی اور موسٰی کو فتح کے علاوہ، امالہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا۔

تبصرہ: ان صورتوں پر اگر غور کریں تو یہ بھی وجوہ قراءات کا اختلاف ہے ان سے سبعہ حروف کی وضاحت نہیں ہوتی۔ نہ ہی یہ سبعہ حروف کی دلیل ہیں۔ اس رائے یا قول کے داعی سبعہ حروف کی وجوہات کے تعین پر مختلف ہیں جیسا کہ مثالوں سے پتہ چلتا ہے۔ قراءات شاذہ ومنکرہ وضعیفہ کو سبعہ حروف کی مثالیں یا دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ بہر حال یہ رخصت وتیسیر تھی تا کہ امت پر قرآن کی قراءت مشکل نہ ہو اور ایک زبان یا لہجے سے دوسری زبان و لہجے کی طرف منتقل ہونا ان کے لئے دشوار نہ ہو۔

چوتھا گروہ: ان کی رائے یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد عرب لغات میں سے سات لغات ہیں۔ اس کی وضاحت میں ان کے متعدد اقوال ہیں۔

قول اول: لغات عرب میں سے یہ سات لغات ہیں قرآن انہی میں نازل ہوا۔ یعنی قرآن کے الفاظ ان سات لغات میں ہی محصور ہیں جو ان تمام لغات میں فصیح ترین ہیں۔ ان کے اکثر الفاظ لغت قریش میں سے ہیں۔ کچھ لغت ہذیل، ثقیف، ہوازن، کنانہ، تمیم اور یمن کی لغات میں سے بھی ہیں۔ ابوعبید القاسمؒ لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک حرف کی سات صورتیں ہیں یہ تو آپ ﷺ سے بھی نہیں سنی گئیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ یہ ساتوں لغات قرآن مجید میں منتشر کردی گئی ہیں کچھ لغت قریش میں سے ہیں، کچھ لغت ہذیل میں سے، کچھ ہوازن میں سے، کچھ اہل یمن کی لغت میں سے۔ اسی طرح دیگر لغات میں مستعمل الفاظ اور ان کے معانی سبھی ایک ہی ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ سیدنا عثمانؓ نے جب چار افراد کو مصحف لکھنے کا حکم دیا تو انہیں فرمایا:

> إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِي عَرَبِيَةٍ مِنْ عَرَبِيَةِ الْقُرآنِ، فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ بِلِسَانِهِمْ۔ جب تم اور زید بن ثابت قرآن کریم کی کسی عربی میں اختلاف کرو تو اسے پھر لسان قریش میں لکھو کیونکہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ (تفسیر القرطبی ۱/۴۳)

یہ دلیل ہے کہ قرآن پاک کا زیادہ تر حصہ لغت قریش میں نازل ہوا۔ اور اس میں دیگر باقی لغات بھی ہیں۔ اس لئے امام

بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا باب بھی یوں باندھا ہے:

بَابُ نَزَلَ القرآنُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ وَالعَرَبِ قُرْآنًا عَرَبِيًّا بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ۔

اعتراضات: اس قول پر بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ سیدنا عمر وہشام دونوں قریشی ہیں ان کی زبان ایک ہی ہے اگر احرف سے مراد لغت ہی ہوتی تو پھر ان دونوں کے درمیان اختلاف نہ ہوتا؟۔

نیز ایسی تاویل میں پھر حکمت تو ثابت نہیں ہو رہی اور نہ ہی قاری کا کسی حرف کو چننے کا کوئی اختیار باقی رہتا ہے۔ بلکہ اس کے لئے تو تمام حروف میں پڑھنا لازمی ہو جاتا ہے کہ ایک آیت وہ ایک لغت میں پڑھے اور دوسری کسی اور لغت میں؟

اور ہر قاری پر مشقت کا اضافہ ہی اس مفہوم میں نظر آتا ہے کہ وہ ان تمام لغات کو قرآن پڑھنے سے پہلے سیکھ لے۔ اگر ایک حرف میں قراءت ہوتی تو کم از کم آسانی تو ہوتی؟۔

پھر یہ علماء خود ان لغات کی تعیین وتحدید میں باہم مختلف ہیں۔ اگر ان احرف سے مراد یہی لغات ہوتیں تو یہ صحابہ اور تابعین وغیرہ کے درمیان ضرور مشتہر ہو جاتیں۔

قول ثانی: اس قول کے قائل بہت سے علماء ہیں۔ جن میں امام سفیانؒ، ابن وہبؒ، ابنؒ جریر طبری، اور امام طحاویؒ وغیرہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سبعہ احرف سے مراد عربوں کی وہ سات لغات ہیں جو ایک ہی معنی دے رہی ہوں۔ وہ اس طرح کہ جب لغت عرب کسی ایک لفظ میں اختلاف کرے تو قرآن کریم ان سات لغات میں سے اسی لفظ کو پیش کر دیتا ہے۔ یہ سات لغات کون سی ہیں؟ ان کے بارے میں:

☆...... کچھ علماء قریش، ہذیل، تمیم، ہوازن، کنانہ، ثقیف اور یمن کی لغات کے قائل ہیں اور

☆...... کچھ آخری تین کی بجائے ازد، ربیعہ اور سعد بن بکر کی لغات مراد لیتے ہیں۔

یہ رائے امام القاسم بن ثابت کی ہے جو توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی محترم کو مبعوث فرمایا تو عرب ایک دوسرے سے دور دور جگہوں پر رہتے تھے۔ بہت سے الفاظ ولہجات میں وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ہر آبادی کی اپنی لغت تھی ان کی زبانیں بآسانی اسے اپنا لیتیں۔ ایک عام چلن تھا جس میں بوڑھا اور خالص بدو بھی شامل تھا۔ اور اگر کسی کو اس کی عادت اور زبان

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

کے چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا تو اسے خاصی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔اور مسلسل محنت وریاضت کے بعد وہ اسے اختیار کر پاتا۔اللہ تعالی نے ان سے یہ محنت بھی ساقط کردی۔پھر لکھتے ہیں:سبعہ احرف کا معنی۔۔واللہ اعلم۔۔عربوں کی سات شعوب کی یا ان کے عوام کے یا ان کی آبادی کی لغات ہیں۔امام ابوجعفر طحاویؒ یہ لکھتے ہیں:

لوگوں کے لئے یہ سات حروف تھے کیونکہ قرآن کے علاوہ وہ کسی اور سے یہ حروف لینے میں عاجز تھے۔مزید یہ کہ وہ امی تھے۔ان میں چند ایک ہی لکھنا جانتے تھے اس لئے ہر ایک کے لئے یہ مشکل تھا کہ اپنی زبان کے ساتھ دوسری زبان کو اختیار کرے۔اس لئے اللہ تعالی نے ان کے لئے یہ آسانی پیدا کردی کہ وہ الفاظ مختلف استعمال کرلیں جب ان کا معنی ایک ہو۔

امام سفیانؒ بن عیینہ سے مدنی اور عراقی قراءات کے اختلاف کے بارے پوچھا گیا کہ کیا یہ سبعہ حروف میں داخل ہیں؟ فرمایا: نہیں! سبعہ حروف تو عربوں کے اس قول کی مانند ہے جیسے وہ کہیں: هلم، تعال، يا أقبل۔ان میں سے جو بھی تم استعمال کرو اور کہو وہ کافی ہوگا۔(الوجیز از ابوشامہ:۱۲۸)

مزید ثبوت ودلائل یہ بھی دئے گئے کہ صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا آپ ﷺ نے دونوں کی قراءت کو صحیح فرمایا۔نیز حدیث ابوبکرہؓ میں بھی آپ ﷺ نے فرمایا: كُلُّهَا كَافٍ شَافٍ۔اسی میں یہ بھی ہے: كَقَوْلِكَ: هَلُمَّ وَتَعَالَ۔اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف الفاظ میں تھا نہ کہ معانی میں۔سیدنا ابن مسعودؓ کی روایت میں یہ بھی ہے: مَنْ قَرَأَ عَلَى حَرْفٍ فَلَا يَتَحَوَّلَنَّ مِنْهُ إِلَى غَيْرِهِ۔جس نے ایک حرف پر پڑھ لیا وہ پھر دوسرے حرف کی طرف وعدہ ووعید وغیرہ میں مت جائے۔

اس قول پر علماء نے جو اعتراضات کئے ان میں ایک یہ ہے: احرف سبعہ سے اگر قبائل کی لغات مراد ہیں تو متفاوت الفاظ کے باوجود معنی تو ایک ہوگا مگر ہیئت نطق مختلف ہوجائے گی جب کہ نطق بھی ان لغات میں شامل ہے۔مگر اس تعریف ووضاحت میں نطق کو احرف سبعہ سے نکال دیا گیا ہے۔مزید یہ کہ یہ قول اپنی محدود تعریف کے ساتھ مختلف قراءات کا دروازہ بند کر رہا ہے۔نہ ہی ان قراءات کے وجود کا کوئی سبب یا اختلاف بتاتا ہے۔

ترجیح: یہ بحث وتمحیص ابھی تک جاری ہے۔علماء اپنی کاوشوں سے سیر نہیں ہوئے۔ابن الجزریؒ تیس سال تک اس حدیث کے معنی ومفہوم پر غور وفکر کرتے رہے اور بالآخر فرماتے ہیں: حَتَّى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيَّ بِمَايُمْكِنُ أَنْ يَكُونَ صَوَابًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ حتی کہ اللہ تعالی نے مجھ پر اس کے مفاہیم جو بھی ممکن تھے وہ کھول دئے۔إن شاءاللہ۔(النشر في القراءات العشر ۲۶/۱)مشہور معاصر

مفسر صاحب شیخ امین الشنقیطیؒ أضواء البیان سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کے متعدد معانی میں ترجیحی معنی کیا ہوسکتا ہے؟ فرمانے لگے: اَلَّذِيْ تَرَجَّحَ لَدَيَّ أَنِّي لَا أَعْرِفُ مَعْنَاهُ جو شے میرے نزدیک راجح ہے وہ یہ کہ میں اس کا معنی نہیں جانتا۔ اس سب کچھ کے باوجود اس بات پر سبھی علماء متفق ہیں کہ احرف سبعہ کے دو فوائد ضرور ہیں:

۱۔ احرف سبعہ کا تعلق قراءت سے ہے نہ کہ معانی سے۔

۲۔ حکمت اس میں یہی تھی کہ امت پر تخفیف و آسانی ہو جو رحمت رب ہے۔

قرآنی علوم کو اگر ہم کھنگالیں تو ممکن ہے اس حدیث کے چھپے راز مزید کھل جائیں۔ فصل و وصل کا باب ہو یا وقف و اعراب کا یا دیگر ابواب قراءت ان میں مزید تحقیق اس حدیث کے مفاہیم کے کئی سربستہ راز کھول سکتے ہیں۔ آخر کلام اللہ میں بھی تو ایسی بہت سی آیات ہیں جن کے معانی ابھی تک علماء تفسیر پر مخفی ہیں اور تحقیق طلب ہیں۔

اس حدیث پر چیں بہ چیں ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ہاں کے مختلف لہجات جیسے سرائیکی، پنجابی، پوٹھوہاری یقیناً ایک دوسرے سے مختلف ہیں مگر کیا کسی ایک لہجے پر سبھی کو مجبور کرنا کہ سبھی سرائیکی پنجابی، اور پوٹھوہاری ایک ہی لہجہ اختیار کریں اور اسی میں پڑھیں حالانکہ سبھی کا تعلق سرزمین پنجاب سے ہے۔ یہی حال سرزمین عرب کا تھا۔ مکہ مکرمہ اور اس کے اردگرد قبائل کی آبادیاں اور حرم کعبہ میں ان کی آمد و رفت نے جہاں قریشی لہجہ کو عام کیا وہاں یہ لہجہ متأثر بھی ہوا۔ نیز مدینہ منورہ میں بھی قریشی لہجے کا غلبہ نہیں تھا اوس و خزرج کے قبائل اپنا خالص عربی لہجہ رکھتے تھے۔ مگر قرآن کریم جب خالص قریشی لہجہ میں اترا تو بہت سے قریشی حضرات کو اپنے لہجے کی درستگی کا میزان تلاوت رسول محترم کی صورت میں ضرور مل گیا۔ ایسی صورت میں قریشی خود بھی متأثرین میں سے تھے۔ اس لئے ان لہجات کی اصلاح ہونا ناممکن ہی نہیں بلکہ بہت مشکل امر ہے۔ الا یہ کہ سیکھنے سکھانے کا اگر کوئی بندوبست کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ ایک خاص عنایت تھی کہ قرآن مجید کو ہر قبیلہ یا قوم کے لئے پڑھنا آسان بنادیا۔ جتنا قرآن مجید آپ ﷺ پر اتر چکا ہوتا جبرائیل امین اس کا دور آپ ﷺ کے ساتھ ہر رمضان میں کیا کرتے تھے تاکہ قریشی لہجہ قرار پکڑلے اور حروف کی قراءت میں اگر اختلاف ہو تو بات قریشی لہجہ پر آکر رک جائے۔ نیز دھیرے دھیرے ہر عرب قبیلے میں یہ لہجہ سرایت کرجائے اور وہ اس سے مانوس بھی ہوجائے۔ القصہ ان قبائل کے لہجات کو دیکھئے اور اس مشکل کا اندازہ لگایئے کہ کیا ایسے لوگوں کو رخصت دینے میں خیر و آسانی تھی یا غلط تھا۔ مثلاً:

بنوہذیل کا فرد لفظ لیسجننہ حتّٰی حین کو عتّٰی عین پڑھتا۔اور بنواسد والے تَعْلَمُ یا تَعْلَمُوْن کو تِعْلَم یا تِعْلَمون پڑھتے اور تَسْوَدُّ کو تِسْوَدُّاور ألم أعهدکو ألم إعهد پڑھتے۔جبکہ تمیمی کا تمتمہ بھی اس کی مجبوری تھی۔و ہ الناس کو والنات پڑھتے۔قیس قبیلہ کا کشکشہ معروف تھا۔وہ ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّکِ تَحْتَکِ سَرِیًّا ۝﴾ (مریم:٢٤)کو قد جعل ربش تحتش سریا پڑھتے۔

ان قبائل کی مجبوریوں کے پیش نظر اگر انہیں حکم دیا جاتا کہ وہ اپنی لغت چھوڑ کر قرآن مجید کو قریش کی لہجہ ولغت میں پڑھیں اولاً تو ایسا کرنا ان کے لئے مشکل تھا جس کے لئے انہیں سخت محنت درکار تھی۔جو شاید بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے لئے تو ممکن ہی نہ تھا۔اپنی عادت اور لہجہ سے دوسرے لہجے کو اپنانے میں جہاں ان کا وقت الگ لگتا وہاں وہ شاید اس قریشی لہجہ کو قبول کرنے سے انکار بھی کر دیتے اور اسے تعصب گردانتے۔اس لئے بطور رحمت یہ سب اجازت دی گئی تاکہ سب کے لئے اس کا پڑھنا اور مستفید ہونا آسان تر ہو جائے۔(تاویل مشکل القرآن:٣٦،٣٧)

سنت رسول بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے قبائلی افراد کو مجبور نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ مکمل ہمدردی اور کھلے ذہن کا مظاہرہ کیا جس سے وہ قریشی لہجہ سے محبت کرنے لگے۔آپ ﷺ کے پاس ایسے قبیلہ کے لوگ آئے جو الف لام تعریف کی بجائے م بولتے۔انہوں نے سوال کیا:أَمِنَ امْبِرِّ امْصِیَامِ فِی امْسَفَرِ؟ آپ ﷺ نے بھی انہیں انہی کے لہجے میں جواب دیا: لَیْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِیَامُ فِی امْسَفَرِ۔جس سے نہ وہ صرف محظوظ و مطمئن ہوئے بلکہ ایسی وسعت قلبی کے وہ بھی قائل ہو گئے۔سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بھی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی:أَنْتَ أَفْصَحُ الْعَرَبِ۔آپ ﷺ نے بھی فرمایا: رُبِّیتُ فِی قُرَیْشٍ وَرُضِعْتُ فِی بَنِی سَعْدٍ وَلَا فَخْرَ۔قریشیوں میں میری تربیت ہوئی اور بنوسعد کا میں نے دودھ پیا اور اس میں فخر کی کوئی بات نہیں۔

اسی وجہ سے سیدنا ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

قَدْ نَظَرْتُ إِلَى الْقُرَّاءِ، فَرَأَيْتُ قِرَاءَ تَهُمْ مُتَقَارِبَةً وَإِنَّمَا هُوَ كَقَوْلِ أَحَدِكُمْ: أَقْبِلْ، هَلُمَّ، تَعَالَ۔ فَاقْرَؤُوا كَمَا عَلِمْتُمْ أَوْ كَمَا قَالَ۔ میں نے قراء کی قراءت میں غور کیا تو مجھے ان کی قراءت ایک دوسرے کے قریب نظر آئیں بلکہ وہ ایسی لگیں جیسے تم کسی کو یہ کہو: آگے بڑھو، آو، یا سامنے آو۔لہذا تم جیسی قراءت جانتے ہو وہی پڑھا کرو۔

یعنی وہ حروف ایسے ہوتے تھے جیسے ہم میں سے کوئی مختلف الفاظ استعمال کرے مگر ان سب کا معنی ایک ہی ہو۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک کا معنی کچھ ہو اور دوسرے کا کچھ مگر دونوں معنی پھر بھی درست ہوں۔اس صورت میں یہ اختلاف تنوع

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

اور تغایر کا ہوگا نہ کہ تناقض اور تضاد کا۔ جیسا کہ ﴿مَلِكِ﴾ کو ﴿مَالِكِ﴾ پڑھنا۔ یا ﴿نَادٰیهَا مِن تَحْتِهَا ﴾ کو ﴿ مَن ﴾ پڑھنا۔ معنی بدل بھی گیا اور درست بھی ہے۔

فوائد:

۱۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعہ حروف پر قراءت مدینہ منورہ میں ہی تھی کیونکہ ہشام بن حکیم فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی قراءت وہی ہوگی جو خود رسالتمآب ﷺ اپنے آخری مدنی دور میں کیا کرتے تھے۔ اس کی مزید شہادت جناب جبرئیلؑ کا آپ کے پاس بنوغفار کے پنگھٹ کے پاس آ کر سبعہ احرف پر مزید تاکید کرنا ہے۔

۲۔ مختلف قبائل نے اسلام جب قبول کیا تو اس وقت سبعہ حروف کا حکم آیا۔ کیونکہ قرآن تو لغت قریش پر اترا تھا۔ نیز سب حروف کا انحصار بھی حرف قریش پر ہی تھا۔ جس کی دلیل سیدنا عمرؓ کا ہشامؓ سے دوسری قراءت سن کر جلال میں آنا ہے۔

۳۔ سبعہ احرف کی اجازت محض عربوں کے لئے ایک تخفیف وسہولت تھی تاکہ قراءت میں پیش آنے والی دشواری، آسان محسوس ہو۔ پھر عرب اس وقت خالص امی تھے جن کی عورتیں، بچے اور بوڑھے آسانی سے اپنے لہجے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں تعلیم و تربیت اور دوسروں کے ساتھ مل جل کر ان کے لہجات کو بدلنا ممکن تھا۔

۴۔ حروف سبعہ کا مسئلہ اجتہادی مسئلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ پر ایک اتارا ہوا حکم تھا۔ جس کی دلیل حدیث رسول ﷺ میں لفظ "أنزل" ہے اور جبرئیلؑ کا یہ ارشاد ہے: (إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتُكَ الْقُرآنَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ) اور اسی طرح ان کا یہ ارشاد (وَكَذَٰلِكَ أُنْزِلَت---) ہے۔

۵۔ جن احرف پر قرآن اترا ہے اس کی تعداد میں کمی وبیشی نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ "سبعہ" کا لفظ یہاں کثرت کے معنی میں ہے نہ کہ حصر مراد ہے۔ اس لئے کہ اسی تعداد و لہجات کی حدود میں اہل عرب کے لہجات تھے۔

حروف سبعہ اب بھی موجود ہیں یا نہیں؟: علماء اس بارے میں مختلف ہیں کہ سبعہ حروف اب بھی موجود ہیں یا نہیں۔ اور آیا مصاحف عثمانیہ حروف سبعہ پر مشتمل تھے یا نہیں؟ حافظ ابن جریر اور ان کے متبعین کا قول یہ ہے: ''مصاحف عثمانیہ صرف ایک حرف پر مشتمل تھے اور باقی چھ حروف اب محفوظ نہیں"۔ (تفسیر ابن جریر ۲۲/۱)

☆ ......دوسرا قول امام طحاویؒ کا ہے جن کے مطابق سبعہ حروف سے مراد مرادفات ہیں۔ جن کی اجازت ابتداء میں مسلمانوں کی

آسانی کے لئے دی گئی تھی۔لیکن بعد میں یہ مرادفات منسوخ ہو گئے ۔(مشکل الآ ثار۴/۱۸۷)لیکن یہ دونوں قول درست نہیں ہیں اوران پرمختلف اعتراضات لگائے گئے اورمتعدد علماء نے ان پرتنقید کی۔

☆......سب سے راجح قول ابن الجزری رحمہ اللہ کا ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں وہ حروف موجود ہیں جواس کے رسم الخط میں سما سکتے تھے۔اور یہ مصحف اس آخری دورہ قرآن پرمشتمل ہے جونبی اکرم ﷺ نے جبرائیلؑ سے کیا تھااورجس کا کوئی حرف نہیں چھوڑا گیا۔(النشر فی القراءات العشر :۳۱)نیزاس میں سبعہ حروف کی رخصت کی بات نہیں تھی۔اگرسبعہ حروف کا مسئلہ عزیمت کا ہوتا تو قرآن مجید ضرور ہرحرف میں لکھا جاتا۔ابن الجزریؒ یہ بھی فرماتے ہیں: سلف وخلف کے علماء کی اکثریت یہی کہتی ہے کہ عثمانی مصاحف ان حروف پرمشتمل ہیں جوان کے رسم الخط میں سما گئے ۔(النشر فی القراءات العشر ۱/۱۶)

☆......اس قول کی ایک اوردلیل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں ملتے جلتے لہجوں اورالفاظ کے استعمال کی اجازت دی گئی۔جب لوگ لغت قرآن سے مانوس ہو گئے تو یہ اجازت اوررخصت رفتہ رفتہ ختم کردی گئی۔اورآپ ﷺ کی وفات سے پہلے آخری رمضان میں حضرت جبرائیلؑ نے جب آپ ﷺ سے قرآن کا دومرتبہ دورفرمایا۔اس وقت یہی متشابہ الفاظ منسوخ کردیئے گئے۔ ان منسوخ شدہ الفاظ کوسیدنا عثمانؓ نے اپنے مصاحف میں درج نہیں فرمایا۔اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ احرف سبعہ میں سے وہ حروف جومصاحف عثمانیہ کے رسم الخط میں سما سکتے تھے وہ اب بھی موجود ہیں۔جبکہ باقی حروف منسوخ ہو گئے ہیں۔

قراءت اورحروف میں فرق:

☆......علماء کہتے ہیں کہ حرف میں لفظ ایک ہوتا ہے مگراس کے پڑھنے یعنی قراءت کی متعدد صورتیں ہوتی ہیں۔

☆......رسول اللہ ﷺ کی قراءت رب کریم کے حکم کے مطابق تھی جوکچھ نازل ہوتا آپ ﷺ اسے صحابہ کوپڑھ کرسناتے۔کبھی کبھی وحی کے الفاظ کومتعدد صورتوں میں بولتے اورادا فرماتے۔جن کا تعلق اعراب کی مختلف جائز صورتوں سے ہوتا یا مد اورقصر سے ہوتا یا کہیں تخفیف اورکہیں تثقیل سے ہوتا یا نقل وابدال سے ہوتا۔اسی طرح یہ بھی ہوتا کہ کتابت کی ایک ہی صورت ہومگرنطق واداء میں مختلف ہو۔آپ ﷺ صحابہ کرام کواجازت بھی مرحمت فرماتے کہ وہ ان صورتوں میں جوبھی چاہیں پڑھ لیں۔قراءت کی یہ تمام صورتیں صرف سات یادس پرمنحصر نہ تھیں بلکہ ان کی مجموعی صورتیں اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہیں۔

☆......قرآن کریم میں قراءت کا اعتماد صرف تلقی (to aquire) اورحفظ پر ہے جوثقہ ازثقہ اورامام ازامام بہ سند رسول

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اکرم ﷺ تک جا پہنچے۔اس اعتماد کی وجہ یہ ہے کہ مصحف کی کتابت میں غلطی کا امکان ہے جیسا کہ اس کی طباعت میں ہو جاتا ہے اور اصل قرآن نقطوں میں ہے نہ اعراب میں۔اس شرط کا فائدہ یہ ہے کہ قراءت میں وسعت ہو اور لوگ کسی ماہر امام سے قراءت کو اخذ کر سکیں۔

☆......اصحاب رسول نے آپ ﷺ سے قرآن کریم ایک حرف میں بھی سیکھا اور دو حرف یا دو سے زائد میں بھی۔بعد میں یہی صحابہ رسول مختلف علاقوں میں پھیل گئے جن سے تابعین نے سیکھا۔ نتیجۃً یہ روایت و کوشش علم قراءت کی شکل میں سامنے آ گئی۔

☆......سیدنا عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوا کر متعدد صوبوں اور شہروں میں بھیجے تھے تو ان کے ساتھ پڑھانے والے بھی ایسے بھیجے جن کی قراءت اس قرآن کے موافق تھی۔ان میں سیدنا علیؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابن مسعودؓ اور ابوالدرداءؓ تھے۔انہی کو خود سیدنا عثمانؓ نے مصاحف دے کر مختلف آفاق میں روانہ کیا۔چنانچہ یہ قراءت ہر علاقے میں اپنے معلم اور مصحف کی وجہ سے مختلف انداز میں پھیل گئی تھی۔جبکہ تابعین میں معلم قرآن حضرات سعید بن مسیبؒ، عروہؒ، سالمؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، سلیمان بن یسارؒ اور ان کے بھائی عطاءؒ و دیگر حضرات تھے۔

☆☆☆☆☆

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

لِسَانُکَ لَا تَذْکُرْ بِهِ عَوْرَةَ امْرِئٍ　　　فَكُلُّکَ عَوْرَاتٌ وَلِلنَّاسِ أَلْسُنُ

اپنی زبان سے کسی کے عیب بیان نہ کرو ورنہ تیری ذات معیوب ہو جائے گی اور لوگوں کی بھی زبانیں ہیں

وَعَیْنُکَ إِنْ أَبْدَتْ إِلَیْکَ مَعَایِبًا　　　لِقَوْمٍ فَقُلْ یَا عَیْنُ لِلنَّاسِ أَعْیُنُ

تمہاری آنکھ کو اگر لوگوں کے عیب نظر آتے ہیں تو آنکھ سے کہو: اے آنکھ! لوگوں کی بھی آنکھیں ہیں

کعب بن زہیر نے کہا:

وَمَنْ دَعَا النَّاسَ إِلٰی ذَمِّهِ　　　ذَمَّوْهُ بِالْحَقِّ وَالْبَاطِلِ

جو لوگوں کو اپنی مذمت کرنے کی دعوت دے تو وہ اسے سچ جھوٹ ملا کر مذموم بناتے ہیں

أَیُّهَا الْمُسْتَعِیْرُ مِنِّیْ کِتَابَانِ　　　ارْضَ لِیْ فِیْهِ مَا لِنَفْسِکَ تَرْضٰی

مجھ سے کتاب مستعار لینے والے، اس معاملے میں تم میرے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو

لَا تَرٰی رَدَّ مَا أَعَرْتُکَ نَفْلًا　　　وَتَرٰی رَدَّ مَا اسْتَعَرْتُکَ فَرْضًا

تم میری مستعار کتاب کو رد کرنا نفل بھی نہیں سمجھتے اور اپنی مستعار کتاب کا لوٹانا تم فرض سمجھتے ہو

سوالات

۱۔حروف سبعہ کی جامع تعریف کیجئے اور دلائل دیجئے کہ شرعاًیہ ثابت ہیں۔

۲۔ان فوائد کا ذکر کیجئے جن کی نشاندہی صحیح بخاری میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کی روایت حروف سبعہ کے بارے میں کرتی ہے۔

۳۔حروف سبعہ کیا ہیں؟ کیا آپ تفصیل دینا چاہیں گے؟

۴۔سبعہ حروف عطا کرنے کے مقاصد کیا تھے؟اس کی وجوہات بیان کیجئے۔

۵۔حروف سبعہ کے فوائد تحریر کیجئے۔

۶۔علماءسبعہ حروف کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ان کی آراء لکھئے اور تبصرہ کیجئے۔

۷۔کیا ہجرت نبوی ﷺ سے پہلے حروف سبعہ کا ذکر کہیں ملتا ہے؟جو کہنا ہے اسے وضاحت سے لکھئے۔

۸۔قراءت اور حروف میں کیا فرق ہے؟تفصیل دیجئے۔

۹۔کیا حروف سبعہ اب بھی موجود ہیں؟وضاحت کیجئے۔

مشق

۱۔"لغات الحدیث"(مؤلف علامہ وحید الزمانؒ)کتاب سے یا دوسری لغات سے مادہ"حرف" کو نکالئے اور اس میں حروف سبعہ پر جو لکھا ہے ان کو لکھ کر تبصرہ کیجئے۔

۲۔کسی ایسی کتاب کا تفصیلی تعارف لکھئے جس میں حروف سبعہ کے بارے لکھا ہو۔

☆☆☆☆☆

قرآن آسان ہے

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنادیا ہے تو ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے۔قرآن واقعی آسان کتاب ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا پیغام ہے جو عام بندوں کے نام بھی ہے اور خاص کے بھی۔اسے مشکل سمجھانا،یا سجھانا قرآن سے دور بھگانا ہے۔اسے رب نے جب آسان کہا تو ہم کون ہیں اسے مشکل کہنے والے۔صرف اِسی کو سمجھایئے پھر دیکھئے یہ عام فرد کو آسان لگتی ہے یا نہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:10

علم قراء ات

لغت میں: قِرَاءَۃٌ کی جمع قراء ات ہے۔اور یہ قَرَأَ یَقْرَأُ سے مصدر ہے۔مزید مصادر قرآن وقُرُءٌ بھی ہیں۔ قُرُءٌ عربی میں جمع کرنااور اکٹھا کرنے کے معنی میں ہے۔جیسے:قَرَأتُ الْمَاءَ فِی الْحَوْضِ ۔میں نے حوض میں پانی جمع کرلیا۔ قِراء ۃ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ قارِئ ایک حرف کوحرف کے ساتھ جمع کرتا ہے جوکلمہ بن جاتا ہےاورکلمہ کلمہ کو اکٹھا کرکے جملہ بنادیتا ہے اور جملہ جملے کے ساتھ وہ پڑھتا ہے۔اس طرح وہ سب کوجمع کرلیتا ہے۔ قِراءۃ کا مطلب: پڑھنے کی کیفیت ہے۔

قراءۃ اورعلم القراءات میں فرق:

قراءۃ: قراءات سبعہ وعشرہ میں جوبھی قرآن کریم کےنطق کے طریقے اور مسلک کا قائل ہوتا ہےاوردوسرے اس کے ساتھ متفق نہیں ہوتے۔بشرطیکہ اس کی طرف منسوب تمام روایات متفقہ ہوں۔اسے قراءۃ کہتے ہیں۔یہ اختلاف نطق حروف یا نطق ہیئت میں ہوسکتا ہے۔

اس کے مزید یہ نام بھی ہیں: روایت،طریق اوروجہ۔

روایت: امام سے لینے والے کی طرف منسوب یہ قراءۃ ہوتی ہےخواہ وہ اسے کسی واسطہ سے حاصل کرے۔

طریق: جوراوی سے لینے والے کی طرف منسوب ہوخواہ اس کی سند نازل ہی کیوں نہ ہو۔

وجہ: قاری کے انتخاب کی طرف منسوب وہ قراءۃ ہوجس پروہ خود قائم ہواوراس سے وہ قراءۃ لی جاتی ہو۔

اصطلاح میں: وہ علم ہے جوقرآن کے الفاظ کوادا کرنے کی کیفیت اوراس میں اتفاقی واختلافی صورت کو بیان کرےاوراس کے راوی کی طرف اسے منسوب کیاجائے۔ القِراءَۃُ عِلْمٌ بِکَیْفِیَّۃِ أَدَاءِ کَلِمَاتِ الْقُرْآنِ وَاخْتِلَافِھَا مَعْزُوًّا لِنَاقِلِہِ۔ اس تعریف سے دوباتیں سامنے آئیں۔

۱۔الفاظ قرآن کی کیفیت ادائیگی،خواہ اس کیفیت ادائیگی میں ناقل یعنی قراءحضرات کا اختلاف ہو یا اتفاق۔

۲۔ائمہ قراء سے اس کی نقل وروایت صحیح ہوجومتصل صحیح سند کے ساتھ رسول اکرم ﷺ سے لی گئی ہو۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

یہی وجہ ہے کہ قراءۃ میں یہ اہم شرط ہے کہ اسے کتابوں کی بجائے براہ راست اہل علم سے لی جائے۔

موضوع: علم القراءت کا موضوع کلمات قرآنیہ ہیں۔اس علم میں دو باتیں زیر بحث آتی ہے۔ایک یہ کہ کن کلمات قرآنی کو کس طرح پڑھا گیا اور دوسرا یہ کہ آپ ﷺ نے از روئے وحی کس فرق کی اجازت دی۔

اس کا سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے۔تا کہ قراءۃ قرآن میں نطق کی غلطیوں سے بچا جا سکے اور تحریف وتبدیلی سے بھی قرآن کریم کو بچایا جا سکے۔یہ بھی علم ہو کہ اسے قراء حضرات نے مختلف قراءتوں میں کیسے پڑھا اور روایت کیا ہے۔

آغاز واسباب: قراءۃ کا آغاز نزول قرآن کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔رسول اکرم ﷺ کو تعلیم قرآن کی تلقین کی گئی تھی۔آپ ﷺ نے مکہ میں ہی اس تعلیم کا آغاز دار ارقم سے کر دیا تھا۔کیونکہ آپ ﷺ کو حکم تھا کہ جو کچھ آپ ﷺ پر اترا ہے اسے آگے پہنچایئے۔اور ٹھہر ٹھہر کر لوگوں پر پڑھئے۔جبریل امین آپ ﷺ کو لغت قریش میں جو کچھ سکھاتے آپ ﷺ اسے اپنے اصحاب کو نمازوں، خطبوں اور مختلف مواقع پر سناتے اور سکھا دیتے۔ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ بعض صحابہ کو صبح پانچ آیات پڑھ کر سناتے اور شام کو بھی۔صحابہ رسول نے اس میں مشقت بھی محسوس کی۔آپ ﷺ کی درخواست پر اس میں تخفیف کی گئی اور سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت بھی اللہ تعالی نے مرحمت فرمادی۔اس لئے کبھی صرف ایک حرف بھی سکھا دیتے اور دوسرے کو دوسرے حرف میں سکھا دیتے۔پھر ہر صحابی جو آپ سے سیکھتے یا سنتے آپ ﷺ ہی کی تحریک پر قریہ قریہ اور بستی بستی جا کر سکھاتے۔بہت کم صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے مکمل قرآن پاک سیکھا اور وہ بھی مختلف انداز سے سیکھا۔اس کے چند اسباب تھے:

۱۔تعلیم کے بعد آپ ﷺ ان صحابہ کو مختلف علاقوں میں تعلیم قرآن واحکام دین کے لئے روانہ فرماتے۔

۲۔کچھ صحابہ عمال مقرر ہوتے جو حکمرانی کے ساتھ قرآن کریم کی تدریس وتعلیم بھی دیتے اور نگرانی کرتے۔

۳۔رزق حلال کی طلب میں صحابہ رسول ادھر ادھر روانہ ہوتے اور کئی دن کے سفر کے بعد ان کی واپسی ہوتی۔

دیگر بھی کئی اسباب ہو سکتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کی تلاوت کو تسلسل سے سیکھنے میں مانع رہے۔کچھ خوش قسمت صحابہ کرامؓ پورا قرآن کریم آپ سے سیکھنے اور حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جن میں اصحاب صفہ کے علاوہ خلفاء اربعہ، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہم بالخصوص قابل ذکر ہیں۔جب بھی کوئی شخص مدینہ آ کر مسلمان ہوتا تو آپ اسے انہی صحابہ کے حوالے کر دیتے جو انہیں قرآن یاد بھی کراتے اور پڑھنا بھی سکھاتے۔یہیں سے ایک جماعت

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

صحابہ تیار ہوئی جسے قراء کہا گیا۔ اور متعدد صحابہ کرام نے پھر قرآن کریم کو حفظ کر لیا۔

قرآن کا کوئی حصہ نازل ہوتا، نبی اکرم ﷺ اس کی کتابت کے ساتھ ساتھ پڑھنے کا طریقہ بھی بتا دیتے مثلاً: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ کو لکھوا کر لفظ مالک کو دو طریقوں سے مَلِكِ اور مٰلِكِ پڑھنا سکھا دیا۔ یوں صحابہؓ نے نبی اکرم ﷺ سے مختلف قراءات سیکھیں اور آگے سکھائیں۔ اس تنوع کا سبب خط مصحف بھی ہو سکتا ہے جو خود آپ ﷺ نے تجویز فرمایا اور اسے ایسے ہی لکھنے کا حکم دیا۔ نیز کتابت مشکول یا منقوط نہیں ہوتی تھی اس لئے کسی بھی حرف کی دو صورتیں ہو سکتی تھیں جیسے ''یا'' اور ''تاء'' میں فرق ہونے سے یا فتحہ وضمہ کے فرق سے۔ جس میں ایک ہی خط دو معنوں کو بتا رہا ہو۔ اس ضمن میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ بطور مثال پیش کی جاسکتی ہے نیز مصاحف قرآن کی کتابت کے بعد جن سات شہروں میں سیدنا عثمانؓ نے وہ نسخے بھیجے ساتھ ہی ان نسخوں کے پڑھانے کے لئے معلم اصحاب کو بھی بھیج دیا۔ اس طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا اور ہر نئی نسل پہلوں سے قراءۃ لیتی رہی۔

یہی صحابہ ہر مفتوحہ علاقے میں جا کر آباد ہو گئے اور اسی تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع کر دیا جو انہوں نے آپ ﷺ سے سیکھا تھا۔ قراءۃ کے یہ مختلف انداز جب تابعین میں پھیلے تو قراءتیں بھی بکثرت منتشر ہو گئیں۔ اس طرح ایک نزاعی صورت یہ پیدا ہو گئی کہ ہر شیخ کے شاگرد اپنی قراءت کو ترجیح دینے لگے۔ اس کی بڑی وجہ بعض صحابہ اور ان کے شاگردوں کی یہ لاعلمی بھی ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ پر قرآن کریم سبعہ حروف میں نازل ہو۔ جس کی قراءۃ کی بھی مختلف صورتیں تھیں۔ جسے آپ ہر سیکھنے والے کو سکھاتے گئے۔ جب کہ ان میں کچھ جبریل امین کے ساتھ ہر سال دورہ قرآن کے دوران منسوخ ہو جاتی تھیں اور جس سال آپ ﷺ فوت ہوئے اس سال تو آپ ﷺ نے دو دفعہ دورہ قرآن فرمایا جس میں جبریل امین نے یہ بھی سکھایا اور بتا دیا کہ سبعہ حروف میں کیا باقی ہے اور قراءت میں کیا منسوخ ہو گیا ہے۔ (شرح السنہ از امام بغوی ۳، ۵۷)

ان اسباب کی بنا پر بعض صحابہ کرام کو ایسے نسخ کا علم نہ ہو سکا۔ جب یہ اختلاف عام ہونے لگا تو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کا تدارک چاہا۔ اور مشورے سے ایسے مصحف کو لکھنے کا حکم دیا جس میں وہ متواتر قراءۃ اور حروف سما جائیں جو آخری بار جبریل امین کے ساتھ کئے گئے دورہ قرآن سے ثابت ہیں۔ باقی ان تمام تحریروں کی قراءۃ کو ترک کر دیا جائے جن میں باوجود نسخ ثابت ہونے کے منسوخ آیات بھی موجود تھیں۔

مصحف عثمانی، قریش کی زبان وحرف میں لکھا گیا تھا اس طرح عام وخاص کی قراءت اس کے موافق ہو گئی۔ مگر بعض قراءات کچھ

صحابہ کرامؓ کی طرف بعد تک منسوب رہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ جس شہر میں بھی کوئی صحابی گئے تو وہاں ان کی قراءت عام ہوگئی۔ جن میں سیدنا ابن مسعودؓ کی قراءت کو کافی شہرت حاصل ہوگئی۔ ابن مسعودؓ کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے کوفہ بھیجا تھا۔ اس طرح کوفہ میں ابن مسعودؓ کی قراءت کو یہ مقام ملا کہ اہل کوفہ اس قراءت کے علاوہ کچھ اور جانتے ہی نہ تھے۔ ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ جو سیدنا عثمانؓ سے حدیث خَیْرُکُمْ من تعلم۔۔ روایت کرتے ہیں کو ابن مسعودؓ کی قراءت۔۔ جس میں شذوذ بھی تھا۔۔ کا اثر زائل کرنے کے لئے چالیس سال مسجد اعظم میں بیٹھ کر لوگوں کو مصحف عثمانی کے مطابق قراءت پڑھائی تب جا کر لوگوں میں یہ شعور بھی آیا کہ متفقہ صحیح قراءت کون سی ہے؟ اس طرح لوگ دوسری قراءتوں سے مانوس ہو کر ابن مسعودؓ کی قراءت کو بھول گئے۔

معتزلہ میں کسی نے ﴿وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا﴾ میں لفظ جلالت کو منصوب پڑھا۔ اور کسی رافضی نے ﴿وَمَا کُنْتُ مُتَّخِذُ الْمُضَلِّیْنَ عَضُدًا﴾ میں مضلین کو بفتح اللام پڑھا۔ جس سے وہ حضرات شیخین مراد لیتا۔ اس طرح جو اہل بدعت واہل اہواء کی طرف سے شاذ قراءت کے اثرات باقی تھے اور رسم قرآنی میں جن کا احتمال بھی تھا وہ بتدریج زائل ہونا شروع ہوگئے۔

علماء نے مصحف عثمانی کو متفقہ مصدر و مرجع قرار دے کر ہر اختلاف کو اس کے ذریعے ختم کرنے پر اتفاق کرلیا۔ ہر علاقے میں مسلم قراء بالخصوص تابعین کرام نے قرآن پڑھنے اور پڑھانے کی ذمہ داری سنبھال لی۔ چنانچہ **مکہ مکرمہ** میں مجاہد بن جبر، طاوس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح، ابن ابی ملیکہ اور عکرمہ مولی ابن عباس رحمہم اللہ وغیرہ نے، **مدینہ منورہ** میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عمر بن عبد العزیز، سلیمان اور عطاء بنا یسار اور ابن شہاب زہری، زید بن اسلم، سالم بن عبد اللہ اور معاذ بن الحارث القاریؒ، رحمہم اللہ نے، **شام** میں خلید بن سعید سیدنا ابوالدرداء کے شاگرد اور مغیرہ بن ابی شہاب مخزومی سیدنا عثمانؓ کے شاگرد، اور عطیہ بن قیس کلابی رحمہم اللہ نے اور **بصرہ** میں حسن بصری، محمد بن سیرین، قتادہ بن دعامہ سدوسی، ابوالعالیہ ریاحی، نصر بن عاصم، یحیی بن یعمر اور جابر بن زید اور ابورجاء عطاردی رحمہم اللہ نے اور **کوفہ** میں علقمہ بن قیس نخعی، عمرو بن میمون، سعید بن جبیر، مسروق بن الأجدع، اسود بن یزید، عمرو بن شرحبیل، ابوعبدالرحمٰن السلمی اور حارث بن قیس رحمہم اللہ وغیرہ نے مصحف عثمانی کی طرز پر تعلیم قرآن کو عام کیا۔ جن سے ایک ایسی جماعت برآمد ہوئی جنہیں تاریخ میں ایک سند کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ انہوں نے اپنے مشائخ کی قراءات کی روایت اور اس کی تدریس میں خاصی محنت کی اور ان قراءات کو اسانید کے ساتھ روایت کرنے کی طرح ڈالی۔ یہ حضرات بتدریج طلبہ قراءات کے مرجع و مرکز بن گئے یہی وہ ائمہ عشرہ ہیں جن کی سات اور دس قراءات مشہور ہیں۔

آپ ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟ آپ ﷺ کی قراءت ترتیل سے ہوا کرتی جس میں ہر حرف نمایاں اور دوسرے سے جدا

ہوتا اور کلمہ بالکل واضح ہوتا۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً۔ اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھئے۔ تاکہ ذہن کلام الٰہی کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لے اور دوسرے کو متاثر کر کے سمجھا بھی دے۔ قراءت کے دوران آواز میں صوتی آہنگ **Rythm** ہوتا جو کلام الٰہی کے تاثر و تاثیر کو مزید نمایاں کر دیتا۔ آپ ﷺ کی آواز میں سوز بھی تھا اور ایک منذر والا جوش بھی اور عاجز انسان کی تواضع بھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کی آیات آتیں تو آواز بلند ہو جاتی اور دل پر ہیبت طاری ہو جاتی آواز لڑکھڑا جاتی اور رکوع وسجدے میں آنسو بہاتے اور جہاں اس کی رحمت کا بیان ہوتا وہاں دلی جذبات تشکر سے لبریز ہو جاتے، آواز میں مزید طلب کا اظہار ہوتا۔ کہیں اس کے غضب یا عذاب کا ذکر آتا تو دلی خوف طاری ہو جاتا۔ آپ مد کی آواز کو کھینچ کھینچ کر لمبا پڑھتے اور بالخصوص نماز میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے وقت ہر آیت پر رکتے۔ جہاں تسبیح کا ذکر آتا آپ ﷺ تسبیح بیان کرتے، جہاں دعا آتی آپ ﷺ دعا فرماتے اور جہاں عذاب وسزا کی بات آتی آپ ﷺ رب کی جناب میں اس سے پناہ مانگتے۔

صحیح قراءت کی شرائط: علماء نے صحیح قراءت کے لئے تین شرائط لگائی ہیں۔

سند کی صحت: اس سے مراد یہ ہے کہ جس صحابی سے قراءت لی جارہی ہے انہوں نے وہ خود نبی اکرم ﷺ سے سنی ہو اور آپ کے سامنے اسے پڑھا بھی ہو۔ پھر اس صحابی سے تابعی نے اور اس سے تبع تابعی نے سنا ہو۔ اس طرح یہ سند اتصال کے ساتھ آگے بڑھے۔ صرف وہ قراءت لی جائے گی جو متواتر اور مشہور ہو جبکہ غریب اور عزیز قراءت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ ابن الجزریؒ اور سبکیؒ کا کہنا یہی ہے کہ قراءاتِ عشرہ متصل سند کے ساتھ ثابت ومشہور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اسانید کے اوائل میں ان صحابہؓ کے نام بکثرت آتے ہیں جنہوں نے حلال وحرام، اسباب نزول یا تفسیر آیات کے بارے میں احادیث روایت کی ہیں۔ قراءت کی اسانید میں اسی ربط وتسلسل کے زیر اثر علماء نے خیال ظاہر کیا کہ یہ قراءتیں توقیفی یعنی حکم خداوندی کے مطابق ہیں۔

اس کے علاوہ قراءت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ قراءت کی سند کے ہر طبقے میں موجود راویوں نے اپنے اساتذہ سے بالمشافہہ ملاقات کر کے قراءت سیکھی ہو اور کی ہو۔ کتب پر اعتماد کر کے قراءت نہیں لی جا سکتی۔ جو قراءت بلا سند اور مبنی بر قیاس ہو علماء نے اس کے پڑھنے اور روایت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

مصحف عثمانی کے مطابق: قرآن مجید کی جمع وتدوین کے سلسلے میں مصحف عثمانی پر اعتماد کیا گیا۔ اسی لئے جب صحیح قراءت کی شرائط مرتب کی گئیں تو یہ بات بھی مدنظر رکھی گئی کہ کی جانے والی قراءۃ مصحف عثمانی سے مطابقت رکھتی ہو۔ مثلاً: ﴿ملک یوم الدین﴾ مصحف میں اسے بغیر الف کے لکھا گیا ہے۔ لہذا جو محذوف ہے اس کے ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اور الف جو مقدر

ہے اس کے پڑھنے کا احتمال ہوسکتا ہے۔اس لئے ہر وہ قراءت جو مصحف عثمانی کے خلاف تھی اسے ترک کر دیا گیا۔امام کسائیؒ کا کہنا ہے کہ لفظ "صراط" کو سین سے پڑھنا عربی زبان میں عام ہے۔لیکن اسے صاد سے کیوں پڑھتا ہوں؟اس لئے کہ مصحف کی پیروی کرتا ہوں۔اسی طرح مشہور نحوی عالم زجاج (ملاقوا ربهم) کے بارے میں کہتے ہیں کہ اصل میں (ملاقون ربهم) ہے مگر قرآن میں ایسا لکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ مصحف کے رسم الخط کی مخالفت ہوگی۔رسم عثمانی میں اگر ایک لفظ کو مختلف طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش موجود تھی تو اسے اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ آپ ﷺ سے یہ طریقے ثابت نہیں تھے۔اس بات سے قراءت کے لئے پہلی اور دوسری شرط کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔

عربی زبان کے موافق: صحیح قراءت کے سلسلے میں لگائی جانے والی تیسری شرط یہ تھی کہ کی جانے والی قراءت عربی زبان کے قواعد اور صرف ونحو کے مطابق ہو اور اس میں غلطی نہ ہو۔امام مکی بن أبی طالب القیسیؒ (م۴۳۷ھ) اپنی کتاب "الإبانة:۱۸" میں صحیح قراءت کے ارکان اور شرائط کے بارے میں لکھتے ہیں:

أَنْ يَنْقُلَ عَنِ الثِّقَاتِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَكُونَ وَجْهُهُ فِي الْعَرَبِيَّةِ الَّتِيْ نَزَلَ بِهَا الْقُرْآنُ الْكَرِيْمُ شَائِعًا، وَيَكُوْنَ مُوَافِقًا لِخَطِّ الْمُصْحَفِ۔ ثقات کی سند نبی اکرم ﷺ تک متصل ہو اور عربی کی وہی صورت ہو جس میں قرآن اترا اور عام ہوا نیز وہ خط مصحف کے موافق ہو۔

قُراء سبعہ: امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: صحابہ میں قرآن پڑھانے والے مشہور لوگ سات تھے۔سیدنا عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، ابوموسی اشعری، اور ابوالدرداء عویمر بن زید رضی اللہ عنہم۔یہ وہ محترم صحابہ ہیں جنہوں نے حیات نبوی میں ہی قرآن حفظ بھی کر لیا تھا اور عرضاً آپ ﷺ کو پیش بھی کر دیا تھا۔قراء ائمہ عشرہ کی اسانید انہی پر جا ختم ہوتی ہیں۔جن صحابہ نے قرآن کو جمع کیا تھا جیسے معاذ بن جبل، ابوزید، سالم مولی ابی حذیفہ، عبداللہ بن عمر اور عتبہ بن عامر۔ان کی قراءات ہم تک متصل نہیں پہنچ پائی اس لئے انہی سات صحابہ تک قراءت محدود ہوگئی۔(معرفۃ القراء الکبار۱/۳۹)

قراءات کی انواع:

علماء نے متعدد گنوائی ہیں۔جن میں متداول یہ ہیں:

متواتر۔جیسے ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ الف کی ساتھ۔مگر ﴿ملك يوم الدين﴾ بغیر الف کے متواتر نہیں۔

مشہور: جو درجہ تواتر تک نہ پہنچی ہو۔جیسے:﴿ما أشهدتهم خلق السموت ولا خلق أنفسهم وما كنتُ متخذ

المضلین عضدا﴾۔ یہ مشہور ہے ورنہ متواتر تو وہی ہے جو مصحف میں پڑھی جاتی ہے۔

آحاد: جس کی سند صحیح ہو مگر رسم کے یا عربی زبان کے مطابق نہ ہو۔ جیسے: ﴿متکئین علی رفارف خضر وعباقری حسان﴾ کوئی پڑھے۔

شاذ: جس کی سند صحیح نہ ہو۔ جیسے: ﴿ننجیک ببدنک﴾ کو نُنَحِّيك روایت کرے۔

موضوع: جس کی کوئی اصل نہ ہو۔ جیسے: (مَلَکَ یوم الدین) صیغہ ماضی کے ساتھ کوئی پڑھے۔ یہ نا قابل قبول ہے۔

مدرج: قراءت میں کوئی تفسیری انداز میں بڑھادے۔ جیسے: ﴿ولہ أخ أو أخت﴾ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تفسیر کرتے ہوئے من أم کا اضافہ کیا۔ یا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿لیس علیکم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربکم﴾ میں فی مواسم الحج کا اضافہ کیا۔ بہر حال یہ تفسیر ہے نہ کہ قراءت۔

......آخری دو کے علاوہ ان قراءات کا حکم یہ ہے کہ ان میں اگر درجہ بالا تین شرائط پائی جاتی ہیں تو وہ قراءت صحیح ہوگی ورنہ نہیں۔

☆......**قراء: کے تین مراتب ہیں:**

مبتدی: جس نے ابتداء کی اور تین قراءات کو وہ سمجھ سکا۔ **متوسط:** جو چار یا پانچ قراءات کو جان سکا۔ **منتہی:** جو قراءات کی اکثر اور مشہور انواع کو جان سکا۔ **مقریٔ:** جو عالم قراءات ہو اور جنہیں وہ بالمشافہہ روایت کرے خواہ شاطبیہ کا حافظ کیوں نہ ہو۔ مثلاً جو اس میں ہو وہ پڑھ لے اگرچہ اس نے بالمشافہہ شیخ سے نہیں لیا کیونکہ قراءات میں سماع اور مشافہہ کو دیکھ کر حکم لگایا جاتا ہے۔

قراء کرام: صحابہ کرام میں سات صحابہ قرآن پڑھانے میں مشہور ہوئے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں وہ یہ ہیں:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ۔ ابوالدرداء عویمر بن زید رضی اللہ عنہ۔ ان سب نے آپ ﷺ سے قرآن سنا کر (عرضاً) حاصل کیا۔ قراء ائمہ عشرہ کی اسانید کا دارومدار انہی پر ہی ہے۔ دیگر صحابہ نے بھی قرآن کریم کو حاصل کیا مگر ان کی سند ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ اس لئے انہی سات صحابہ کرام پر قراءت کی سند آ کر تھم گئی۔ (معرفۃ القراء الکبار ۱/۳۹)

بہت سے تابعین کرام نے ان صحابہ کرام سے قراءت سیکھی۔ جو بیشتر علاقوں میں آباد تھے۔ صحیح قراءت کی شروط کے مطابق جب علامہ ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس ابن مجاہد تمیمی بغدادی (م: ۳۲۴ھ) نے "کتاب السبعۃ" لکھی اور ان قراء حضرات کی قراءت کو سات میں محصور کر دیا تو ضبط قراءت کے ساتھ نقل میں بھی پختگی آ گئی۔ کیونکہ یہ قراءات اس دور کی باقی قراءتوں کے مقابلہ

میں عام وخاص کے ہاں متداول، مشہور اور سب سے زیادہ مستند اور صحیح تھیں۔ جس کا بہت زبردست اثر ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے اس موضوع پر کتابیں آنا شروع ہوگئیں۔ یہ سبعہ قراء درج ذیل ہیں:

۱۔ عبداللہ بن عامر یحصبی دمشقی (۲۱۔۱۱۸ھ)، جلیل القدر تابعی جو ابن عامر کے نام سے شام کے مشہور قاری تھے۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں دمشق کے قاضی رہے۔ ان کی کنیت ابونعیم تھی۔ تابعی تھے نعمان بن بشیر اور واثلہ بن اسقعؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں بھی انہوں نے اپنا قرآن پڑھا۔ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی سند ہشام سے یوں چلی۔ حَدَّثَنَا الْوَلِیْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، حَدَّثَنَا یَحْیی بْنُ الْحَارِثِ الذِّمَارِیِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّہُ قَرَأَ عَلَی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ۔ امام دانیؒ فرماتے ہیں: انہوں نے سیدنا ابوالدرداءؓ اور مغیرہ بن ابی شہاب سے عرضاً قراءت حاصل کی۔ اہل شام میں ان کی قراءت پانچ سو سال تک تلاوت، نماز اور تلقین میں غالب رہی۔ ان سے دو راوی ابن عمار اور ابن ذکوان بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔ (معرفۃ القراء الکبار ۱/۸۲، غایۃ النہایۃ ۱/۴۲۳)

☆ **ابوالولید ہشام** بن عمار سلمی (۱۵۳۔۲۴۵ھ) جو دمشق کے امام خطیب، محدث، مقرئ اور مفتی رہے۔ انہوں نے عرضاً بہت سے قراء سے سنا۔ فصیح اللسان تھے، ان کی روایت بہت پھیلی۔ طویل عمر کے باوجود ان کا حافظہ آخر عمر تک صحیح رہا۔ ابوالولید کی سند ابن عامر تک یہ ہے: ابوعلی ایوب بن تمیم، اور سوید بن عبدالعزیز، دونوں ابوعمرو یحیی بن الحارث الذماری سے اور وہ ابن عامر سے۔ ابوالولید خود، ابوعبید القاسم بن سلام، حلوانی، ہارون اخفش کے شاگرد تھے۔ سند قراءت لینے کے لئے ان کے پاس بہت دور دور سے لوگ آتے۔ ((معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۹۵، غایۃ النہایۃ ۱/۳۵۴)

☆ **ابن ذکوان** کا نام ابوعمرو عبداللہ بن احمد بن بشر بن ذکوان القرشی الدمشقی (۱۷۳۔۲۴۲ھ) ہے۔ امام، استاذ اور ثقہ راوی ہونے کے علاوہ بلاد شام میں انہیں مشیخت حاصل تھی۔ جامع مسجد دمشق کے امام بھی رہے جبکہ وہاں خطیب ابن عمار تھے۔ ابن عمار کے شاگرد تھے مگر ان سے بڑھ کر مقرئ تھے۔ علم میں ہشام ان سے کہیں آگے تھے۔ (معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۹۸، غایۃ النہایۃ ۱/۴۰۴)

۲۔ عبداللہ بن کثیر الداری (۴۵۔۱۲۰ھ) **مکی**۔ قاریٔ مکہ تھے۔ عرضاً عبداللہ بن السائب سے قراءت لی۔ اور ابی بن کعب وسیدنا عمر بن خطاب کو بھی اپنی قراءت سنائی۔ عبداللہ بن السائب، مجاہد اور درباس سے علم قراءت سیکھا۔ ان سے متعدد تلامذہ نے قراءت سیکھی اور روایت کی جن میں ان کے اپنے صاحب زادے صدقہ اور اسماعیل بن عبداللہ القسط، خلیل بن احمد، حماد بن سلمہ اور شبل بن عباد خاصے معروف شاگرد ہیں۔ بڑے فصیح وبلیغ انسان تھے سفید ریش تھے، جسم لانبا تھا گندمی رنگ اور آنکھ سیاہ مگر مائل بہ سرخ تھی۔ ابومعبد ان کی کنیت تھی۔ ان کی قراءت کو بالواسطہ قنبل اور البزی روایت کرتے ہیں۔ (معرفۃ القراء الکبار ۱/۸۶، غایۃ النہایۃ ۱/۴۴۳)

☆ **البزی** (۱۷۰-۲۵۰ھ): کا نام احمد بن محمد بن عبد اللہ۔۔بن ابی بزہ تھا۔مکہ کے مقریٔ اور مسجد حرام کے مؤذن وامام تھے۔ایک محقق،ضابط اور متقن مقریٔ تھے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/۱۷۳،غایۃ النہایۃ ا/۱۱۹)

☆ **قنبل**:(۱۹۵-۲۹۱ھ) ان کا نام ابوعمر محمد بن عبد الرحمٰن مخزومی اور قنبل لقب سے معروف تھے۔اعلام قراء میں سے تھے۔اتقان میں لاثانی تھے۔حجاز میں قراءت کی تدریس انہی پر منتہی تھی۔اطراف سے لوگ ان کے پاس پڑھنے کو آئے۔مکی ایڈمنسٹریشن میں ان کی ملازمت تھی۔علم وفضل کے مالک ان کے آگے سرنگوں ہوجاتے۔ان کے شاگردوں میں ابوربیعہ،ابن مجاہد اور ابن شنبوذ شامل ہیں۔(غایۃ النہایہ ا/۲۵۴،لطائف الاشارات ا/۱۰۱)

۳۔عاصم (۔۔۔۱۲۷ھ): ان کا نام ابوبکر عاصم بن بہدلہ بن ابی النجود تھا،کہا جاتا ہے کہ بہدلہ ان کی والدہ اور ابوالنجود ان کے والد تھے۔تابعی اور اسدی تھے۔فصاحت،اتقان،تحریر اور تجوید کے ماہر تھے۔ان کی قراءت بہت ہی خوبصورت تھی۔کوفہ میں ابو عبد الرحمٰن السلمی کے بعد مسند تدریس انہی کی تھی۔عاصم نے عرضاً زر بن حبیش عن عبد اللہ بن مسعود،ابوعبد الرحمٰن السلمی اور ابوعمرو الشیبانی سے روایت کی ہے۔ان کی قراءت کی روایت بلاواسطہ ابوبکر بن عیاش اور حفص بن سلیمان نے کی ہے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/ ۸۸،تہذیب التہذیب ۵/ ۳۸)

☆ **ابوبکر**: یہ شعبہ بن عیاش بن سالم ابوبکر الحناط کوفی ہیں جو سن ۹۵ ھ میں پیدا ہوئے۔امام عاصمؒ کو انہوں نے تین بار قرآن پاک سنایا۔عطاء بن السائب کے بھی شاگرد تھے۔باعمل اور فقیہ تھے۔ان کے بے شمار اساتذہ ہیں۔شاگردوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ ہے جن میں یعقوب بن خلیفہ الاعشی،یحیی العلیمی وغیرہ خاصے معروف ہیں۔سن ۱۹۳ھ میں فوت ہوئے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/۱۳۴،غایۃ النہایہ ا/ ۳۲۵)

☆ **حفص** (۹۰-۱۸۰ھ): آپ کا نام ابوعمر حفص بن سلیمان الاسدی کوفی ہے بزاز بھی تھے حفیص کے نام سے زیادہ معروف تھے۔امام عاصمؒ سے قراءت کو عرضاً اور بالمشافہہ حاصل کیا۔ان کی بیوی کا بیٹا ان کا ربیب تھا۔بغداد قیام پذیر ہوگئے وہاں مدتوں پڑھایا بھی۔مکہ میں بھی مجاورت کی اور وہاں بھی قراءت پڑھائی۔قراءتِ عاصم کے سب سے بڑے عالم تھے۔اور بقول امام یحییؒ بن معین سب سے زیادہ صحیح روایت عاصمؒ سے حفصؒ بن سلیمان ہی کی ہے۔حروف کے ضابط بھی تھے۔ان کے شاگردوں میں عمرو بن صباح،عبید بن صباح اور حسین جعفی تھے۔حفصؒ کی روایت عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی ہے اور اکثر وبیشتر مصاحف حفص عن عاصم کی روایت سے شائع شدہ ہیں۔(معرفۃ القراء الکبار ا/۱۴۰،غایۃ النہایہ ا/۲۵۴)

۴۔ ابوعمرو زبّان بن العلاء تمیمی، المازنی (۶۸-۱۵۴ھ) بصرہ کے مشہور قاریٔ تھے۔قراء سبعہ میں ان کا شمار ہوتا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہے۔حجاج کے خوف سے جب ان کے والد بھاگے تو یہ بھی ان کے ہمراہ حجاز آ گئے۔مکہ ومدینہ میں انہوں نے علم حاصل کیا۔حسن بصری، عاصم، ابن کثیر، حمید بن قیس الاعرج اور ابوالعالیہ الریاحی وغیرہ سے انہیں شرف تلمذ حاصل ہے۔قراء میں سب سے زیادہ شیوخ انہی کے ہیں۔عرضاً اور سماعاً ان سے بہت لوگوں نے قراءت روایت کی۔قرآن کریم کے عالم اور عربی زبان کے ماہر تھے۔صادق، ثقہ اور زاہد تھے۔کوفہ میں ان کا انتقال ہوا۔انہوں نے مجاہد بن جبیرؒ اور سعید بن جبیرؒ کے واسطوں سے سیدنا ابن عباسؓ اور ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے۔تلامذہ میں حسین الجعفی، اصمعی اور سیبویہ جیسے نابغہ لوگ ہیں۔ان کی قراءت کی روایت بالواسطہ الدوری اور السوسی نے کی ہیں۔(معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۰۰، غایۃ النہایۃ ۱/۲۸۸)

☆ **الدوری** (۲۴۶ھ): ان کا نام ابوعمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز الدوری تھا۔دَور بغداد کا ایک محلّہ ہے۔نابینا تھے، سامراء آ کر وہیں پلے بڑھے۔علم قراءت کی طلب میں بڑی مسافرت کی۔قراءت میں ثقہ وضابط اور امام تھے۔کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے دوری نے قراءت کو جمع کیا ہے مگر اس کا علم نہیں کہ کیا انہوں نے اسے یاد کیا تھا یا کتب میں جمع کیا تھا۔اسماعیل بن جعفر سے قراءت لی جن کی سند امام نافع سے تھی۔اسی طرح ابوبکر سے جو عن عاصم کی سند رکھتے اور سلیم جو حمزہ بن القاسم کے ساتھی تھے ان سے عن اصحابہ کی سندِ قراءت لی۔اسی طرح کسائی اور یحییٰ الیزیدی سے بھی تلمذ حاصل ہے۔طویل العمر ہونے کی وجہ سے ان کا حلقہ تلمذ خاصا وسیع تھا اور سند عالی لینے کے لئے ان کی مجلس میں خوب اژدحام ہوتا۔(معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۹۱، غایۃ النہایۃ ۱/۲۵۵)

☆ **السوسی** (۱۷۳-۲۶۱ھ)، ان کا نام ابوشعیب صالح بن زیاد الرقی تھا۔بہت بڑے مقرئ تھے۔اہواز کے ایک مقام سوس کے طرف ان کی نسبت ہے۔یحییٰ بن مبارک الیزیدی سے علم قراءت حاصل کرنے کے بعد ان کے قابل فخر شاگرد کہلائے۔خود انتہائی ضابط، ثقہ قاریٔ تھے۔ان کے شاگردوں میں ان کا بیٹا محمد، امام نسائی اور دیگر لوگ شامل ہیں۔سوسی کی روایت ہی دراصل اہل رقہ کی روایت کہلاتی ہے یہ سب الیزیدی عن ابی عمرو سے روایت کرتے ہیں۔(غایۃ النہایۃ ۱/۳۳۲، لطائف الاشارات ۱/۱۰۱)

۵۔ حمزہ (۸۰-۱۵۶ھ): ان کا نام ابوعمارہ حمزہ بن حبیب الزیات ہے۔سلیمان اعمش، یحیی بن وثاب، زر بن حبیش اور حمرانؒ بن اعین، سیدنا عثمان، وعلی، وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں۔ان سے ابراہیم بن ادہم، سفیان ثوری اور کسائی وغیرہ نے روایت کی ہے۔عاصمؒ اور اعمشؒ کے بعد قراءت کی امامت کا سہرا انہی کے سر ہے۔بہت بڑے امام قراءت، حجت، ثقہ، عابد وزاہد اور خشوع کرنے والے انسان تھے۔عبداللہ بن ابی اوفی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما کو انہوں نے دیکھا اور پایا۔خلف اور خلاد، ان کے بالواسطہ راوی ہیں۔(معرفۃ القراء الکبار ۱/۱۱، غایۃ النہایۃ ۱/۲۶۱)

☆ **خلف** (۱۵۰-۲۲۰ھ): ان کا نام ابومحمد خلف بن ہشام البزار ہے۔بغدادی ہیں۔دس سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ایک ثقہ، زاہد انسان تھے۔انہوں نے قراءت کو عرضاً سلیم عن حمزہ لی۔اپنی قراءت بھی کی جس میں وہ ایک سو بیس حروف میں اپنے

شیخ حمزہ سے منفرد ہیں۔(معرفۃ القراء الکبار ا/ ۲۰۸، غایۃ النہایۃ ا/۲۷۲)

☆ **خلاد**: ابوعیسی خلاد بن خالد الشیبانی کوفہ میں سن ۲۲۰ھ میں فوت ہوئے۔قراءت میں امامت کا درجہ انہیں بھی حاصل تھا۔ انتہائی ثقہ، قراءت کی صحیح معرفت رکھنے والے، محقق استاذ تھے اور ضبط اور جلالت سے موصوف کئے جاتے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/ ۲۱۰، غایۃ النہایۃ ا/۲۷۴)

۶۔ نافع (۷۰-۱۶۹ھ): ان کا نام ابورویم نافع بن عبدالرحمٰن بن ابی نعیم تھا۔اصفہان سے ان کا تعلق تھا مگر مدینہ میں پرورش پائی اور اسی کی طرف منسوب ہوئے۔قراءت کو ابن ہرمز، ابوجعفر بن قعقاع، شیبہ بن نصاح اور امام زہری وغیرہ سے عرضاً سیکھا۔کہا کرتے کہ میں نے ستر تابعین سے پڑھا۔ان کے شاگردوں میں ابن وردان، ابن جماز، مالک بن انس، اصمعی اور ابوعمرو بن العلاء جیسے ائمہ ہیں۔ان سے عرضاً اور سماعاً قراءت کو روایت کرنے والوں میں اسماعیل بن جعفر، مالک بن انس، یعقوب بن جعفر اور عیسی بن مینا قالون اور ابوعمرو بن العلاء جیسے ائمہ وقت شامل ہیں۔قراءت کی مختلف صورتوں کے زبردست عالم تھے اور مدینہ کے علماء ائمہ سے مروی قراءت کی مختلف وجوہ سے بھی آشنا۔قالون کہا کرتے: اخلاق کے اعتبار سے نافع انتہائی پاکیزہ انسان تھے۔زاہد وسخی انسان۔مدینہ میں تقریباً ستر سال تک مسند تدریس پر رہے۔اور مسجد نبوی کے امام بھی رہے۔ان سے دو معروف راوی قالون اور ورش بلا واسطہ روایت کرتے ہیں۔

☆ **قالون** (۱۲۰-۲۲۰ھ): ان کا پورا نام ابوموسی عیسی بن مینا بن وردان ہے بنوزہرہ کے مولی تھے۔مدینہ کے قاری اور نحوی۔کہا جاتا ہے کہ امام نافعؒ کے ربیب تھے۔انہی کے ساتھ بہت حد تک صحبت خاص رہی۔انہوں نے ہی ان کا نام قالون رکھا جو رومی زبان میں خوبصورت قراءت والے کو کہتے ہیں۔اس لئے کہ اصلاً قالون رومی تھے۔بہرے تھے بگل کو نہیں سن سکتے تھے مگر جب کوئی قاری ان پر قرآن پڑھتا تو نہ صرف سمجھتے تھے بلکہ اگر وہ غلطی کرتا تو اس کی تصحیح بھی فرما دیتے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/ ۱۵۵)

☆ **وَرْش** (۱۱۰-۱۹۷ھ): ان کا نام ابوسعید عثمان بن سعید المصری تھا اور لقب ورش۔امام نافع نے ان کا نام ان کے گورے پن کی وجہ سے رکھا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسن قراءت کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑا۔مصر میں پیدا ہوئے اور طلب علم کے لئے مدینہ امام نافعؒ کے پاس تشریف لائے۔پورے قرآن مجید کی تلاوت انہیں کئی بار سنائی۔محقق قراء کے شیخ کہلاتے ہیں۔تلاوت میں بعض منتخبات ان کے کچھ ایسے ہیں جن میں اپنے شیخ سے انہوں نے اختلاف کیا ہے۔مصر میں قراءت کی استاذیت انہی پر منتہی تھی۔عربی زبان کے بھی ماہر تھے۔(معرفۃ القراء الکبار ا/۱۵۲، غایۃ النہایۃ ا/۵۰۲)

۷۔ الکسائی (۱۱۹-۱۸۹ھ): ان کا نام ابوالحسن علی بن حمزہ الاسدی تھا۔حمزہ الزیات کے بعد کوفہ میں قراءت کا ڈنکا انہی کا بجتا تھا

انہوں نے حمزہ، ابن ابی لیلی ،عیسی بن عمر الہمدانی اور دیگر علماء وقراء سے قراءت لی۔اوران سے عرضاً وسماعاً الدوری، ابوحمدون الطیب بن اسماعیل، ابوعبید القاسم بن سلام ۔۔جو خلیفہ امین کے مؤدب بھی تھے۔۔نے قراءت سیکھی اور روایت کی۔نحو وعربی زبان اور غریب الفاظ میں اپنے وقت کے امام تھے اور آج بھی کسائی علم نحو کی علامت ہیں۔الدوری اور اللیث ان کی قراءت کے بلاواسطہ راوی ہیں۔

☆ **الدوری**: ان کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے۔مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دوری ابوعمرو کے بھی راوی ہیں اور الکسائی کے بھی۔جب ان کی روایت امام کسائی سے ہو تو ان کا تذکرہ ان کے نام کے ساتھ دوری الکسائی سے ہوتا ہے۔ورنہ صرف عن ابی عمرو کہہ دیا جاتا ہے۔

☆ **اللیث** (۔۲۴۰ھ) ان کا نام ابوالحارث اللیثؒ بن خالد ہے بغداد کے انتہائی ثقہ وحاذق انسان تھے۔امام کسائیؒ سے ان کو شرف تلمذ حاصل ہے اور قراءت ان کے سامنے پیش کرنے اور ان سے اجازہ لینے کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ان کے خاص شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں۔مختلف حروف کو انہوں نے حمزہؒ بن قاسم احول اور الیزیدیؒ سے روایت کیا ہے۔ان سے قراءت کی روایت کرنے والوں میں بطور خاص سلمہؒ بن عاصم جو امام فراءؒ کے ساتھی تھے اور محمدؒ بن یحیی الکسائی الصغیر اور فضلؒ بن شاذان ہیں۔(غایۃ النہایۃ ۲/۳۴)

نوٹ: ابنؒ مجاہد کی اس کوشش کو غلط سمجھا گیا اور یہ کہا گیا کہ بس قراءتیں ہیں تو یہی ہیں نیز یہی سبعہ حروف ہیں۔حالانکہ ان کی مراد یہ نہ تھی کہ جو بھی ان سات قراءتوں سے نکلا وہ غلط ہوگا اور نہ ہی نبی ﷺ کے اس ارشاد إِنَّمَا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ سے یہی سات قراء ہی مراد ہیں بلکہ یہ سات قراء وہ ہیں جن کی قراءتیں مختلف علاقوں میں مشہور ہوگئیں ورنہ اہل مغرب تو انہیں جانتے ہی نہ تھے اہل عراق کے ہاں یہ جانی بوجھی تھیں۔ابنؒ مجاہد کی مانند دیگر علماء نے بھی سبع قراءات پر کام کیا اور کتب لکھی۔جن میں بطور خاص ابومحمد مکی بن ابی القیسی (م:۴۳۷ھ) کی کتاب التبصرۃ فی القراءت السبع اور الکشف عن وجوہ القراءت السبع وعللها وحججها۔اور ابوعمرو عثمان بن سعید الدانی (م:۴۴۴ھ) کی کتاب جامع البیان فی القراءت السبع۔ان کی دوسری کتاب التیسیر فی القراءت السبع ہیں۔

قراء عشرہ: مندرجہ بالا سات قراءتوں کے علاوہ اور بھی کئی صحیح اور متواتر قراءات موجود تھیں۔متعدد علماء۔علامہ شذائی اور ابوبکر بن مہران وغیرہ۔نے سات کی بجائے دس قراءتیں جمع کیں اور قراءات عشرہ کی اصطلاح کو پروان چڑھایا۔ان دس قراءتوں میں مندرجہ بالا قاریوں کے علاوہ تین اور قراء کی قراءتیں بھی شامل کیں۔

۱۔ ابوجعفر یزید بن القعقاع (م ۱۳۰ھ) **مدنی**۔ آپ نے سیدنا ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے راوی ابن وردان اور سلیمان بن حجار ہیں۔

۲۔ یعقوب بن اسحاق الحضرمی (م ۲۰۵ھ) **بصری**۔ رویس اور عبدالمؤمن الدولی ان کے شاگرد ہیں۔

۳۔ خلف بن ہشام (م ۲۲۹ھ) **کوفی**۔ آپ نے سلیم بن عیسیٰ الزیات سے استفادہ کیا تھا۔ اسحاق الوراق اور ادریس بن عبد الکریم ان کے راوی ہیں۔

مزید قراءتیں: بعض متاخر علماء نے ۔۔۔ جن میں دمیاطیؒ بطور خاص ہیں ۔۔۔ ان مذکورہ قراء پر چار مزید قراء کی قراءتوں کا اضافہ کیا جن کی قراءتیں بھی خاصی پسندیدہ اور مشہور تھیں۔ یوں یہ کل چودہ قراءتیں بن گئیں۔

۱۔ امام حسن بصری (م ۱۱۰ھ): کبار تابعین سے میں سے تھے اور زہد وورع میں خاصے معروف۔ سن ۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۲۔ محمد بن عبدالرحمٰن (م ۱۲۳ھ): جو ابن محیصن کہلاتے تھے۔ یہ ابوعمرو بن العلاء کے شیخ تھے۔ ائمہ سبعہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ سن ۱۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

۳۔ یحییٰ بن مبارک یزیدی (م ۲۰۲ھ): بغداد کے مشہور نحویوں میں سے تھے۔ انہوں نے قراءت ابوعمرو، اور حمزہ سے حاصل کی۔ دوری اور سوسی کے استاذ تھے سن ۲۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۴۔ سلیمان بن مہران الأسدی: جو اعمش کے نام سے مشہور تھے، تابعی ہیں۔ ۱۴۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ان قراءات کا حکم: علماء اس بارے میں مختلف الخیال ہیں۔

واضح رہے کہ ان ائمہ قراء نے اپنے شیوخ سے قراءت ضبط کر کے اپنی سند کے ساتھ آگے بیان کر دیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ متواتر قراءت صرف ائمہ سبعہ کی ہیں۔ جبکہ ان کے بعد تین ائمہ قراء ابوجعفر، یعقوب اور خلف کی قراءات جو دس قراءتوں کا تکملہ ہیں وہ آحاد ہیں۔ جو باقی ہیں وہ شاذ قراءتیں ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ متواتر قراءت دس کی دس ہیں۔ صرف سبعہ نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کی قراءات ان میں شامل ہیں۔ السبکیؒ کہتے ہیں۔

قراءات سبعہ ہی متواترہ ہیں ۔۔۔ شاذ قراءت جائز نہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ قراءات عشرہ کے علاوہ باقی شاذ ہیں۔ شارح لکھتے

ہیں۔ان کی مراد ہے کہ درجہ بالا سات قراء کی قراءات متواتر ہیں رہی یعقوب، ابوجعفر اور خلف کی قراءت تو ان کی قراءت کرنا جائز ہے۔وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ان کی قراءت بھی صحت سند سے رسم سبعہ کی مخالفت نہیں کرتی۔ان میں عربیت کی وجوہ بھی مستقیم ہیں۔نیز مصحف امام کے خط کے موافق بھی ہیں۔

امام ابن الجزریؒ تواتر کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے میں یہی تینوں ارکان جس قراءت میں جمع ہوں وہ ان ائمہ عشرہ کی قراءات میں مل جاتے ہیں جنہیں علماء نے قبولیت کا شرف بخشا ہے۔وہ ابوجعفر، نافع، ابن کثیر، ابوعمرو، یعقوب، ابن عامر، عاصم، حمزہ، الکسائی اور خلف ہیں۔

تیسری رائے یہ ہے کہ جس قراءت میں قبولیت کی تینوں شرطیں ہوں گی اسے قبول کرنا واجب ہوگا خواہ یہ قراءات سبعہ میں سے ہو یا عشرہ میں سے یا ائمہ مقبولین میں کسی سے۔رہیں وہ قراءات جو ان کے بعد کے قراء کی ہیں جن میں ابن محیصن، الیزیدی، الحسن اور الاعمش کی ہیں وہ شاذ ہیں۔(ملخص از: دراسات فی علوم القرآن الکریم۔از د: فہد بن عبدالرحمٰن الرومی: ۳۵۱)

متعدد قراءات کے فوائد: قراءت کا یہ اختلاف درحقیقت تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا۔یہ ناممکن ہے کہ کلام اللہ میں تضاد ہو۔﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ ، وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا﴾ (۸۲:۴) کیا بھلا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے۔اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔اس لئے قراءت میں تنوع کے یہ فوائد ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کی بڑی عنایت اور رحمت کہ اس نے امت پر کوئی مشکل نہیں ڈالی بلکہ اس پر آسانی کی۔یہ امت کا شرف ہے۔

۲۔اس اختلاف میں بلاغت کی انتہاء، معجزہ کا کمال اور غایت درجے اختصار اور پھر اس میں جمال ہے۔بدلتا انداز حیران کن ہے۔کیونکہ ہر قراءت ایک آیت (نشانی) ہے۔زیر وزبر کی بدلتی حرکتیں متنوع الفاظ کو جنم دیتی ہیں اور معنی مستقیم رہتا ہے۔مثلاً﴿ ونادیها مِن تحتها ألا تحزني﴾ کو ایک قراءت میں یوں بھی پڑھا گیا﴿ ونادیها مَن تحتها ألا تحزني﴾ ۔حیران کن ہے اور معنوی اعتبار سے انتہائی مستقیم بھی۔

۳۔قرآن پاک میں کوئی تحریف یا تبدیلی نہیں ہوئی یہ قراءات اس کی دلیل ہیں۔کیونکہ متنوع اختلاف کے باوجود اس میں تعارض، تضاد اور تناقض نہیں آپایا۔بلکہ یہ تنوع ایک دوسرے کی وضاحت وتصدیق کرتا اور ایک ہی اسلوب کی شہادت دیتا ہے۔

۴۔ان قراءات کا حفظ کرنا آسان ہے۔کیونکہ جو ایک ہی کلمہ کی مختلف قراءات کے اس تنوع کو سمجھتا ہے وہ اس کا فہم بھی ذہن میں بآسانی رکھ لیتا ہے۔نیز مجمل کی وضاحت دوسری قراءات سے بھی ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مشہور کتب: علمِ قراءات پر بے شمار کتب لکھی گئیں۔ چند مشہور کتب کا تعارف مختصراً درج ذیل ہے۔

ا۔ التيسير في القراء ات السبع اس کے مؤلف ابوعمرو والدانیؒ (م ۴۴۴ھ) ہیں۔

۲۔ حرز الأماني۔یہ کتاب "التيسير" کا منظوم مجموعہ ہے جو اندلسی امام القاسمؒ بن فیرہ (م ۵۹۰ھ) نے لکھا۔

قراءات عشرہ کے بارے میں بھی بے شمار کتب لکھی گئیں۔جن میں:

۳۔النشر في القراء ات العشر ہے۔جو امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزریؒ کی قابل قدر اور عمدہ علمی کاوش ہے۔اسی طرح چودہ قراءات کے تعارف میں بھی کتب سامنے آئیں۔جن میں سب سے زیادہ بہتر کتاب:

۴۔اتحاف فضلاء البشر في القراء ات الأربع عشر ہے۔جو امام احمد بن محمد الدمیاطیؒ (م ۱۱۱۷ھ) کی تصنیف ہے۔

☆☆☆☆☆

امام شعبیؒ نے فرمایا:

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ جَعَلْتُ الرَّجَا رَبِّيْ لِعَفْوِكَ سَلَّمَا

جب میرا دل سخت ہوگیا اور تمام راستے تنگ ہوگئے تو میرے مولی میں نے امید مغفرت کو ہی ایک محفوظ ترین راستہ پایا

تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهُ بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ مُعْظَمَا

میرے اپنے گناہ مجھے بار عظیم لگے مگر جب میں نے انہیں تیرے عفو وکرم سے مقابلہ کر کے دیکھا تو مجھے تیرا عفو عظیم نظر آیا۔

روح اور روحانیت

سائنس کی تفتیش وتحقیق کا دائرہ اسی دنیا تک محدود ہے۔روح کے بارے میں بھی وہ قائل ہے مگر یہ اس کے دائرہ عمل میں نہیں آتی۔کیونکہ جو وسائل سائنس کو حاصل ہیں وہ سب مادی ہیں۔ان وسائل سے روح کو پرکھنا ممکن نہیں۔اس متعین ومحدود علم نے روحانیات کے میدان میں دخل نہیں دیا۔رہے روحانی علوم یہ بھی اپنی حقیقت اور مقاصد کے اعتبار سے شکوک وشبہات سے لبریز ہیں۔عیسائی، یہودی اور ہندو مت سبھی اس کے قائل ہیں مگر ان کے پاس اس روحانیت کو جاننے کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں۔ہاں روحانیت کی اصلیت کے بارے میں قرآن وحدیث ضرور گویا ہوئے ہیں ان کی معلومات کے یہی دو یقینی ذرائع ہیں۔جن میں مزید کسی تصرف، اضافے اور قیاس کی کوئی گنجائش نہیں۔جو بھی عقلی تک بندیاں ہیں اور روحانیت عقل کا میدان نہیں نہ عقل کو ان کاموں کے وسائل میسر ہیں نہ دئے گئے ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

١۔علم قراءات کی لغوی واصطلاحی تعریف کرکے اس کا موضوع بتائیے۔

٢۔علم قراءات کا آغاز کیسے اور کیونکر ہوا؟اس کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالئے۔

٣۔اقسام قراءات کتنی ہیں؟ان میں سے ہرایک کی تعریف کیجئے۔

۴۔آپ ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟

۵۔صحیح قراءت کی شرائط کی تفصیل دیجئے۔

٦۔قراء سبعہ کون تھے؟ان کے نام،مختصر حالات زندگی اور کم ازکم ان کے دومشہور شاگردوں کے نام بھی لکھئے۔

٧۔قراءعشرہ میں کن قراء حضرات کے نام آتے ہیں نیز مزید قراءتوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ ان کی قراءت کرنی جائز ہے۔

٨۔سات متعین قراءات کا خیال سب سے پہلے کسے آیا؟اور کس صدی میں؟ کتاب کا نام لکھئے جو اس مؤلف نے لکھی۔

٩۔علم القراءات میں چند مشہور کتب ان کے مؤلفین کے نام وسن وفات سمیت لکھئے۔

مشق

١۔ان ائمہ کے حالات لکھئے اور ان کی مؤلفات بھی ذکر کیجئے۔

١۔ ابوعبید القاسم بن سلام ٢۔ ابوبکر بن مجاہد ٣۔ ابوعمرو الدانی

بطور مدد درج ذیل کتب استعمال کی جاسکتی ہیں۔ ١۔الأعلام از خیرالدین زرکلی ٢۔معجم المؤلفین از عمر رضا کحالہ

٢۔علم القراءات کی کسی بھی کتاب سے سورۃ الأعلی کی آیات کی قراءت کی مختلف وجوہ بیان کریں۔

٣۔ان کتب کے مؤلفین کے نام لکھئے۔

١۔ حرزالامانی ٢۔ النشرفي قراءت العشر ٣۔ التيسير في القراءت

۴۔چار مشہور قراء کے نام اور ان کا سن وفات لکھئے۔

۵۔لائبریری میں قراءت کے موضوع پر کتب تلاش کرکے اس کی ایک فہرست لکھئے۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب : 11

علمِ ناسخ ومنسوخ

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

ناسخ ومنسوخ کا مادہ (ن س خ) ہے۔ ناسخ، نسخ سے فاعل کے وزن پر ہے جس کا مطلب ہے نسخ کرنے والا۔ جبکہ منسوخ مفعول کے وزن پر ہے۔ یعنی نسخ ہونے والا۔

لغت میں نسخ: ازالہ کرنا، ایک چیز کو زائل کر کے اس کی جگہ دوسری چیز کو لانا، ایک شے کو دوسری جگہ منتقل کرنا۔ نقل (Copy) کرنا، یا بدل دینا کے ہیں۔ عربی میں کہتے ہیں: نَسَخَتِ الرِّیْحُ الأَثَرَ۔ ہوا نے نشان مٹا دئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ**﴾ (الحج: ٥٢) تو اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے کو زائل کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو پختہ تر کر دیتا ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں: تَنَاسُخُ المَوَارِیْثِ ایک وارث سے دوسرے وارث تک مال کا منتقل ہونا۔ یا تَنَاسُخُ الأَرْوَاحِ۔ جن کا یہ عقیدہ ہے۔

اصطلاح میں نسخ: قرآن وحدیث میں موجود لفظ نسخ کی یہ وہ تعریف ہے جو اس پر پورا اترتی ہے۔

رَفْعُ الْحُکْمِ الشَّرْعِيِّ بِدَلِیْلٍ شَرْعِيٍّ مُتَرَاخٍ عَنْهُ۔ کسی شرعی حکم کو اس کے بعد آنے والی دلیل شرعی سے اٹھا لینا۔

وضاحت: اس تعریف میں **رفع الحکم** سے مراد عمل کا ختم کرنا ہے۔ حکم شرعی سے مراد شارع کا مکلّف حضرات کے افعال سے خطاب ہوتا ہے۔ خطاب شرعی سے مراد: کتاب وسنت ہیں۔ دلیل عقلی اس قید سے نکل گئی۔ جیسے: انسان کی موت یا جنون کے ساتھ تکلیف کا ساقط ہو جانا۔ اسی طرح اجماع اور قیاس یا اجتہاد وقول مفسر خارج ہو گیا کیونکہ نیا حکم شرعی آ گیا ہے۔ **متراخ عنه** سے وہ عمل خارج ہو گیا جو حکم سے متصل تھا۔ جیسے: ﴿**وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْأَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ**﴾ کیونکہ ﴿**حتی یتبین**﴾ اکل وشرب کے مباح ہونے کو منسوخ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ تو مزید وضاحت اور معنی کا تتمہ ہے اس لئے یہ نسخ نہیں ہوگا۔ ادلہ میں بظاہر تعارض ہو تو وہ بھی نسخ نہیں ہوگا۔

نسخ کی دلیل: قرآن کریم میں ہے:

﴿**مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا...**﴾ (البقرة: ١٠٦) ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا

بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لاتے ہیں۔

اس آیت کی تین مختلف انداز سے قراءت کی گئی ہے۔

۱۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا: یہ جمہور کی قراءت ہے۔ یہاں نسخ بمعنی رفع کے ہے۔ مراد ہم جو آیت اٹھا لیتے ہیں۔

۲۔ ما نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوننْسَهَا: اس میں ننْسأهَا پڑھا گیا ہے۔ یہ قراءت ابن کثیر اور ابوعمرو کی ہے۔ جو نَسأ سے ہے اور بمعنی تاخیر کے ہے۔ اس کے معنی پھر یہ ہوں گے: ہم کسی آیت کی تلاوت کو اٹھا لیتے ہیں یا اس کا حکم موخر کر دیتے ہیں۔ اس میں نسخ سے مراد پھر تلاوت اور حکم دونوں کا اٹھانا ہوگا۔

۳۔ مَا نُنْسِخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا: اس میں نُنْسِخْ یعنی مزید فیہ پڑھیں تو یہ ابن عامر کی قراءت ہے۔ معنی یہ ہوگا: ہم آپ ﷺ کو یا جبریل امین کو کسی آیت کے منسوخ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا ہم کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں۔ یہ شاہانہ انداز کلام ہے جو اللہ تعالی کی بادشاہت واختیار اور عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ اس سے مراد متعدد اللہ تعالی نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ آية سے مراد آیت شرعی ہے کیونکہ نسخ اسی آیت میں ہی ہوتا ہے جس میں امر و نہی ہو۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی بھی آیت کو یا اس کے حکم کو جب ہم اٹھاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت یا حکم لاتے ہیں۔

نسخ کی شرائط: علماء تفسیر وحدیث نے نسخ کے لئے درج ذیل شرائط بیان کی ہیں:

۱۔ منسوخ کی جانے والی چیز شرعی حکم ہو کوئی قصہ یا کہانی نہ ہو۔

۲۔ جس دلیل سے حکم شرعی کو اٹھایا جائے وہ بھی شرعی ہو۔

۳۔ دلیل شرعی زمانے کے اعتبار سے حکم شرعی کے بعد ہو۔

۴۔ حکم شرعی اور دلیل شرعی کے درمیان تعارض یعنی تضاد ہو۔

۵۔ نسخ نبی اکرم ﷺ کے دور میں اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہوا ہو۔

حکمت نسخ: علماء قرآن کے مطابق، قرآن مجید میں پائے جانے والے نسخ کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ مثلاً:

☆ شریعت دیتے وقت تدریج کا اصول سامنے رکھا گیا تا کہ لوگ معاشرتی رسم و رواج، اکابر کی تقلید کو آہستہ آہستہ ختم کر کے پیار و محبت سے دینی احکام کو سمجھیں اور انہیں قبول کر لیں۔ نیز عام مسلمانوں کی اجتماعی مصلحت کو بھی سامنے رکھا گیا۔ مثلاً: تحویل

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قبلہ میں حکمت یہ بتائی گئی کہ یہ سب کچھ بطور امتحان تھا کہ وہ الٰہی حکم کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ بڑی حکمت یہ بھی پوشیدہ تھی کہ جب مسلمانوں کے دلوں میں مسجد اقصیٰ اور ارض شام کی محبت وعقیدت سرایت کر گئی تو پھر تین مساجد کو ہی باہم مربوط کر کے باور کرا دیا گیا کہ امت محمدیہ ہی نبوت کی وارث اور مقدس مقامات کی رکھوالی کرنے والی ہے۔

☆ بعض سیاسی حالات کا تقاضا تھا۔ مثلاً: مکی دور میں مسلمان سیاسی طور پر کمزور تھے تو جہاد سے روکا گیا اور صبر کا حکم دیا گیا۔ لیکن جب مدینہ میں حالات بہتر ہو گئے تو پہلے حکم کو منسوخ کر کے جہاد کا حکم دیا گیا۔

☆ طوالت سے بچنے کے لئے تلاوت کو منسوخ کر کے حکم کو باقی رکھا گیا مثلاً: حکم رضاعت پر آیات کی منسوخی مگر حکم باقی۔

☆ کسی حکم کو منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم لایا جاتا تھا۔ مثلاً: شراب کی حرمت وغیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جب بھی نسخ کرے گا تو یا تو اس سے بہتر حکم عطا کرے گا یا اس جیسا۔ جو بالکل سچا ہے۔

☆ بعض احکامات کی تلاوت منسوخ کر کے حکم باقی رہنے دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حکم بہت گراں اور سخت ہوتا تھا۔ مثلاً: **الشَّیْـخُ وَالشَّیْـخَةُ إِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْهُمَا أَلْبَتَّةَ نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ** ۔ بوڑھا مرد اور عورت جب دونوں زنا کریں تو انہیں بالکل رجم کر دو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عبرتناک سزا ہے۔ میں رجم کا لفظ بعض طبیعتوں پر گراں تھا مگر تحویل قبلہ کی طرح یہ بھی امتحان بنا دیا گیا کہ من یتبع الرسول ؟کون رسول کی اطاعت کرتا ہے؟

آیات منسوخہ کی تعداد: ابتدائی دور میں قریباً پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ تعداد کم ہوتی چلی گئی۔ اور علامہ سیوطیؒ کی تحقیق کے مطابق نسخ صرف اکیس آیات میں ہوا۔ (الاتقان ۲/۳۵) ۔ ڈاکٹر صبحی صالحؒ کے نزدیک ان کی تعداد صرف دس ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ منسوخ آیات کی تعداد میں یہ فرق، پہلے اور بعد کے علماء میں نسخ کی اصطلاحی تعریف میں فرق کی وجہ سے ہے۔

نسخ کی اقسام :

۱۔ نسخ قرآن از قرآن: علماء ایسے نسخ کے جائز ہونے اور واقع ہونے کے قائل ہیں۔ مثلاً: ﴿**وَالَّـذِیْـنَ یُتَـوَفَّـوْنَ مِـنْـكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًاۚ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ**﴾ (البقرۃ: ۲۴۰) کو ﴿**وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَـذَرُوْنَ اَزْوَاجًـا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا**﴾ (البقرۃ: ۲۳۴) نے منسوخ کر دیا۔ قرآن پاک میں اس قسم

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کے نسخ تین طرح کے ہیں۔

☆ **تلاوت وحکم دونوں منسوخ:** وہ نسخ جس میں تلاوت وحکم دونوں منسوخ ہو گئے۔ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَانَ فِيْمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ يُحَرِّمْنَ ، ثم نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ۔"قرآن میں یہ حکم اترا تھا کہ دس بار دودھ چوسنے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے پھر حکم منسوخ ہو گیا اور یہ پڑھا گیا کہ پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کا سبب ہے۔اور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے وقت یہ قرآن میں پڑھا جاتا تھا"۔(صحیح مسلم:۱۴۵۲)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دس رضاعت کا حکم بھی منسوخ ہوگیا اور تلاوت بھی محو کردی گئی اور جہاں تک پانچ رضاعت کا تعلق ہے تو اس کی تلاوت نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری زمانے میں منسوخ ہوگئی تھی۔لیکن اس کا حکم باقی ہے جو آپ ﷺ نے حدیث کے ذریعے امت پر واضح کردیا۔یا جو اسے پڑھتے تھے انہیں اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہوسکا۔اس کی حکمت یہ ہے کہ جن الفاظ اور ان کے احکام تک کو اٹھا لیا گیا تو ان پر عمل کرنا یا تلاوت کرنا بے اثر تھا اس لئے لفظی وحکمی دونوں چیزیں اللہ تعالی نے منسوخ کردیں۔

☆**حکم منسوخ تلاوت موجود:** اس سے مراد وہ نسخ ہے جس میں حکم اٹھ گیا لیکن تلاوت ثواب کے لئے اور مشقت کے اٹھ جانے کے بعد اخف نعمت کی یاددہانی کے لئے ابھی باقی ہے۔مثلاً:

﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔۔○ ﴾(البقرہ:۱۸٤) اور جو لوگ اس (روزے) کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو فدیہ کے طور پر کھانا کھلادیں۔

یہ حکم ابتدائی حکم تھا اور سہولت کی خاطر دیا گیا تھا کہ وہ نومسلم جو روزہ رکھنے کے عادی نہیں،انہیں آسانی ہو۔یہ حکم تقریباً ایک سال تک نافذ رہا۔پھر اس آیت کو منسوخ کرکے اس سے اگلی آیت میں یہ حکم دیا گیا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵) تو جو بھی اس ماہ میں موجود ہو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔

ابتدائی حکم منسوخ ہونے کے باوجود اس کی تلاوت ابھی تک موجود ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

☆ **تلاوت منسوخ حکم موجود:** وہ نسخ جس میں حکم تو ابھی موجود ہے لیکن تلاوت منسوخ ہوگئی۔ مثلاً: موطأ امام مالک اور صحیح مسلم: کتاب الحدود: ۸" میں آیت رجم سیدنا عمرؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے:

قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: إِيَّاكُمْ أَنْ تَهْلِكُوْا مِنْ آيَةِ الرَّجْمِ أَنْ يَقُوْلَ قَائِلٌ: لَا نَجِدُ حَدَّيْنِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ...... إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوْهُمَا أَلْبَتَّةَ، فَإِنَّا قَدْ قَرَأْنَاهَا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " کوئی شخص آیت رجم کو یہ کہہ کر نہ چھوڑ دے کہ کتاب اللہ میں (زنا کے بارے میں) دو قسم کی سزائیں نہیں ملتیں۔ کیونکہ خود رسول ﷺ نے بھی رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں اس کو ضرور قرآن میں لکھ دیتا۔ وہ آیت یہ ہے۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت اگر زنا کریں تو ان کو ضرور سنگسار کرو۔ کیونکہ ہم نے اس حکم کو (قرآن میں) پڑھا ہے"۔

حدود میں رجم سے متعلق یہ حکم موجود ہے۔ لیکن اس کی تلاوت منسوخ ہے۔ صحیح بخاری میں (۶۸۳۰) سیدنا عمرؓ کے خطبے کے یہ الفاظ ہیں قَدْ قَرَأْنَاهَا وَ عَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا۔ جو آیت رجم آپ ﷺ پر اتری تھی ہم نے اس کو پڑھا، سمجھا اور اچھی طرح یاد کیا۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ سیدنا عمرؓ کے اس خطبہ عام کو سننے والے بے شمار جلیل القدر صحابہ تھے۔ کسی نے ان کی اس وضاحت پر اعتراض نہیں کیا۔ اس طرح یہ حدیث صحابہ کے دور میں بھی اور بعد میں بھی متواتر ٹھہری۔

۲۔ نسخ قرآن از سنت: اس کی دو اقسام ہیں:

☆ **نسخ قرآن از سنت آحادیہ:** جمہور علماء اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔ کیونکہ قرآن متواتر اور یقین کا فائدہ دیتا ہے اور سنت آحادی (خبر واحد) ظنی ہوا کرتی ہے اس لئے اس سے حتمی یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ ۱۸۰) علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہوگئی ہے: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔ (الترمذی: ۲۱۲۱)۔ جب کہ صحیح بات یہی ہے کہ یہ آیت، آیت مواریث سے منسوخ ہوئی ہے جیسا کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ بتا رہا ہے۔

☆ **نسخ قرآن از سنت متواترہ:** ائمہ فقہاء اربعہ میں امام شافعیؒ کے سوا باقی سب نے ایک روایت کے مطابق اس بات کو یہ کہتے ہوئے مان لیا ہے کہ سنت بھی وحی ہے جیسے سورۃ النجم میں ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

(النجم:۳،٤) یا ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ﴾(النحل:٤٤)اور نسخ بھی بیان کی ایک قسم ہے۔امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ نے اسے یہ کہتے ہوئے ناجائز کہا ہے۔﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَةٍ اَوْ نُنْسِھَا نَأْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْ مِثْلِھَا﴾ (البقرۃ:۱۰٦) اور سنت قرآن کے مثل نہ خیر ہے اور نہ اس کی مانند۔ اس کا جواب بھی علماء نے یہ دیا ہے کہ اس خیر سے مراد فضل ہے نہ کہ وجوب اتباع اور احکام پر دلالت ہے۔ ورنہ سنت پر عمل تو اسی طرح واجب ہے جیسے قرآن پر۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(النور:۲) محصن کو کوڑے مارنا تو رجم سے منسوخ ہو گیا جیسا کہ سنت متواترہ سے ثابت ہے یا بقول بعض یہ محصن کے لئے تخصیص ہے نسخ نہیں کیونکہ کوئی اور مثال اس کی ملتی نہیں۔نسخ کی یہ نوع عقلاً جائز ہے خواہ یہ قرآن میں بھی مذکور نہ ہو۔

۳۔ نسخ سنت از قرآن: جمہور اسے جائز سمجھتے ہیں۔اس کی مثال بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنا ہے جو سنت سے ثابت تھا مگر اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا ﴿فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(البقرۃ:۱٤٤)اسی طرح عاشوراء کا روزہ سنت سے ثابت تھا جسے اس آیت نے ﴿فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)منسوخ کر دیا۔امام شافعی رحمہ اللہ۔۔ایک روایت کے مطابق۔۔اس کے قائل نہیں کہ قرآن،سنت کو یا سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتے۔وہ فرماتے ہیں: جہاں قرآن نے سنت کو منسوخ کیا ہے وہاں قرآن خود سنت کا نگران بن گیا اور جہاں سنت نے قرآن کو منسوخ کیا وہاں سنت خود قرآن کی محافظ بن گئی۔یہ اس لئے ہوا تا کہ قرآن وسنت کے مابین موافقت ظاہر ہو۔(الاتقان ۲/۲۷)

امام زرکشیؒ امام شافعی رحمہ اللہ کی مراد یہ بتاتے ہیں کہ کتاب وسنت آپس میں مختلف نہیں ہاں ان دونوں میں ہر ایک اپنے جیسا ایک ناسخ ضرور رکھتا ہے۔اس طرح قرآن وسنت ایک دوسرے کے محافظ بھی ہیں اور ان میں کلی موافقت بھی ہے یہی ان کی عظمت شان ہے۔(البرہان ۲/۳۲)

۴۔ سنت کا نسخ سنت سے: اس کی چار اقسام ہیں:

☆ متواتر کا نسخ متواتر سے ☆ آحاد کا نسخ آحاد سے ☆ آحاد کا نسخ متواتر سے ☆ متواتر کا نسخ آحاد سے

پہلی تینوں اقسام علماء جمہور کے نزدیک جائز ہیں۔آخری میں ویسا ہی اختلاف ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ نسخ قرآن از آحاد میں تھا اور جمہور علماء نے اس سے روکا ہے اور نہ ہی اجازت دی ہے۔باقی اجماع یا قیاس میں نسخ یا دونوں میں نسخ۔اس بارے میں درست بات یہی ہے کہ یہ جائز نہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آغاز بحث: پہلی صدی ہجری کے آخر میں نسخ کا مسئلہ اس وقت زیر بحث آیا جب امام شافعیؒ نے اس کا آغاز کیا۔

نسخ کے مختلف انداز: قرآن مجید میں سابق حکم کی نسبت کبھی نسخ زیادہ آسان اور نرم حکم سے ہوا۔ اور کبھی پہلے سے بھی زیادہ مشکل حکم میں اور کبھی مساوی نسخ ہوا اور کبھی کسی اور انداز سے۔

پہلے سے زیادہ مشکل میں نسخ کی مثال: روزہ رکھنے یا کھانا کھلا دینے کا اختیار پہلے پہل نازل ہوا:

﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ (البقرة: ١٨٤) اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں۔ صحیح حدیث میں بھی ہے: سلمہ بن اکوعؓ فرماتے ہیں: کہ ابتداءً روزے کی فرضیت میں انسان کو روزہ رکھنے اور کھانا کھلا دینے کا اختیار دیا گیا پھر یہ اختیار روزہ کی عین فرضیت کے حکم سے منسوخ کر دیا گیا۔ وہ حکم یہ تھا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (البقرہ: ١٨٥) تو جو بھی تم میں اس رمضان میں موجود ہو وہ اس کا روزہ ضرور رکھے۔ حکمت اس کی یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کوئی ایسا حکم دینا چاہتے ہیں جس پر عمل کرنا مشکل محسوس ہو تو پہلے اس کی ابتداء ہلکے اور آسان حکم سے کرتے ہیں۔ جب لوگ اس پر عمل سے راحت محسوس کرتے ہیں تو پھر ان کے لئے دوسرا مشکل حکم نازل فرماتے ہیں گو وہ مشکل ہوتا ہے مگر فرمانبرداروں کے لئے اسے قبول کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

پہلے سے زیادہ آسان حکم: میدان جنگ میں ڈٹنے والوں اور استقامت کا مظاہرہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ ﴾ (الانفال: ٦٥) اگر تم میں بیس ثابت قدم رہنے والے ہوں وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔ اور اگر تم میں ایک سو ایسے ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے ان ہزار پر غالب آ جائیں جو کافر ہیں کیونکہ وہ ایسی قوم ہیں جو ناسمجھ ہے۔

اس آیت میں صبر کو مشروط کر دیا۔ وہ اس طرح کہ اگر میدان جنگ میں صبر کرنے والے بیس ہوں تو وہ دو سو مخالفین پر بھی بھاری ہوں گے۔ اور اگر سو ہوں تو ہزار کفار پر۔ اس میں کوئی شک نہیں اس حکم میں مشقت تھی مگر پھر اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر مہربان ہوا اور اس سے زیادہ خفیف حکم نازل فرمایا:

﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (الانفال: ٦٦) اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف

کردی ہے اور اسے معلوم ہو چکا ہے کہ تم میں ابھی ضعف ہے۔ پس اب اگر تم میں سو ڈٹ جانے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آ جائیں گے اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہاں صبر و برداشت کا ہونا ضروری ہے کہ ایک مسلمان ڈٹ جائے تو اپنے سے دو گنے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

پہلے کے مساوی حکم: قبلہ کی تحویل کا حکم ہے۔ یہ تبدیلی مکلّف کے لئے مساوی سی ہے جس میں کوئی جسمانی مشقت بھی نہیں۔

کوئی اور حکم: آپ ﷺ سے سرگوشی کے لئے پہلے صدقہ کرنے کا تھا۔ پھر اللہ تعالی نے اس حکم واجب کو منسوخ کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نسخ کا حکم بعض کمزور مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ بھی ہوتا ہے یا تو وہ دین میں شک کرنے لگتا ہے یا پھر مرتد ہو جاتا ہے۔ ورنہ نسخ کے عمل میں تو رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی مزید سچائی ثابت ہوتی ہے۔

مقامات نسخ: قرآن کریم میں موجود آیات جو عبادات، عقائد، اخلاق اور اخبار پر مبنی ہیں ان میں نسخ نہیں ہوا۔ نسخ صرف ان فروعی احکام میں ۔۔۔ جن میں امر و نہی ہو ۔۔۔ واقع ہوا ہے۔ گو نسخ کے بارے میں آپ ﷺ سے کوئی واضح حدیث موجود نہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ اور علماء امت نے آیات و احادیث کی روشنی میں ہی نسخ کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔

نسخ کی مثالیں: قرآن میں پائے جانے والے مقامات نسخ چند درج ذیل ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰكُمْ صَدَقَةً ﴾ (المجادله: ۱۲) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول اکرم سے سرگوشی کرنے لگو تو پہلے صدقہ دے دیا کرو۔

یہ ایک ابتدائی حکم تھا۔ اس حکم کو اگلی آیت نے نسخ کر دیا۔

﴿ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ (المجادله: ۱۳) کیا تم ڈر گئے کہ تم کو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا پڑے گا۔ پس جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ تم پر مہربان ہوا تو نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾(البقرہ: ۱۸۰) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ مال چھوڑ رہا ہو تو اسے چاہئے کہ والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کر جائے، یہ حق ہے متقیوں پر۔

اس ابتدائی حکم کو آیات میراث نے منسوخ کر دیا۔

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ... ۝﴾(النساء: ۱۱) اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔

اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ نے مزید اوپر والی آیت کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ اس آیت میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ خیال ہے کہ اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر کوئی ایسا مال دار آدمی فوت ہو جائے جس کے والدین اور ایک غریب سگا بھائی ہے۔ والدین تو از روئے شریعت اپنا حصہ لیتے ہیں مگر بھائی کے لئے والد حجب (to cease) بنتے ہیں اور بھائی محروم ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں میت اپنے بھائی کے لئے شریعت کے مطابق وصیت کر سکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝﴾(النساء: ۱۵) تمہاری عورتوں میں سے جو فحش کا ارتکاب کریں تو ان کے خلاف اپنوں میں سے چار گواہ مانگو، پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انہیں گھروں میں روک لو یہاں تک انہیں موت فوت کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راہ بنا دے۔

ابتدائے اسلام میں جس عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہو جاتا تو اس آیت میں اسے موت تک گھروں میں قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر ۶ ہجری میں سورۃ نور کی آیات اترنے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (النور: ۲) زانی عورت اور زانی مرد ان میں ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اللہ کے اس قانون کے بارے میں تمہارے دل میں ترس نہیں آنا چاہئے اگر تم واقعی اللہ پر اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ ان کی سزا کے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ بھی حاضر ہو۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ ﷺ نے بھی لهن سبيلاً کا انتظار کیا حتی کہ آپ پر وحی خفی کے ذریعہ اس مسئلہ کو واضح کر دیا گیا۔

خُذُوْا عَنِّیْ ، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا، اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ وَالْبِكْرُ بِالْبِكْرِ، اَلثَّيِّبُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ رَجْمًا بِالْحِجَارَةِ، وَالْبِكْرُ جَلْدُ مِائَةٍ ثُمَّ نَفْىُ سَنَةٍ۔ اللہ تعالی نے جو وعدہ فرمایا تھا اس کے مطابق بدکار مرد وعورت کی سزا مستقل کر دی گئی ہے وہ تم مجھ سے سیکھ لو اور وہ ہے شادی شدہ مرد وعورت کے لئے سو سو کوڑے اور سنگ ساری یعنی رجم کے ذریعے مار دینا ہے اور کنوارے مرد وعورت کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کا دیس نکالا۔ (صحیح مسلم: ۴۴۱۷)

نسخ کے بارے میں نکتہ ہائے نظر:

ا۔ علماء یہود نسخ کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نسخ سے اللہ تعالی پر بداء لازم آتا ہے۔ بداء کا مطلب ہے کسی شے کا مخفی ہونے کے بعد ظاہر ہونا یا کسی جدید رائے کا سوجھنا جو پہلے نہ تھی۔ اس لئے یہ نسخ اس علم کے تجدد کا نتیجہ ہے جو پہلے مجہول تھا۔ اور یہ اللہ تعالی پر محال ہے۔

ان کا یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ نسخ علم اللہ تعالی میں تجدد نہیں ہے بلکہ امت کی تجدیدی حالت کے لئے ہے۔ حالات وضروریات کی تبدیلی متقاضی ہوتی ہے کہ نیا حکم ہو۔ مکہ مکرمہ میں مسلمان انتہائی کمزور تھے اس لئے جو حکم ان کے احوال کے مناسب تھا وہ اللہ تعالی نے دیا مگر مدینہ میں قوی حالات ہو جانے کے بعد اب وہی حکم نامناسب ہے یہ بداء نہیں بلکہ بہتری اور ترقی کی طرف ایک قدم ہے۔

۲۔ رافضہ نے نسخ کے اثبات پر اپنا غالی نکتہ نظر پیش کیا ہے بلکہ بداء کو اللہ تعالی کے لئے جائز قرار دیا ہے۔ اپنے مذہب کی تائید کے لئے انہوں نے بہت سی احادیث گھڑ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے طرف منسوب بھی کی ہیں۔ جیسے: لَوْ لَا الْبَدَاءُ لَحَدَّثْتُكُمْ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ اگر بداء نہ ہوتا تو میں تمہیں قیامت تک رونما ہونے والے حالات وواقعات کے بارے میں بتاتا۔

۳۔ ابو مسلم الاصفہانی جو ائمہ معتزلہ میں سے ہیں اس رائے کے اولین قائل ہیں کہ عقلاً نسخ کا جواز ہے مگر شرعاً اس کا واقع ہونا ممتنع ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ ۔ یعنی قرآنی احکام کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔ رہی آیات نسخ تو وہ برائے تخصیص ہیں۔

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن پاک میں کوئی خلل، نقص، تحریف یا تبدیلی نہیں آ سکتی۔ یا ان میں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سے کوئی شے بھی اس کی طرف نہیں بڑھ سکتی۔ نسخ، باطل میں سے نہیں بلکہ وہ تو حق ہے۔ ناسخ ومنسوخ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی شدہ ہیں اور ساری وحی حق ہوا کرتی ہے نہ کہ باطل۔

۴۔ جمہور علماء کا نکتہ نظر نسخ کے بارے میں یہ ہے کہ نسخ عقلاً نہ صرف جائز ہے بلکہ شرعاً بھی یہ بکثرت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ﴿ماننسخ من آية أو ننسها...﴾ یا ﴿وإذا بدلنا آية مكان آية..﴾ وغیرہ۔

نسخ اور بدا میں فرق: بداء کا مطلب چھپنے کے بعد ظاہر ہونا کے ہیں یعنی ایسی رائے کا پیدا ہونا جو پہلے موجود نہ تھی۔ کچھ لوگوں نے نسخ کا انکار کرتے ہوئے اسے بدا کا مترادف قرار دیا۔ یہ عقیدہ انتہائی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ ایک ایسی رائے سوجھے جو اسے پہلے معلوم نہ تھی۔ یا کوئی چیز اس پر اچانک منکشف ہو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ﴾ وہی ہے سب سے پہلے اور سب سے آخر۔ ﴿كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ (هود:٦) سب کچھ کتاب مبین میں درج ہے۔ ﴿لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ۝﴾ (يونس:٦٤) اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوسکتے۔ ﴿وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝﴾ (فاطر:٤٣) اللہ کا طریقہ پھر نہیں سکتا۔ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۝﴾ (الانعام:٥٩) وہ تو بحر و بر میں جو کچھ ہے سب کچھ جانتا ہے۔ زرقانیؒ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

> جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دے کر پرانا حکم منسوخ کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے کوئی نئی بات سوجھی جو پہلے معلوم نہ تھی۔ بخلاف ازیں اللہ تعالیٰ کو ازل ہی سے بلکہ اس حکم کو مشروع قرار دینے سے پہلے ناسخ ومنسوخ کا علم تھا" (مناہل العرفان ۲/۷۸)۔

ڈاکٹر صبحی صالح رحمہ اللہ اس رائے پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> مخلوقات اور ارض وسماء کو پیدا کرنے سے بھی پہلے اللہ تعالیٰ اس سے آشنا تھا۔' (علوم القرآن:۳۸۸)

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

۱۔ نسخ کا لغوی اور اصطلاحی معنی لکھئے۔

۲۔ آیت نسخ کی تین مختلف قراءتوں کی روشنی میں دو قراءتوں کے معنی و مفہوم کو لکھئے۔ یا اسی آیت نسخ کی حقیقت پر روشنی ڈالئے۔

۳۔ اسی آیت میں وارد لفظ آیۃ کے مفہوم و مراد میں علماء کی کیا آراء ہیں؟ تفصیل دیجئے۔

۴۔ وہ کون سے مختلف انداز ہیں جو نسخ میں اختیار کئے گئے ہیں مثال دے کر واضح کیجئے۔

۵۔ قرآن کریم میں وارد نسخ کے چند مقامات مثالوں سے بتائیے۔

۶۔ نسخ کی شرائط کیا آپ بتا سکتے ہیں؟ آیت رجم کس شرط میں آتی ہے؟

۷۔ نسخ کیوں؟ اس کی کیا حکمت ہے؟ ایک نوٹ لکھئے۔

۸۔ آیات منسوخہ کتنی ہیں؟ علماء کی اس بارے میں کیا آراء ہیں؟

۹۔ نسخ کی کتنی اقسام ہیں؟ مثالوں سے واضح کیجئے۔

مشق

۱۔ نسخ کے بارے میں کسی اچھی کتاب سے ایک آرٹیکل لکھئے اور جو کچھ آپ نے اس کتاب میں پڑھا ہے دونوں پر تبصرہ کیجئے۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر تیسیر القرآن میں نسخ کے بارے میں کو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھئے۔

۳۔ کتاب تبویب القرآن میں نسخ کی آیت لیجئے، اس کا ترجمہ لکھئے اور مؤلف کی حاشیہ آرائی پر تبصرہ کیجئے۔

۴۔ تفهيم القرآن میں نسخ کے موضوع پر جو گفتگو کی گئی ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے اور اس پر ایک شذرہ لکھئے۔

☆☆☆☆☆

فَقُلْ لِبِلَالِ الْعَزْمَ مِنْ قَلْبِ صَادِقٍ — أَرِحْنَا بِهَا إِنْ كُنْتَ حَقًّا مُصَلِّيًا

کہو! اگر تم واقعی نمازی ہو تو بلال جیسا صدق دل سے پختہ ارادہ چاہئے جسے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ہمیں پھر آرام پہنچاؤ

تَوَضَّأْ بِمَاءِ التَّوْبَةِ الْيَوْمَ مُخْلِصًا — بِهِ تَلْقَ أَبْوَابَ الْجِنَانِ الثَّمَانِيَا

ذرا توبہ کے پانی سے آج مخلص بن کر وضو کر لو اسی سے ہی تم جنت کے آٹھوں دروازوں کو حاصل کر سکو گے

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

باب: 12

علم اعجاز قرآن

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعریف: لفظ اعجاز (ع ج ز) سے نکلا ہے۔جس کا مطلب ہے،کسی فعل کی ادائیگی میں ضعف،کمزوری یا عاجزی اوراس کے مقابلے میں لفظ قدرت ہے۔اسی سے لفظ معجزہ نکلا ہے۔جس سے مراد ایسا عمل ہے جو اپنی عادت کو توڑ کر بطور چیلنج وجود میں آئے اوراس کا کوئی مدمقابل یا توڑ نہ ہو۔یہ ایسی قطعی دلیل ہے جو مدمقابل کو مقابلہ کرنے سے عاجز کردیتی ہے۔معجزہ کے مقابلہ میں انسانی قدرت وطاقت کی بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔نبی آخرالزمان ﷺ کو بھی معجزات دیئے گئے۔جن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک کا ہے۔اس میں رسول کریم ﷺ کے دعوی رسالت کی صداقت کا اظہار ہے جس کا مقابلہ کرنے سے اہل عرب عاجز آ گئے۔یہ ایسا ابدی معجزہ ہے جس کا مقابلہ ان کی نسلیں بھی نہ کرسکیں۔اللہ تعالی کا یہ ارشاد برحق ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝﴾

(فصلت:٤٢) یہ بہت زبردست عظیم کتاب ہے نہ اس کے آگے سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔یہ دانا ومحمود ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

ثبوت معجزہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں لفظ "آية یا آيات "بينة ،سُلطان اور برهان استعمال کیا ہے۔

﴿الۤرٰ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝﴾ (یوسف:٢،١) یہ آیات ہیں کتاب مبین کی۔

گزشتہ انبیاء کو عطا کئے گئے معجزات کے لئے بھی لفظ آیت،قرآن میں استعمال ہوا۔مثلاً:

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا.. ۝﴾ (الاعراف:١٠٣) پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔

آپ ﷺ کا ارشاد بھی ہے:

مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ، مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِیْ أُوْتِيْتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ ، فَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔کوئی نبی نہیں جس کو معجزات عطا نہ کئے گئے ہوں۔جیسا تقاضا تھا ان پر انسان ویسا ایمان نہ لایا۔مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ وحی ہے(یعنی قرآن وسنت کی وحی) تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی۔

مجھے امید ہے کہ روز قیامت میں سب سے زیادہ تابع دار لوگ پاؤں گا۔(صحیح بخاری:۴۶۹۶)

معجزہ، جادو اور کرامت

بعض لوگوں نے معجزہ کا انکار کرتے ہوئے اسے جادو کا نام دے دیا۔ جیسے فرعون اور اس کے درباریوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں کہا۔ جبکہ کچھ نے کسی نیک شخص پر ہونے والی کرامات میں غلو کرتے ہوئے اسے بھی معجزے کا درجہ دے دیا۔ جبکہ معجزہ کی چند شرطیں ہیں اور معجزہ، جادو اور کرامت میں بہت واضح فرق ہے۔

معجزہ اور جادو

- جادو صرف نگاہوں کا دھوکہ ہوتا ہے۔﴿يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى﴾(طٰہٰ:٦٦) ان کے جادو کی وجہ سے اسے یہ خیال لگا کہ وہ دوڑ رہا ہے۔﴿سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡهُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ..﴾ (الأعراف:١١٦) انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں خوفزدہ کر دیا اور وہ ایک بہت بڑا جادو بنا کر لائے۔ اسے تسلیم کرنا کفر ہے۔ اور ایسے جادوگر بھی کافر ہیں۔

معجزہ دعوائے رسالت کے بعد ہوتا ہے جو نگاہوں کا دھوکہ نہیں بلکہ خارق العادۃ امر کا نام ہے خواہ وہ کلام ہو جیسے قرآن کریم اور کنکریوں کی تسبیح یا کھجور کی تنے کا بلکنا اور ہدہد کا کلام کرنا۔ یا وہ کوئی فعل ہو جیسے: چاند کا شق ہونا، انگلیوں سے پانی کا چشمے کی طرح پھوٹنا، دو افراد کے کھانے میں اتنی برکت کا ہو جانا کہ اصحاب خندق سبھی سیر ہو کر کھالیں۔ یا شے کا اپنے فعل کو ترک کر دینا جیسے: آگ کا ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈا ہونا۔ اور موسی علیہ السلام اور بنو اسرائیل کا سمند میں غرق نہ ہونا۔ وہ ایک حقیقت ہوتا ہے اور جسے نہ صرف آنکھیں دیکھتی ہیں بلکہ لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

- رسول کے فعل میں یہ معجزہ نہیں ہوتا بلکہ اس جیسا پیش کرنا دوسروں کے لئے ممکن نہیں ہوتا اس لئے یہ معجزہ ہوتا ہے۔

- امر خارق العادۃ اللہ تعالی کی طرف سے ہو۔﴿قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ﴾، ﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنۡ نَأۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ إِلَّا بِإِذۡنِ اللّٰهِ﴾۔ جب کفار نے آپ سے کہا:﴿ائۡتِ بِقُرۡآنٍ غَيۡرِ هٰذَا أَوۡ بَدِّلۡهُ﴾ آپ کو فرمایا گیا کہ یہ جواب دیجئے۔ ﴿مَا يَكُوۡنُ لِيۡ أَنۡ أُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَاۗئِ نَفۡسِيۡ إِنۡ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوۡحٰى إِلَيَّ﴾۔

- جادو کا اثر وقتی ہوتا ہے جبکہ معجزہ دائمی ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید، ایک دائمی معجزہ ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

- معجزہ challenging ہوتا ہے جس کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔اس کے مثل نہیں لایا جاسکتا بلکہ ہر اعتبار سے یہ معجزہ محفوظ رہتا ہے۔ جب کہ جادو کا توڑ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔

- **معجزہ** کو رسول اپنی رسالت کے سچے ہونے کی قطعی دلیل بناتا ہے کہ وہ اپنے دعوائے رسالت میں سچا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔اس لئے اس کا انکار کرنا کفر ہے۔

- معجزہ دکھانا رسول یا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا،اللہ تعالیٰ اگر چاہیں تو یہ رونما ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا سے معجزہ خود پیش نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم آتا تو ان کا عصا اپنا کام دکھاتا۔

- جیسے رسول معجزہ کا دعوی کرے ویسے ہی واقع ہو۔اس کے دعوے کے خلاف ظاہر نہ ہو۔ورنہ وہ معجزہ نہیں۔جیسا کہ مرزا قادیانی کے دعوے غلط ثابت ہوئے۔

معجزہ اور کرامت

- خرق عادت کے طور پر ہوجانے والا کوئی کام جو کسی غیر نبی سے سرزد ہو۔اگر وہ نیک باعمل مسلمان ہے تو اسے کرامت کہیں گے ورنہ یہ شعبدہ بازی ہوگی۔

- معجزہ صرف پیغمبروں کو دیا جاتا ہے جبکہ کرامت صالحین میں سے کسی کو بھی دی جاسکتی ہے۔

- معجزہ ظاہر کرنے والی چیز ہوتا ہے جبکہ کرامت کو چھپا کر رکھا جاتا ہے۔

- معجزے پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے جبکہ کرامت پر ایمان لانا ضروری نہیں ہوتا۔

- معجزہ پیغمبروں کو تبلیغ میں بطور مددگار دیا جاتا ہے جبکہ کرامت انفرادی نیکی کی علامت ہوسکتی ہے۔

استدراج: کچھ بزرگ علی الاعلان ہتھیلی پر سرسوں جما کر دکھا دیتے ہیں۔ ادھر ہاتھ بڑھایا اور اُدھر انگور کا خوشہ ہاتھ میں آ گیا جسے وہ دعویٰ بزرگی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ یہ شیطانی عمل ہوتا ہے جسے استدراج یا شعبدہ بازی کہتے ہیں ایسے بزرگ کا تعلق رجال غیب یعنی جنوں سے ہوتا ہے۔بعض دفعہ مکروحیلہ سے بھی کام لے کر یہ شعبدے دکھائے جاتے ہیں۔ یہ سب کسبی چیزیں ہوا کرتی ہیں جو ہندو جوگیوں ،عیسائی ویہودی شعبدہ بازوں میں بھی عام نظر آتی ہیں مگر معجزہ اور کرامت وھبی ہوتی

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

ہیں۔اسلام اسے کھلم کھلا رد کرتا ہے۔ابن الصیاد نے ایسا دعوی کیا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: اچھا بتاؤ میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا: دخ دخ۔مگر آگے کچھ نہ کہہ سکا۔آپ ﷺ نے اس کی ناکامی پر اسے کوسا اور خوب ڈانٹ ڈپٹ پلائی۔

نبوت کی علامات: انبیاء کرام کے لئے نبوت کی دو علامات ہوا کرتی ہیں۔ارہاص اور معجزہ۔

إرهــاص: نبوت سے کچھ عرصہ قبل، رسول سچے خواب دیکھتا ہے جو دوسرے دن روز روشن کی طرح حقیقت کا روپ دھارے اسے نظر آتے ہیں۔اسے ارہاص کہا جاتا ہے جیسے رسول اکرم ﷺ نبوت سے پہلے سچے خواب دیکھا کرتے تھے۔امام ابن حجر رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُؤْتَى بِهِ الْأَنْبِيَاءُ فِي الْمَنَامِ حَتَّى تَهْدَأُ قُلُوبُهُمْ، ثُمَّ يَنْزِلُ الْوَحْيُ بَعْدُ فِي الْيَقْظَةِ۔ (فتح الباری کتاب بدء الوحی ۱/۱۲) انبیاء کرام کو پہلے پہل (سچے) خواب عطا کئے جاتے ہیں حتی کہ ان کے دل پرسکون ہو جاتے ہیں۔پھر انہیں حالت بیداری میں وحی کی جاتی ہے۔

معجزہ اور امتحان: یہ دوسری علامت ہے جو نبوت کی دلیل ہوتی ہے۔اسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

اختیار الٰہی: معجزہ میں تین چیزیں ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہوتی ہیں:

علم: یعنی اللہ تعالی کے ہی علم میں ہوتا ہے کہ معجزہ کیا ہو اور کیسا ہو۔اس کا علم نبی کو نہیں ہوتا۔

قدرت: معجزہ کا ظہور اس کی قدرت واختیار سے ہوتا ہے نہ کہ نبی یا رسول کی مرضی یا چاہت سے۔

غنا: وہ چاہے تو دکھائے اور چاہے تو قوم کے مطالبے اور نبی کی خواہش کے باوجود نہ دکھائے۔نیک باعمل مسلمان سے صادر ہونے والی کرامت میں بھی اختیار اللہ تعالی کے پاس ہوتا ہے۔

وہ اپنی قدرت کاملہ سے اگر آگ کو جلانے والی بنا سکتا ہے تو اسے حکم دے کر ٹھنڈا بھی کر سکتا ہے۔جس نے چاند کو خود بنایا وہی اسے دوٹکڑے بھی کر سکتا ہے۔جس نے زہر میں مار دینے کی خاصیت رکھی ہے وہی اس سے یہ خاصیت چھین بھی سکتا ہے۔جس نے اژدہے کو عدم سے پیدا کیا وہی لاٹھی کو اژدہے میں تبدیل بھی کر سکتا ہے۔ان کی غلط تاویلات نہیں کی جاسکتیں کہ معجزہ خارق العادت نہ رہے۔اور یہ کہنا کہ آدمی کے یقین اور اعتقاد پر اس کا انحصار ہوتا ہے جیسا کہ ایک جوان کنواری لڑکی جس کی شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی مرد نے اسے چھوا مگر وہ یہ سوچ لے کہ میں حاملہ ہوں تو وہ حاملہ ہو جاتی ہے!!! جیسے سیدہ مریم علیہا السلام ہو گئی

تھیں۔ یہ مفہوم انہوں نے بتایا تو سہی مگر خارق سے اخرق کی طرف نکل گئے۔ اسی طرح فرشتہ، جن، شیطان اور جنت وجہنم کی تاویلات انہوں نے کی ہیں۔ جو عقل پر پردہ ہے۔ اور اللہ تعالی کی قدرت تسلیم نہ کرنے کا اعلان ہے۔

ماضی کے واقعات یا مستقبل میں ہونے والے واقعات کی اطلاع اور علم جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو یہ بتانا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھروں میں جمع کرتے ہو، اسی طرح ہمارے رسول کا سابقہ امتوں کے حالات کا بتانا یا فتنوں اور قیامت کی نشانیوں سے متعلق پیشین گوئیاں کرنا۔ یہ سب علم سے تعلق رکھتے ہیں۔

مریم علیہا السلام کا فرشتے کی پھونک سے حاملہ ہونا، لاٹھی کا اژدہے میں بدل جانا، برص وجذام کے مریض کا تندرست ہو جانا، مردے کا زندہ کرنا وغیرہ یہ سب اللہ سبحانہ وتعالی کی قدرت واختیار سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اپنے محترم رسولوں کو لوگوں کے شر سے بچاتا ہے۔ انہیں ہمت وطاقت دیتا ہے کہ کئی کئی دن بغیر کھائے پیے وصال کا روزہ رکھیں، پاس کنویں میں پڑے بیٹے کی خوشبو باپ کو نہیں سونگھاتا مگر چالیس سال بعد سینکڑوں میل دور رہائش پذیر بیٹے کی خوشبو بوڑھے والد کو پہنچ جاتی ہے۔ واقعہ افک میں آپ ﷺ کو ایک ماہ پریشان رکھتا ہے مگر اس میں امت کے لئے کتنی خیر ہے وہ بعد میں سجھاتا ہے۔ یہ اس کی شان غنا ہے۔ اس لئے کسی نبی کے پاس معجزہ پیش کرنے کا اختیار نہیں ہوا کرتا۔

حق کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالی رسول کو معجزہ اس وقت عطا کرتا ہے جب باطل خوب زوروں پر ہو۔ جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، جذام اور کوڑھ کے مریض کو مسح سے درست کر دینا، پہاڑ کے اندر سے اونٹنی کا پیدا کرنا اور وغیرہ ایسے واقعات تھے جن پر ایمان لانا فرض تھا چنانچہ جنہوں نے نہیں مانا انہیں شدید ترین آزمائشوں گذرنا پڑا۔ غیر نبی سے یہ کبھی صادر نہیں ہوتے۔ نبی بھی ان واقعات کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتا ہے مگر بہت کم لوگ ایمان لاتے ہیں۔

دلائل اعجاز: یہ موضوع تو قرآن پاک نے چیلنج کے طور پر پیش کیا جسے سبھی نے تسلیم بھی کیا مگر معجزہ قرآن کی ایک نرالی وانحرافی تعریف نے علماء کو مجبور کیا کہ ان خیالات کا جواب دیا جائے۔ یہ دو قسم کے انحرافی خیالات تھے:

☆......قرآن کریم کے مقابلہ کے باوجود اللہ تعالی نے عربوں کی صلاحیت اور خیال کو دوسرا رخ دے دیا تھا۔ ورنہ وہ اس کا مقابل لانے کے اہل تھے۔ یہ صاحب ابواسحاق ابراہیم بن سیار النَّظّام (م:۲۳۱ھ) ہے جو معتزلی امام ہیں۔ وہ اسے **صَرفَہ** کا نام دیتے ہیں۔ ان کے اس خیال کو ماننے والے نظّامی کہلاتے ہیں۔

دوسرے صاحب رافضی ہیں اور مرتضی کہلاتے ہیں۔انہوں نے **صَرفَہ** کی تعریف یہ کردی کہ اللہ تعالی نے عربوں سے وہ علوم سلب کرلئے جو قرآن کریم کا مقابلہ کرنے میں معاون ہو سکتے تھے۔اس لئے ان میں استطاعت ہی نہیں تھی۔

یہ دونوں نظریات انتہائی بودے اور قرآنی آیات کے علم سے بے نوری کی علامت ہیں۔قرآن جنہیں بار بار یہ چیلنج کر رہا ہو کہ اس جیسا یا ایک سورت یا ایک آیت ہی بنا کے لاؤ اور سبھی اپنے وسائل سمیت جمع ہو جاؤ تب بھی تم نہیں لا سکتے اور نہ لا سکو گے۔جو دعوت رسول کی راہ میں رکاوٹ بنیں، اٹھتے بیٹھتے اور سوتے جاگتے جن کے خون کھولتے ہوں وہ ہر کام انتہائی چالاکی وعیاری سے کرنا جانتے ہوں، اپنی خطابت کے جوہر جگہ جگہ دکھاتے پھرتے ہوں، شاعری جن کی گھٹی میں پڑی ہو اور قرآن کریم کو کبھی جادو کبھی کلام کاہن اور کبھی شعر کہیں جو یہودیوں سے آپ ﷺ کے رسول ہونے کی تصدیق کرائیں یا ان سے قرآن کا جواب پوچھیں۔کیا انہی کو اللہ تعالی نے اس کے مقابلے کے لئے پھیرنا تھا یا ان کی صلاحیتیں سلب کرنا تھیں یا ان امیوں کو ان کے گہرے علوم سے محروم کرنا تھا۔ان دونوں نظریات میں جو نرالا پن ہے محسوس ہوتا ہے کہ عقل مندوں کی عقل کام کرنا چھوڑ گئی ہے۔ورنہ یہ سب تک بندیاں ہیں جن کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔

بہر حال علماء کو ان خیالات کا جواب دینے اور ان سے متأثرین کو صحیح راہ پر لانے کے لئے ان دلائل، وجوہات یا اسباب کو جمع کیا گیا جن کی بنا پر قرآن پاک کو ایک معجزہ قرار دیا گیا، وجوہ اعجاز یا دلائل کہلاتی ہیں۔ان میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

❶ **الفاظ کا انتخاب:** قرآن کریم میں جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ معجزانہ شان کے حامل ہیں۔یہ الفاظ عبارت کے سیاق، معنی کی ادائیگی اور اسلوب کے اعتبار سے انتہائی موزوں ترین ہیں۔عربی زبان ایک انتہائی وسیع زبان ہے۔اس میں ایک معنی کے لئے معمولی فرق والے کئی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔قرآن ان الفاظ میں سے ان موزوں ترین الفاظ کا چناؤ کرتا ہے۔جو اس کے مفہوم کو پوری طرح واضح کرسکیں۔

چند مثالیں:

۱۔ **ریاح** (جمع) کا لفظ قرآن مجید میں خیر ورحمت کے لئے استعمال ہوا ہے اور **ریح** (واحد) کا لفظ خرابی اور سزا کے معنی میں۔مثلاً خیر ورحمت کے لئے: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ..﴾(الأعراف: ٥٧)۔اسی طرح دیکھئے الفرقان: ۴۸ النمل: ٦٣ الروم: ۴٦۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تباہی اور سزا کے لئے ﴿کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَکَتۡهُ ۔۔﴾ (آل عمران:۱۱۷)
﴿رِیۡحٌ فِیۡهَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ﴾ (الأحقاف: ٢٤)، ﴿فَاُهۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَةٍ﴾ (الحاقة: ٦).

۲۔اسی طرح مطر کا لفظ قرآن مجید میں انتقام کی جگہ پر استعمال ہوا ہے اور رحمت وخیر کے لئے غیث کا۔

۳۔ عیون اور أعین دونوں عین کی جمع ہیں۔ عیون کا لفظ چشمے کے لئے استعمال ہوا ہے اور دیکھنے والی آنکھ کے لئے أعین کا۔

۴۔ وصّی اور أوصی کے الفاظ بھی مستعمل ہوئے ہیں۔وصّی تشدید کے ساتھ دینی اور معنوی معاملات کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور أوصی مادی معاملات کے لئے۔

۵۔لفظ رسالة کو صالح علیہ السلام کے لئے واحد استعمال کیا گیا (الأعراف:۷۹) اور شعیب علیہ السلام کے لئے رسالات (جمع) فرمایا۔(الأعراف:۹۳) کیوں؟ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ صالح علیہ السلام ایک قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف۔ایک مدین اور دوسری أصحاب الأیکة ، (الأعراف:۸۵،الشعراء:۱۷۶۔۱۷۷) مدین، أصحاب الأیکة ، سے جدا ایک مقام ہے۔اسی لئے مدین کو جب ذکر فرمایا تو ﴿وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا﴾ ۔۔(الأعراف: ۸۵) ہود:۸۴،المؤمنون:۳۶۔مگر أصحاب الأیکة کے ذکر کے وقت أخاهم کا ذکر نہیں فرمایا جب کہ باقی انبیاء کرام کو أخوهم کہہ کر یاد فرمایا۔دیکھئے سورہ الشعراء۔مگر أصحاب الأیکة،شعیب علیہ السلام کی قوم نہیں تھی اس لئے أخوهم کا لفظ وہاں ارشاد نہیں فرمایا۔نیز صالحؑ وشعیبؑ کے تبلیغی اہداف کو اگر دیکھیں تو شعیب علیہ السلام کی ذمہ داریاں،اوامر ونواہی زیادہ ہیں۔دیکھئے الشعراء:۱۵۰تا۱۵۳تک اور ۱۷۶تا۱۸۵تک۔اس لئے لفظ رسالت صالح علیہ السلام کے لئے واحد ہی درست ہے اور شعیب علیہ السلام کے لئے رسالات جمع ہی زیادہ بہتر ہے۔ایک کے حق میں ایک رسالت ہے اور دوسرے کے حق میں رسالات ہیں۔

۶۔زمانہ جاہلیت میں موت کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کم وبیش چوبیس الفاظ موجود تھے۔مثلاً: موت، ہلاک، فنا، شعوب اور حمام وغیرہ۔ان میں سے اکثر الفاظ سے اہل عرب کا یہ نظریہ جھلکتا تھا کہ موت کے ذریعے انسان ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا ہے اور اس کا دوبارہ زندہ ہونا ممکن نہیں۔لیکن قرآن نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر ایک انتہائی جامع مختصر اور فصیح لفظ اختیار کیا۔جو موت کی صحیح حقیقت کو مکمل طور پر واضح کرتا ہے۔یہ لفظ ہے "تَوَفّی" جس کے لغوی معنی ہیں؛کسی چیز کو پورا پورا وصول کر لینا۔

۷۔قرآن مجید نے جب اپنی فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کیا تو عربوں نے انتہائی غور وفکر کے بعد تین الفاظ پر اعتراض کیا کہ وہ عربی محاورے کے خلاف ہیں۔یہ الفاظ **کبار، هزوا** اور **عجاب** تھے۔معاملہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔آپ ﷺ نے معترضین کے مشورے سے ایک بوڑھے شخص کو منصف بنایا۔جب وہ شخص آیا اور بیٹھنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ادھر بیٹھ جائیں۔ وہ بیٹھنے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ادھر بیٹھ جائیں۔جب وہ شخص ادھر بیٹھنے لگا تو پھر اشارہ کر کے فرمایا: ادھر بیٹھ جائیں۔اس پر اس شخص کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا: "أَنَا شَيْخٌ كُبَّارٌ، أَتَتَّخِذُنِي هُزُوًا، هَذَا شَيْءٌ عُجَابٌ"۔یوں اس نے ایک ہی جملے میں تینوں الفاظ استعمال کر دیئے۔اس پر سب خاموش ہو گئے۔

❷ **اصطلاحات:** قرآن مجید نے عربی زبان کے مروجہ الفاظ کو اصطلاح کا درجہ دیا جو معروف اور نئے مفہوم میں مستعمل ہونے لگے۔مثلاً: صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، کفر، شیطان، نفاق وغیرہ۔

❸ **ترکیب کلام:** قرآن کی اکائی آیت ہے۔آیت کا مطلب نشانی ہے۔یعنی ہر آیت اللہ تعالیٰ کے علم کامل کی نشانی ہے۔ قرآن مجید کا اعجاز آیتوں کی ترکیب سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔یہ ترکیب توقیفی ہے۔قرآن کی آیات اختصار، جامعیت اور معنویت کا شاہکار ہیں۔نہ صرف اپنے بیان کی پاکیزگی کے لحاظ سے بلکہ اپنی وسعت، گہرائی اور بلندی کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ ہے۔اس کے کلمات میں سنجیدگی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے۔اور ہر قسم کے بیانات مناسب ہیں۔اس آیت میں مندرجہ ذیل خصوصیت قابل ذکر ہے۔مثلاً: خیالات کی جامعیت ہے جو ابتداء ہی سے واضح ہے جن کے سمجھنے کا دارومدار آیت کے اختتام پر نہیں بلکہ بسا اوقات انتہائے سورۃ تک چلا جاتا ہے۔اور اس کا ایک ایک لفظ اپنے مطالب کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے۔پھر یہ خیالات، الفاظ کے ساتھ پوری مطابقت کرتے ہیں۔اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔

﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾

(العنکبوت: ۵۰، ۵۱) کہتے ہیں کہ اس پر معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا۔ان سے کہو۔معجزات تو اللہ کے پاس ہیں اور میں تو ایک کھلم کھلا متنبہ کرنے والا ہوں۔کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب کو اتارا ہے جو ان پر تلاوت کی جاتی ہے۔بے شک اس عظیم کتاب میں بھی ایمان دار لوگوں کے لئے یقیناً ایک رحمت اور نصیحت ہے۔

آیات کی ساخت میں حسن ہے اور غیر موزوں بندشوں کا کہیں وجود نہیں۔پھر ان میں مشابہت بھی ہے۔مثلاً:

● ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ○﴾ (فصلت:٢٦) کلام اللہ میں اتنی تاثیر ہے تو قرآنی تعلیم کے خلاف کفار کا یہ منصوبہ ہے کہ اسے نہ سنا جائے اور نہ سنوایا جائے۔

● ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر:٢١) اگر پہاڑ جیسی بے جان و جامد چیز اسے سن کر ریزہ ریزہ ہوسکتی ہے تو حضرت انسان جو دل و دماغ رکھتا ہے وہ اندر سے کیوں نہیں ٹوٹ پھوٹ سکتا؟ اسی لئے تو اس کی سوچ، عمل اور تمام زاویے بدل جاتے ہیں۔

● ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الزمر:٢٣) یہ کلام بندے کو رب کے حضور جھکا کر چھوٹا بنا دیتا ہے۔ اس کا انگ انگ اللہ کا حکم سننے اور ماننے کے لئے ہمہ وقت تیار ہو جاتا ہے۔

● ﴿اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ○﴾ (ھود:٨١) عذاب کا کوڑا برسانے کا فیصلہ اگر اللہ کر لے تو پھر اس کے آنے میں کون سی دیر؟

﴿طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ○﴾ (الرعد:٢٩) دنیا میں جیتے جی اگر ہدف آخرت ہو تو ہوش کی زندگی گذارنے والوں کو کیوں اللہ تعالی کی جناب اور فرشتوں سے ایسی مبارکباد نہ ملے۔

● ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ○﴾ (ق:٣٠) جہنم کی وسعت اور اس کا جوش انتقام ظالموں کو لرزا دینے والا ہوگا اور مزید انسانی ایندھن مانگے گی اس لئے کہ یہ تیاری بھی تو انہیں کے لئے کی گئی ہے جو رب کے نافرمان تھے اور اسے جھٹلاتے تھے۔

❹ **اسلوب بیان:** قرآن پاک کا انداز عام کتاب جیسا نہیں ہے۔ اس میں ابواب ہیں اور نہ ہی کسی ایک موضوع پر بحث ہے۔ اور نہ ہی یہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ بلکہ ایک ایسا منفرد خطیبانہ انداز ہے کہ ایک بات کے بیچ میں دوسری بات شروع ہو جاتی ہے اور مخاطب بدل جاتے ہیں۔ کسی بھی اچھے خطبہ میں ابتدائیہ جاندار ہوتا ہے اور اختتامیہ بھی، یہ دونوں خوبیاں ہر سورت کے آغاز اور اس کے اختتام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

عربوں کے طرز کلام و خطاب میں دو چیزیں بکثرت رائج تھیں؛ نثر اور نظم۔ نثر مسجع یا غیر مسجع ہوتی تھی جو گفتگو اور خطابت میں عام تھی، ہر ایک اس کا ماہر تھا۔ پھر نظم اس کی بھی بے شمار اقسام تھیں۔ شاعری اس دور کا بلند پایہ مقدس فن تھا۔ ہر قبیلہ کو ایک اچھے

شاعر کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ شاعر کے موزوں اشعار اس کے قبیلے کا نام روشن کرسکیں۔قرآن کریم نثر ہے یا نظم؟ دونوں میں کسی ایک کے ساتھ بھی مشابہت نہیں رکھتا۔اس لئے کہ قرآن پاک نہ تو شاعری ہے اور نہ ہی نثر۔لیکن اس کے باوجود اس میں شاعری کا حسن بھی ہے اور نثر کی سنجیدگی بھی۔بیان میں تشبیہات، استعارات، کنایات، تمثیلات اور وہ تمام دیگر خصوصیات جو کسی کلام میں ہوسکتی ہیں سب موجود ہیں۔یہ ایک نیا اسلوب تھا جو قرآن نے متعارف کرایا اور جو عربوں کے بس میں نہ تھا۔

⑤ **نظم قرآن:** قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کا باہم گہرا ربط نظم قرآن کہلاتا ہے۔آیات وسورتیں ایک ہار کی طرح، ایک دوسرے کے ساتھ پروئی ہوئی ہیں جس میں ہر سورت وآیت موتی کی طرح نمایاں ہے۔حالانکہ قرآن کی موجودہ ترتیب، ترتیب نزولی سے مختلف ہے اور موضوعات بھی مختلف ہیں۔ایک موضوع کے ختم ہوتے ہی دوسرا موضوع شروع ہو جاتا ہے۔کئی آیات میں تکرار بھی پائی جاتی ہے۔مگر ہر مقام پر ان آیات وسورتوں کا گہرا ربط عقل کو دنگ کر دیتا ہے۔مثلاً ارشاد باری تعالی ہے:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ○﴾(الحجر:۴۹،۵۰) اے پیغمبر! میرے بندوں کو بتادیجئے کہ میں بخشنے والا الرحم کرنے والا ہوں۔اور یہ کہ میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔

اس کے فوراً بعد ارشاد ہے:

﴿وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ○﴾(الحجر:۵۱) اور انہیں سیدنا ابراہیمؑ کے مہمانوں کے بارے میں بتایئے۔

بظاہر اس آیت کا سابقہ آیت سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا لیکن ذرا غور کیا جائے تو بعد کا جملہ پہلے جملے کی تائید کرتا ہے۔سیدنا ابراہیمؑ کے پاس آنے والے فرشتے سیدنا اسحاقؑ کی پیدائش کی خبر لے کر آئے تھے۔جو ﴿اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○﴾ (الحجر:٤٩) کا مظاہرہ تھا۔مزید برآں وہ قوم لوط پر عذاب نازل کرنے بھی آئے تھے۔جو﴿اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمَ ○﴾ (الحجر:٥٠) کی شہادت تھا۔اس طرح یہ آیات باوجود بظاہر مختلف ہونے کے گہرا ربط رکھتی ہیں۔اس لئے قرآن میں ظاہری بے ربطی اور بے نظمی کا احساس درحقیقت ہماری حیرانی اور سرگشتگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

⑥ **پیشین گوئیاں اور انکشافات:** اعجاز قرآن کریم کی ایک اور دلیل اس میں پائی جانے والی پیشین گوئیاں ہیں جو صحیح ثابت ہوئیں، ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ان پیشین گوئیوں کا تعلق ایمان بالغیب سے ہے۔یہ غیب ماضی کا بھی ہوسکتا ہے اور حال و مستقبل کا بھی۔کشتی نوح، فرعون کی لاش، آپ ﷺ کی زمانہ میں بعض واقعات وقوع پذیر ہوئے۔آپ خود وہاں موجود نہیں تھے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نہ ہی حاضر مگر وحی الٰہی آپ کو ان واقعات سے آ گاہ کرتے رہی۔ کفار آپ کی مؤ ثر دعوت کا جب ذکر کرتے تو ایک دوسرے کو یہ بھی کہتے کہ خاموش! آہستہ سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد ﷺ کے معبود اسے سن لیں اور پھر وہ انہیں ہمارے بارے میں آ گاہ کردیں۔ مگر اللہ تعالی وحی نازل فرما کے آپ کو آ گاہ کردیتے۔

☆......روم کی فتح، ابولہب وابوجہل کا برا انجام، ابو طالب کا اسلام قبول نہ کرنا، فتح مکہ، فوج درفوج اسلام یں داخلہ، یاجوج ماجوج کا خروج، دجال کا ظہور اور دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ سب امور غیبی سے تعلق رکھتے ہیں۔ فتح فارس کی خبر ﴿سَتُدْعَوْنَ إِلٰى قَوْمٍ أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ﴾ (الفتح:۱۶) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی۔ ﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل:۸) اور تمہارے لئے ایسی سواریاں پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔ میں متعدد سفری سہولیات کی طرف اشارہ ہے۔

☆......ان غیبی خبروں میں نزول قرآن سے قبل کا زمانہ پیدائش آدم تا رسول اکرم ﷺ تک آتا ہے یہ ایسی تاریخ ہے جسے اہل عرب کیا بعد کے لوگ بھی نہ جان سکے۔ بنواسرائیل کے بارے میں ایسی تاریخی حقیقتیں قرآن نے منکشف کیں کہ بنواسرائیل خود پکار اٹھے: إِنَّ الْقُرْآنَ يَقُوْلُ لَنَا مَا لَمْ نَقُلْ فِي كُتُبِنَا وَلَا فِي عَقَائِدِنَا۔ قرآن نے ہمیں وہ باتیں بتائی ہیں جو ہم اپنی کتب میں اور نہ عقائد میں کہہ سکے۔ قرآن نے انہیں تفصیلاً بیان کر کے اپنا معجز ہونا ثابت کیا ہے۔ بعد کے انکشافات اور تحقیقات پر قرآن کریم نے یہ عظیم الشان بیان دیا: ﴿سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ۔۔۔﴾ ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں دکھاتے رہیں گے۔

☆......احسن سے **افضل** کلام کی طرف جانے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ **لفظ۔ اس کا قائم معنی۔ لفظ اور معنی کا باہمی ربط۔** یہ تینوں امور قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انتہائی فصیح، انتہائی رسیلے اور انتہائی مختصر الفاظ احسن طریقے سے جوڑ دئے گئے ہیں۔ جن کے معانی کسی بھی صاحب عقل پر مخفی نہیں ہوسکتے۔ جن میں نیکی وتقوی اور عمل صالح کے اعلی اور افضل درجات کی طرف تقدم اور ترقی پذیری ہے۔

علاوہ ازیں قرآن نے بہت سے علمی اور سائنسی انکشافات بھی کئے ہیں جو نزول کے وقت غیر معلوم اور نا قابل تصور تھے۔ مثلاً: زمین کا بتدریج سکڑنا، ہر چیز کا جوڑوں میں ہونا، کائنات کا پھیلنا، BIG BANG سے یا LITTLE BANG سے کائنات کا وجود میں آنا، کائنات میں موجود ہر چیز کا گھومنا۔ یہ ایسے انکشافات ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثابت ہورہے ہیں۔

تاریخ اعجاز قرآن: اس موضوع کی داغ بیل اس وقت پڑی جب قرآن کے اسلوب کی خصوصیات معلوم کرنے اور اعجاز

القرآن کو سمجھنے کی دل چسپی بڑھی۔عمرو بن بحر ابوعثمان الجاحظ (م:۲۲۵ھ) وہ اولین شخص ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "نظم القرآن" میں اعجاز القرآن کو موضوع بحث بنایا اور اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔اس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب الحیوان میں کیا ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا ہے ﴿لَا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ۝﴾(الواقعہ:۱۹) نہ اس سے ان کا سر پھرے گا اور نہ ہی وہ بہکی باتیں کریں گے۔ان دونوں کلمات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی شراب کے تمام عیوب کھول کر رکھ دئے ہیں۔وغیرہ۔

ان کے بعد ابوعبداللہ محمد بن یزید الواسطی (م:۳۰۶ھ) نے اس موضوع پر کچھ کام کیا۔پھر ابوعیسیٰ علی بن عیسیٰ رمانیؒ (م:۳۸۲ھ) نے اپنی کتاب "النکت فی إعجاز القرآن" میں اعجاز القرآن کے سات وجوہ یا اسباب گنوائے۔یہ رسالہ، دار المعارف قاہرہ میں "بیان القرآن للمعانی" کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔قاضی ابوبکر محمد بن الطیب بن محمد المعروف باقلانیؒ (م:۴۰۳ھ) نے اس موضوع پر قابل قدر کتابیں لکھیں۔اپنی منفرد کتاب "إعجاز القرآن" میں قرآن کے شعر وسجع ہونے کے دعوے کو رد کیا ہے۔

عبدالقاہر بن عبدالرحمٰن الجرجانیؒ (م:۴۷۱ھ) نے علم اعجاز القرآن کے اصول وقوانین مدون کئے اور دو اہم کتابیں "دلائل الإعجاز" اور "أسرار البلاغه" تصنیف کیں۔جاراللہ زمخشریؒ نے تفسیر "کشاف" میں قرآنی آیات کے وجوہ اعجاز بیان کئے۔پھر فخر الدین رازیؒ (م:۶۰۶ھ) نے جرجانیؒ کی دونوں کتابوں سے استفادہ کرکے "نهاية الإعجاز" لکھی۔اسی طرح سراج الدین ابویعقوب بن محمد السکاکیؒ کی کتاب "مفتاح" کا ایک حصہ علم البیان پر مشتمل ہے۔مفسر استاذ محمد بن محمد مصطفیٰ ابوالسعودؒ کو دوسرے مفسرین پر ترجیح اس لئے حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر "إِرْشَادُ الْعَقْلِ السَّلِيْمِ إِلَى مَزَايَا الْكِتٰبِ الْكَرِيْمِ" میں قرآن کے اعجاز اور بلاغت کے پہلو کو خصوصی طور پر اجاگر کیا۔مصطفیٰ صادق رافعی (م:۱۳۵۶ھ) نے بھی اعجاز القرآن نام کی کتاب لکھی۔الغرض قرآن کا اعجاز اس کے نزول کی نسبت آج زیادہ واضح ہے۔اور جیسے جیسے علم انسانی ترقی کرے گا قرآن کا اعجاز واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

قرآن کا چیلنج : قرآن مجید کے الفاظ و مضامین نے مجموعی طور پر اس میں وہ خوبی پیدا کردی جس نے کلام پاک کو بے مثال بنادیا۔زمانہ جاہلیت کے اہل عرب فصاحت وبلاغت میں دنیا کی دیگر قوموں سے ممتاز تھے۔خطابت وشاعری، فصاحت وبلاغت ان کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی تھی۔انہیں اپنی زبان دانی پر اس قدر ناز تھا کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو عجم یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔اس کے باوجود قرآن نے انہیں چیلنج دیا کہ اگر تم نہیں مانتے تو اس جیسی ایک کتاب لے آؤ۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الطّور: ٣٤) اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام لے آئیں۔

جب وہ بھرپور کوشش کے بعد پورے قرآن کی نظیر لانے سے قاصر رہے تو انہیں کہا گیا۔

﴿قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

(ھود: ١٣) اس جیسی دس گھڑی ہوئی سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

ولید بن مغیرہ نے۔ جو مکہ کا رئیس آدمی تھا، جناب رسالت مآب ﷺ سے آیت إن الله يأمر بالعدل۔ بیشک اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پڑھتے ہوئے سن کر کہا::

وَاللّٰهِ إِنَّ لِقَوْلِهِ لَحَلَاوَةٌ، وإِنَّ عَلَيهِ لَطَلَاوَةٌ، وَإِنَّهُ لَمُثْمِرٌ أَعْلَاهُ، مُغْدِقٌ أَسْفَلُهُ، وَإِنَّهُ لَيُحَطِّمُ مَا تَحْتَهُ، وَإِنَّهُ لَيَعْلُو وَمَا يُعْلٰى۔ فَقَالَ أَبو جَهْلٍ: وَاللّٰهِ مَا يَرْضَى عَنْكَ قَوْمُكَ حَتّٰى تَقُولَ فِيهِ قَولًا۔ قَالَ: فَدَعْنِی أُفَكِّرْ، فَلَمَّا فَكَّرَ قَالَ: هَذَا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ، يَأْثِرُهُ عَنْ غَيْرِهِ۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهِ بِهَذَا الْقَوْلِ الْآثِمِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ قَولَه تَعَالٰى: ﴿**إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ، فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ، فَقَالَ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ**﴾ بخدا اس میں بڑی مٹھاس ہے اور اس پر ایک تازگی و رونق ہے، اس کا زیریں حصہ پانی میں ڈوبا ہوا اور بالائی حصہ پھولوں سے لدا ہوا ہے۔ یہ تو اپنے نیچے والے کا سر پھوڑتا ہے اور اپنے طرز ادا میں بھی غالب آتا ہے نہ کہ مغلوب ہوتا ہے۔ ابوجہل نے اسے کہا: ولید تمہاری اس بات سے قوم خوش نہیں ہوگی جب تک تم اس کے بارے میں کوئی بات نہ کہو۔ اس نے کہا: اچھا مجھے پھر سوچنے کا موقع دو۔ جب اس نے غور و فکر کیا تو کہہ دیا: یہ بڑا مؤثر جادو ہے جو دوسروں سے اثرات لاتا ہے۔ یہ سوچتے ہی وہ لوگوں کے سامنے آیا اور پھر یہی غلط بات کہہ دی۔ اللہ تعالی نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔ (مستدرک حاکم: ٢/٥٠٦، السیرۃ النبویۃ ١/٢٧، ٧٨، الاتقان از سیوطی: ٢/١٠٠٤)

ایک بدوی کسی شخص کو آیت ﴿ فاصدع بما تؤمر .... ﴾ یعنی آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کا کھل کر اعلان کرو۔ تلاوت کرتے ہوئے سن کر سجدہ میں گر گیا اور کہا: "میں اس کی فصاحت کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں"۔

عتبہ بن ربیعہ آپ سے ملنے کے بعد واپس آیا تو اس کا کہنا تھا:

إِنِّی سَمِعْتُ قَولًا، وَاللّٰهِ مَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ قَطُّ، وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِالشِّعْرِ وَلَا بِالسِّحْرِ، وَلَا بِالْكَهَانَةِ۔ فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ: سَحَرَكَ وَاللّٰهِ يَا أَبَا الوَلِيدِ بِلِسَانِهِ۔ قَالَ: هٰذَا رَأْيِیْ فِيْهِ، فَاصْنَعُوا مَا بَدَا لَكُمْ۔ میں نے ایک ایسی بات سنی ہے جو بخدا میں نے اس جیسی کبھی نہیں سنی۔ واللہ! وہ نہ تو شعر ہے اور نہ ہی جادو و کہانت۔ لوگوں نے اسے کہا: ابوالولید! اس نے تم پر اپنی زبان کا جادو کر دیا ہے۔ اس نے

کہا: یہ میری ان کے بارے میں ایک رائے ہے باقی تم جو چاہو کرو۔

چیلنج کا جواب: علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں: مخالفین نے قرآن کریم میں الفاظ کی ترتیب، آیات کا غیر معمولی آغاز اور اختتام، الفاظ کی روانی، واقعات کا بیان، اسلوب نصیحت اور یاد دہانیوں اور دلائل کو خوب دیکھا اور اس کی ہر سورت اور آیت پر غور کیا۔ مگر ایک لفظ بھی نہ پایا جو اپنی جگہ غیر موزوں ہو یا جس پر اعتراض کر کے ترمیم کی جا سکتی ہو۔ ان خصوصیات کی وجہ سے کسی شخص کو اس کی مثال لانے کی ہمت نہ پڑی۔ تاہم اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے کچھ لوگ میدان میں اترے جن میں سے چند بطور مثال درج ذیل ہیں۔

❶ **مسیلمہ کذاب** :اس شخص نے سیدنا ابوبکرؓ کے زمانے میں نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور قرآن کے مقابلے میں مندرجہ ذیل جملوں کو اپنی وحی قرار دیا۔ اور یہ دعوی کیا کہ رحمان نامی فرشتہ اس پر وحی نازل کرتا ہے۔

"يَا ضِفْدَعُ بِنْتُ ضِفْدَعَيْنِ ، نَقِّيْ مَا تُنَقِّيْنَ، نِصْفُكِ فِي الْمَاءِ وَنِصْفُكِ فِي الطِّيْنِ، لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِيْنَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِيْنَ" اے مینڈک! بیٹی دو مینڈکوں کی! تو صاف ستھری، کیا ہی تو صاف ستھری ہے۔ تیرا آدھا دھڑ پانی میں اور آدھا مٹی میں ہے۔ نہ تو پانی کو گدلا کرتی ہے اور نہ پینے والے کو روکتی ہے۔

"اَلْفِيْلُ وَمَاالْفِيْلُ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفِيْلُ، لَهُ ذَنَبٌ دَبِيْلٌ وَخُرْطُوْمٌ طَوِيْلٌ "ہاتھی! کیا ہے، ہاتھی! اور کیا معلوم تجھے کہ ہاتھی کیا ہے۔ اس کی ایک سخت دم ہے اور ایک لمبی سونڈ ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ العادیات عمدہ ترنم میں لاجواب اور حقیقت آراء سورت ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اس کی طرز پر یوں طبع آزمائی کی۔

"وَالْمُبْدِيَاتِ زَرْعًا، وَالْحَاصِدَاتِ حَصْدًا، وَالذَّارِيَاتِ قَمْحًا، وَالطَّاحِنَاتِ طَحْنًا، وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا، وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا، وَاللَّاقِمَاتِ لُقْمًا، إِهَالَةً وَسَمْنًا، لَقَدْ فُضِّلْتُمْ عَلَى أَهْلِ الْوَبَرِ، وَمَا سَبَقَكُمْ عَلَى الْمَدَرِ "قسم ہے کھیتی ظاہر کرنے والیوں کی، اور گیہوں پھٹکنے والیوں کی اور پسائی کرنے والیوں کی، اور آٹا گوندھنے والیوں کی، اور ثرید پکانے والیوں کی، اور گھی کے ساتھ پے در پے لقمے توڑنے والیوں کی، کہ اے میرے قبیلہ والو! تمہیں صحرانشینوں پر فضیلت دی گئی ہے اور شہریوں پر تمہیں کیا ہی سبقت حاصل ہے۔

لفظی خامیوں کے علاوہ اس نے ہر جگہ واؤ کا بے دریغ استعمال کیا ہے حالانکہ سورہ العادیات میں ف اور إن کا استعمال بھی

ہے۔ پھر جو کام مردوں کے تھے یا مرد اور عورت کے مشترک تھے ان کو بھی صرف عورتوں کا بنا دیا۔ یہ ایسا نمونہ ہے جو کسی عربی ماہر نے قابل تذکرہ ہی نہیں سمجھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے جھوٹے اور نام نہاد نبی پر شیطان اپنا احمقانہ کلام کس طرح القاء کرتا ہے۔ اسی لئے سیدنا عمرو بن العاص جو اس کے قدیم دوست تھے جب انہوں نے ایسی وحی سنی جس میں اس نے کہا: یا وَبر یاوَبر إِنَّمَا أَنْتَ أُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَائِرُكَ حَفْرٌ نَقْرٌ۔ اے وبرا اے وبر! (لبنان کا جانور جو نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا ہے) تیرے صرف دو کان اور سینہ ہے اور باقی تو مٹی اور لاغری ہے۔ تو مسیلمہ نے پوچھا: عمرو! کیا کہتے ہو اس وحی کے بارے میں؟ سیدنا عمرو نے مسکراتے ہوئے اسے کہا: وَاللهِ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ أَنِّيْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَكْذِبُ۔ بخدا تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں واقعی یہ جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔

❷ **ابو منصور حلاج :** یہی وہ شخص ہے جس نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا یعنی اس نے خالق اور مخلوق کو ایک دوسرے میں ضم کر دیا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: دینور میں ایک شخص اپنے سامان سمیت پکڑا گیا۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس میں ایک خط برآمد ہوا جس میں لکھا تھا: مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِلٰى فُلَانَ بْنِ فُلَانٍ۔ قاضی بغداد کے سامنے حلاج کو پیش کیا گیا اس نے اعتراف کیا کہ یہ خط اسی کا لکھا ہوا ہے۔ قاضی نے پوچھا: پہلے تو تم نبوت کا دعوی کرتے رہے اب ربوبیت کا بھی دعوی ہے؟ حلاج نے جواب میں کہا: میں ربوبیت کا دعوی نہیں کرتا مگر یہ میرے نزدیک عین الجمع ہے۔ کیا کاتب اللہ کے سوا کوئی اور ہو سکتا ہے؟ میں اور میرا ہاتھ تو صرف ایک آلہ ہے۔ (تاریخ بغداد ۸، ۱۳۷) ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے: مشہور بزرگ ابو عمرو بن عثمان مکی ایک بار حلاج کے قریب سے گذرے پوچھا: کیا لکھ رہے ہو؟ حلاج نے جواب دیا: قرآن کا جواب لکھ رہا ہوں۔ یہ سن کر ابو عمرو بن عثمان نے بددعا دی جس کے نتیجہ میں حلاج قتل کر دیا گیا۔ یہ کتاب کتاب "الطواسین" تھی جس میں قرآن جیسی عبارت پیش کرنے کی اس نے جسارت کی۔ اس نے لکھا: "طاسین، السِّرَاجُ طَاسِيْن، اَلْفَهْمُ طَاسِيْن، الصَّفَا طَاسِين "۔ اس میں نہ قرآن جیسی بلاغت ہے نہ حکمت۔ اس کے عجیب وغریب دعوے سن کر عام وخاص بہکے۔ کیمیا گر تھا اور عام آدمیوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس نے صوفیوں جیسے طریقے اختیار کر لئے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ بندوں بلکہ درندوں میں بھی حلول کر جاتا ہے۔ کسی شے کی حقیقت کے بارے میں ہم نہیں جانتے، ہو سکتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ حلول کئے ہوئے ہو۔ جب انسان اپنے رب سے وصال کر جائے تو اس پر شریعت کی پابندی ہے اور نہ عبادت کرنا ضروری ہے۔ مریدوں کے پاس ہوتا تو خدائی کا دعوی کرتا اور کہتا کہ خدا مجھ میں حلول کر گیا ہے اور جب سلاطین کے پاس جاتا تو کہتا: میں شیعہ مذہب کا آدمی ہوں۔ اور عوام سے کہتا: میں ایک صوفی ہوں۔ انتہائی گمراہ کن باتوں اور نظریات کی وجہ سے ۳۰۹ھ میں حامد بن عباس وزیر نے خلیفہ وقت کی اجازت سے اور مفتیان وقت کے مصدقہ فتوی سے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ (معارف: **حسین بن حلاج کی تاریخی شخصیت** از سید سلیمان ندوی، ج ۲، شمارہ ۴)

❸ **عبداللہ بن مقفع** : یہ عربی ادب کا ایک بڑا فصیح و بلیغ ادیب تھا۔اس نے جب قرآن کا چیلنج سنا تو سوچا کہ کیوں نہ طبع آزمائی کی جائے اور اپنی منفرد تحریر اس کے مقابلے میں پیش کی جائے۔اس نے اپنی عمر کا ایک حصہ قرآن کے مقابلہ میں کتاب لکھنے پر وقف کیا۔لیکن ایک دفعہ راستے سے گذرتے ہوئے کسی بچے کے منہ سے یہ آیت سنی۔

﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَائَكِ وَ يَسَمَاءُ أَقْلِعِي ۝﴾ (هود: ٤٤) اور کہا گیا اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا۔

تو پکار اٹھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اس کا مقابلہ ناممکن ہے۔

فیضی نے بغیر نقطوں کے ایک تفسیر سَوَاطِعُ الإِلْهَامِ لکھی۔جسے ایک بہت بڑا معجزہ قرار دیا جاتا تھا جب کہ وہ خود اپنی تفسیر کو قرآن کا توڑ نہیں سمجھتا اور نہ ہی یہ دعویٰ کرتا ہے بلکہ آخری زندگی تک وہ قرآن مجید کے اعجاز کا قائل رہا۔اپنی اسی تفسیر میں قرآن کے اعجاز اور تعریف کو پُر زور الفاظ میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے:

كَلَامُ اللّٰهِ لَا حَدَّ لِمَحَامِدِهِ وَلَا عُدَّ لِمَكَارِمِهِ وَمَاءٌ لَا سَاحِلَ لَهُ"۔قرآن اللہ کا کلام،جس کی تعریفوں کی انتہاء نہیں اور جس کے فضائل شمار میں نہیں آسکتے،وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں۔

☆☆☆☆☆

مناجات

اِلٰهِيْ لَا تُعَذِّبْنِيْ فَإِنِّيْ مُقِرٌّ بِالَّذِيْ قَدْ كَانَ مِنِّيْ

میرے معبود! مجھے عذاب میں مبتلا نہ کرنا میں ان گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں جو مجھ سے ہو چکے

وَمَالِيْ حِيْلَةٌ إِلاَّ رَجَائِيْ بِعَفْوِكَ إِنْ عَفَوْتَ وَحُسْنَ ظَنِّيْ

میرے پاس کوئی بہانہ نہیں مگر میری امیدیں اور میرا حسن ظن تیری عفو پر ہیں اگر تو معاف کر دے تو۔

وَكَمْ مِّنْ زَلَّةٍ لِيْ فِيْ الخَفَايَا وَأَنْتَ عَلَيَّ ذُو فَضْلٍ وَّمَنِّ

میری بے شمار پوشیدہ لغزشیں ہیں جب کہ تو مجھ پر بڑا صاحب فضل اور محسن ہے

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْراً فَإِنِّيْ لَشَرُّ الْخَلْقِ إِنْ لَّمْ تَعْفُ عَنِّيْ

لوگ میرے بارے میں بھلا ہی سوچتے ہیں مگر تو نے اگر مجھے معاف نہ کیا تو میں پھر بدترین مخلوق میں سے ہوں گا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

۱۔لفظ اعجاز سے کیا مراد ہے؟تفصیل دیجئے نیز بتایئے کہ ان میں بہتر کونسا ہے۔

ا۔ قرآن پاک،نبوت محمدیہ کی ایک سچی دلیل ہے۔ ۲۔ نبوت محمدیہ،اعجاز قرآن کی ایک دلیل ہے۔

۲۔مندرجہ ذیل میں فرق بتایئے۔

ا۔ معجزہ اور کرامت ۲۔ معجزہ اور جادو ۳۔استدراج

۳۔نبوت ملنے کی دو واضح علامات کیا ہیں؟واضح کیجئے۔

۴۔معجزہ میں کون سی تین چیزیں ایسی ہیں جو صرف اللہ کے اختیار میں ہیں۔نام بتایئے اور تفصیل دیجئے۔

۵۔قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دلائل کیا کیا ہیں ان میں سے تین پر روشنی ڈالئے۔

۶۔اعجاز قرآن کی تاریخ ہے پر ایک نوٹ لکھئے۔

۷۔قرآن مجید اپنے مخالفین کو کس کس انداز میں پے در پے چیلنج کرتا ہے کہ وہ اس کا مدمقابل لائیں۔

۸۔قرآن کا چیلنج جنہوں نے قبول کرنے کی کوشش کی وہ کون تھے؟ان کے کلام کو ذکر کیجئے۔

مشق

۱۔قرآن کا اسلوب اور اعجاز،اس موضوع پر کتاب تاریخ افکار وعلوم اسلامی کے باب ۷/ص ۱۴۱ کا مطالعہ کیجئے۔اور ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

۲۔آج کے سائنسی حقائق،قرآنی آیات سے کی طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔کتاب "قرآنی آیات اور سائنسی حقائق" مؤلفہ ڈاکٹر بلوک نور باقی کا مقدمہ پڑھئے اور اس کے مختلف موضوعات میں پسندیدہ تین موضوعات پر روشنی ڈالئے۔

۳۔تفسیر "تذکیر القرآن" مؤلفہ وحید الدین خان کی جلد ثانی میں جن جن آیات کی روشنی میں سائنسی موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔اس کی تلخیص لکھئے۔

۴۔مقالات سلیمان جلد سوئم سے باب" قرآن پاک کا تاریخی اعجاز" کا مطالعہ کیجئے اور اس کا خلاصہ لکھئے۔

۵۔کتاب "مترادفات القرآن" میں سے ایک ہی معنی کے مختلف الفاظ کا چناؤ کیجئے۔اور ان کے درمیان جو باریک فرق ہے اس کو آیت کے ذریعے واضح کیجئے۔

☆☆☆☆☆

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

باب:13

علم مکی ومدنی

تعریف: اس علم سے مراد قرآن کریم کی آیات وسورتوں کے نزول کے مقام کا علم ہے۔مکی ومدنی آیات کا علم بظاہر مقامات نزول سے ہوتا ہے مگر درحقیقت زمانہ نزول ہی اس کا صحیح مصدر ہے نہ کہ مقام۔واضح رہے کہ قرآن کریم تقریباً تیئس سال تک نازل ہوتا رہا۔یہ زمانہ تنزیل دوحصوں میں منقسم ہے۔

۱۔مکی دور ۲۔مدنی دور

۱۔مکی دور: اس سے مراد قرآن اترنے کا وہ زمانہ ہے جو ہجرت سے پہلے تھا خواہ وہ نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا مکہ سے باہر۔لہذا وہ آیات جو سفر معراج یا سفر ہجرت میں نازل ہوئیں وہ مکی کہلاتی ہیں۔

۲۔مدنی دور: اس سے مراد قرآن نازل ہونے کا وہ زمانہ ہے جو ہجرت نبوی ﷺ کے بعد مدینہ میں یا مدینہ سے باہر تھا۔اس اعتبار سے وہ آیات جو حدیبیہ یا حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے موقعہ پر نازل ہوئیں سب مدنی شمار ہوں گی۔مثلاً آیت ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾ (المائدۃ: ۳) مدنی آیت ہے مگر حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں اتری ہے۔صحیح بخاری: ۴۵ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے:

قَدْ عَرَفْنَا ذَالِكَ الْيَوْمَ، وَالْمَكَانَ الَّذِيْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، نَزَلَتْ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ۔ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے، اور جگہ بھی جب آپ ﷺ پر یہ آیت اتری، آپ ﷺ عرفات میں وقوف فرما رہے تھے اور جمعہ کا دن تھا۔

بعض سورتیں ایسی ہیں جو پوری کی پوری مکی یا مدنی ہیں مثلاً: سورۃ المدثر پوری مکی ہے جبکہ آل عمران پوری مدنی ہے۔اور بعض سورتیں مکمل مکی ہے سوائے چند آیات کے جو مدنی ہیں۔مثلاً: سورۃ الأعراف مکی ہے اور اس کی چند آیات مدنی ہیں۔کچھ اس کے برعکس بھی ہیں کہ سورۃ پوری مدنی اور چند آیات مکی۔مثلاً سورۃ حج مدنی ہے اور اس میں چار آیات مکی ہیں۔یہ فیصلہ کرنا کہ آیا یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟ اس کا فیصلہ علماء تفسیر یا تو آیات کی اکثریت کے اعتبار سے کرتے ہیں یا ابتدائی حصہ کی آیت کے اعتبار سے۔

حکمت: مکی ومدنی تقسیم شریعت کے عین مطابق ہے۔یہ اس تاریخی فرق کو نمایاں کرتی ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی سماجی اور عقائد کی کمزوریاں دور کرنے کے لئے کیا نازل کرنا زیادہ مناسب تھا اور مدینہ منورہ میں طاقت اور قیادت کے ہوتے ہوئے کیا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

احکام نازل ہوئے۔

پہچان کا طریقہ: علماء نے کسی آیت یا سورت کے مکی و مدنی ہونے کی پہچان دو طریقوں سے بتائی ہے۔

۱۔ **سماعی:** آیت یا سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں صحیح روایت سے پتہ چلنا سماعی طریقہ کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ قابل اعتماد ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ ہر آیت کا مقام نزول اور زمانہ نزول جانتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی الٰہ حق نہیں قرآن پاک کی جو بھی آیت نازل ہوئی میں اس کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کس چیز کے بارے میں نازل ہوئی"۔

۲۔ **قیاسی:** اس سے مراد ہے کسی آیت یا سورت کی مکی یا مدنی پہچان کے لئے عقل سے کام لینا ہے۔ اگرچہ سماعی طریقہ زیادہ قابل ترجیح ہے لیکن قیاس کو بھی مطلقاً رد نہیں کیا جا سکتا اور مکی و مدنی کے تعین میں سورتوں کی علامات کو دیکھتے ہوئے عقل سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہم روزہ، حج، قصاص، نکاح، طلاق وغیرہ کے احکام ملتے ہیں جو مدینہ میں نازل ہوئے۔ سورہ صافات میں دلائل کو ہم مکالمہ کے انداز میں پاتے ہیں جو مشرکین کے ساتھ اپنایا گیا ہے جو مکی ہونے کا اشارہ دیتی ہیں۔

مکی سورتوں کی علامات: وہ سورت جس میں:

۱۔ لفظ "كَلَّا" ہو۔ آدم و ابلیس کا قصہ ہو سوائے سورہ بقرہ کے۔

۲۔ سجدہ تلاوت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اور انسانوں کا موت کے بعد روز قیامت دوبارہ اٹھنا ہو۔

۳۔ شروع میں حروف مقطعات ہوں۔ سوائے سورۃ بقرہ اور آل عمران کے۔

۴۔ انبیاء یا سابقہ امتوں کے حالات و واقعات ہوں۔ سوائے سورۃ بقرہ اور آل عمران کے۔

۵۔ عربوں کے اسلوب کے مطابق قسم کھائی گئی ہو جس سے مطلوب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی قلبی تسکین ہو۔ صبر و برداشت کی تلقین ہو۔

۶۔ ہر وہ آیت جس میں "يأيها الناس" یا يا بنی آدم کہا گیا ہو۔

مدنی سورتوں کی علامات: وہ سورت جس میں:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۱۔ معاشرتی احکام۔مثلاً: حدود، میراث، انفرادی واجتماعی احکام وغیرہ کا ذکر ہو۔

۲۔ ہر آیت جس میں "یأیھا الذین آمنوا" کہا گیا ہو۔

۳۔ اہل کتاب کو خطاب ہو۔ان سے مکالمہ، انہیں دعوت دین دینے اور باہمی معاملات نمٹانے کا طریقہ بتایا گیا ہو۔

۴۔ منافقین اور ان کی سازشوں کا ذکر ہو۔

مکی ومدنی سورتوں کی خصوصیات:

مکی سورتیں	مدنی سورتیں
ان میں آیات اور سورتیں مختصر ومدلل ہیں۔	آیات اور سورتیں طویل اور متعدد احکام موجود ہیں۔
ان کے اسلوب میں ایک قوت ہے اور خطابت میں شدتِ بیان زیادہ خوبصورت ہے۔	جبکہ ان کا انداز سادہ اور نرمی کا ہے۔اس لئے کہ مخاطب مطیع بن کر اسلام کو قبول کر رہے ہیں۔
ان میں مقابلہ بت پرستوں اور متکبر ومغرور عناصر سے ہے۔	ان میں اہل کتاب اور منافقین سے۔
ان میں عقائد وایمانیات کی دعوت ہے اور انہی پر ہی زیادہ توجہ دی گئی ہے۔	جبکہ ان میں عبادات اور معاملات کے غالب احکام ہیں۔
مسلمانوں کو صبر اور نرمی کا حکم ہے۔	جبکہ یہاں مسائل واحکام جہاد ہیں۔

اس علم کا فائدہ: چونکہ یہ علم بھی علوم القرآن کی ایک اہم شاخ ہے اس لئے:

- اس علم کی بدولت ناسخ ومنسوخ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔اس طرح ایک ہی موضوع سے متعلق منسوخ آیت کو ترک کر دیا جاتا ہے۔
- ان مراحل کی معرفت ہو جاتی ہے جن سے شریعت اسلامی گزری کہ کس طرح مخاطب کے گوناگوں حالات میں اس کی

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

راہنمائی کر کے اس کے اندر قبولیت واستعداد کی صلاحیت پیدا کی۔ یہ سب کچھ بتدریج ہوا۔

- جب مقام نزول، اس کا زمانہ وسبب معلوم ہوتو آیات کے فہم میں غلطی کا امکان کم ہو جاتا ہے اور تفسیر آسان ہو جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ کافرون ایک مکی سورہ ہے جب بعض مشرکین سرداروں نے آپ ﷺ سے کہا: ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم کریں گے۔ (ابن جریر ۸/۶۵۴)
- زبان کی بلاغت کی وجہ سے قرآن کریم ہر قوم وفرد کے حالات کے مطابق قوت وشدت اور نرمی وگرمی سے مخاطب ہوتا ہے۔
- داعی دین کی تربیت ورہنمائی ہوتی ہے کہ قرآن اپنے اسلوب اور موضوع کے ساتھ جن حالات کے مطابق اترا ہے اسے بھی ان حالات میں ویسا ہی کرنا چاہیئے۔

متفقہ مدنی سورتیں: البقرة، آل عمران، النساء، المائدة، الأنفال ، التوبة، النور ،الأحزاب، محمد ، الفتح، الحجرات، الحديد، المجادلة، الحشر، الممتحنة، الجمعة ، المنافقون، الطلاق، التحريم، النصر.

مختلفہ مدنی سورتیں: الفاتحة، الرعد، الرحمن، الصف، التغابن، التطفيف، القدر، البينة، الزلزال، الإخلاص، المعوذتين.

متفقہ مکی سورتیں: باقی بیاسی سورتیں متفقہ طور پر مکی ہیں۔ ذیل کا چارٹ اس کی مزید وضاحت کرتا ہے۔

متفقہ مدنی سورتیں	۲۰
مختلف فیہا	۱۲
متفقہ مکی سورتیں	۸۲

وجہ اختلاف: جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ متعدد سورتیں ایسی ہیں جن کا ایک حصہ مکی ہے اور دوسرا مدنی۔ یعنی کسی ایک دور کی بعض سورتوں میں چند آیات دوسرے دور کی آ گئی ہیں۔ مزید یہ کہ سورتوں کی ترتیب نزول اور مواقع نزول میں بھی کہیں کہیں اختلاف آراء پایا جاتا ہے۔ تعداد آیات میں بھی کئی آراء ہیں کیونکہ بعض صحابہ ہر سورت کے ساتھ **بسم اللہ** کو شمار کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی چھوٹے چھوٹے نکتہ ہائے نظر ہیں مثلاً: جہاں جملہ ختم ہوا اسے ایک نے آیت شمار کر لیا اور یوں وہ دو آیتیں بن گئیں۔ یا کسی نے دو جملوں کو ایک ہی آیت کہا۔ نیز نمبر میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ قرآن کا متن محو ہو گیا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مستشرقین نے مکی و مدنی سورتوں کی آیات میں اختلاف کو ظاہر کر کے اسے vital issue قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں سے کچھ آیتیں نکال دی گئیں اور کچھ اضافہ کر دی گئیں۔مثلاً قراءِ کوفہ کے ہاں قرآن کی کل آیات ۶۲۶۳ ہیں اور باقی دنیا کے مسلمانوں کے ہاں ۶۶۶۶ ہیں اور مدنی علماء کے ہاں ۶۲۱۴ ہیں۔یہ issue بھی ان کا خود ساختہ، سچ سے دوری اور محرف طبیعت و مزاج سے ہم آہنگ ہے ورنہ منصفانہ تحقیق آدمی سے ایسی غلط باتیں نہیں کہلوا سکتی۔

☆☆☆☆☆

سوالات

۱۔علم مکی و مدنی سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک کی الگ الگ تعریف اور وضاحت کیجئے۔

۲۔علماء نے مکی و مدنی آیات و سور کی پہچان کے کیا طریقے بتائے ہیں؟ ذکر کیجئے۔

۳۔مکی مدنی سورتوں کی علامات وخصوصیات کو الگ الگ واضح کیجئے۔نیز اس کی حکمتوں کو واضح کیجئے۔

۴۔ بتائیے مکی اور مدنی علم کا ایک طالب قرآن کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

مشق

۱۔اللہ تعالیٰ کی توحید اپنانے ،شرک سے اجتناب کرنے ،غیر اللہ کو نذرانے ،چڑھاوے نہ دینے کی جو آیات قرآن میں نازل ہوئی ہیں ان کا تعلق کس دور سے ہے؟

۲۔نکاح وطلاق ،لعان وحدود و اور معاہدے جیسے مسائل کی پاسداری کی آیات و سور کیا کہلائیں گی؟

۳۔رسول اکرم ﷺ کو مشرکین نے ایذائیں دیں تو قرآن مجید میں اس بارے میں کچھ آیات نازل ہوئیں ان آیات کو سیرۃ النبی ﷺ جلد اول از شبلی نعمانی کا مطالعہ کر کے جمع کیجئے۔

۴۔غزوۂ بدر ،غزوۂ احزاب کا باب سیرت ابن ہشام میں پڑھئے۔ان غزوات میں جو آیات نازل ہوئیں ان کو الگ لکھئے۔پھر ان آیات کا تقابل کر کے جائزہ پیش کیجئے اور بتائیے کہ مکی و مدنی سورتوں کی علامات ان میں کہاں کہاں ہیں؟

☆☆☆☆☆

إِذَا سَقَطَ الذُّبَابُ عَلَى طَعَامٍ رَفَعْتُ يَدِی وَنَفْسِیْ تَشْتَهِيْهِ

جب کھانے میں مکھی گر جائے تو میں اپنا ہاتھ اٹھا لیتا ہوں جبکہ میرا دل اس کھانے کو چاہ رہا ہوتا ہے

وَتَجْتَنِبُ الْأُسُوْدُ وُرُوْدَ مَاءٍ إِذَا كُنَّ الْكِلَابُ وَلَغْنَ فِيْهِ

اور شیر اس پنگھٹ پر نہیں آیا کرتے جہاں کتے اپنا منہ مار گئے ہوں

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:14

علم محکم و متشابہ

اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات کو عقیدہ وایمان کے اعتبار سے دو حصوں میں منقسم کیا ہے جنہیں محکم اور متشابہ کہتے ہیں۔ ان کا علم، علم محکم ومتشابہ کہلاتا ہے۔

محکم: لغوی معنی: یہ لفظ حکم سے نکلا ہے جو مضبوط، مستحکم، واضح اور قابل عمل ہونے کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: أَحْكَمَ الرَّأْيَ: أَيْ أَتْقَنَهُ۔ اس نے رائے کو پختہ کیا۔ حَكَمَة: گھوڑے کی لگام کو بھی کہتے ہیں تاکہ اسے ہلنے اور ٹاپنے سے روکا جائے۔ حاکم ومحکوم جیسے الفاظ اسی سے ہیں۔ اس لغوی معنی میں سارا قرآن کریم محکم ہے۔ یعنی اس میں کوئی نقص یا خرابی نہیں۔ نہ اس کے آگے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔﴿كِتٰبٌ أُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾۔

اصطلاحی معنی: محکم اسے کہتے ہیں جو واضح، مستحکم اور سمجھ میں آنے والی شے ہو کوئی ابہام نہ ہو۔ اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال نہ ہو۔ یا اس کے معنی ومفہوم کی صرف ایک ہی صورت ہو یا جس کی دلالت راجح ہو اسے ظاہر اور نص بھی کہتے ہیں۔ مثلاً: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○﴾ ان آیات میں صراط مستقیم کی وضاحت خود قرآن مجید نے کر دی ہے۔

متشابہ: لغوی معنی: متشابہ، شبہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں مانند ہونا، ہم شکل ہونا، ملتا جلتا ہونا۔ عربی میں کہتے ہیں: شَابَهَهُ، أَشْبَهَهُ۔ وہ اس سے ملتا جلتا ہے یا اس کی مانند ہے۔﴿وَأُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ اہل جنت کی خوراک کی صفت بیان کی ہے۔ اسی طرح ﴿إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا﴾ یقیناً گائیں ہم پر متشابہ ہوگئی ہیں۔ مراد یہ کہ سمجھ نہیں آتی کون سے گائے ذبح کریں۔ اس لغوی معنی میں قرآن کریم کا زیادہ تر حصہ محکم اور کچھ حصہ متشابہ ہے۔

اصطلاحی معنی: متشابہ سے مراد وہ لفظ ہے جن کے معنی صاف اور واضح نہ ہوں بلکہ کئی تأویلوں کا اس میں احتمال ہو کبھی ایک اور کبھی دوسری تأویل۔ نیز وہ اپنے پختہ معنی پر دلالت کرنے کے قابل نہ ہو۔ مثلاً: ﴿يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ○﴾ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اب یہ سوال کہ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے؟ کس کی طرح ہے؟ اس کا جو بھی تصور کر لیا جائے کسی بھی بشر کے لئے یا رسول کے لئے یہ جاننا یا

اس کی کیفیت بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ سوال ! کیف اللّٰہ؟ اللہ تعالیٰ کیسے ہیں؟ یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔ بس اللہ ہی اس بارے میں بہتر جانتے ہیں۔ لہٰذا قرآن کریم میں علم غیب، آخرت، قبر، سوال و جواب، پل صراط، اللہ تعالیٰ کا آنا ﴿وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ۝﴾ (الفجر:۲۲) اور اس کا سمیع و بصیر ہونا۔ جیسے مذکور مسائل سب متشابہات میں سے ہیں۔ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ اسی طرح حروف مقطعات حٰم- الم- عسق- وغیرہ۔ کا معنی و مراد کیا ہے؟ بے شمار غیر محققانہ اور اشاری معانی لکھ دئے گئے ہیں۔ جب کہ ان کی حقیقت حال اللہ ہی جانتا ہے۔ ہاں لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے اس قسم کا انداز جاہلیت کے بعض خطباء میں بھی ضرور ملتا ہے جس کے معنی و مفہوم کو وہ بھی بیان نہیں کرتے تھے۔

علم محکم و متشابہ کی حقیقت: تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ محکم آیات اپنے معنی و مفہوم اور مقصد کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں اس لئے پڑھنے والا اپنی سمجھ اور علم کے مطابق ان سے مستفید ہوتا ہے۔ مگر متشابہات کا علم کس کے پاس ہوسکتا ہے؟ اس بارے علماء کی تین آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل یا مراد کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ دوسری رائے یہ ہے۔ پختہ و ٹھوس علم والے علماء بھی متشابہات کی تاویل جانتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ مندرجہ ذیل آیت سے اپنی اپنی دلیل لیتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾

(آل عمران:۷) وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی۔ اس میں آیات محکمات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور کچھ اور متشابہات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہوتا ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں محض فتنہ اور ان کی تاویل تلاش کرنے کے لئے حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رہے علم میں پختہ کار، وہ کہتے ہیں۔ ہم ان پر ایمان لائے یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور عقل والوں کے سوا کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

یعنی قرآن مجید کی آیات دو قسم کی ہیں؛ محکم و متشابہ۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ محکم کو چھوڑ کر مشتبہ آیات کی مراد چاہتے ہیں۔ اور اسی کے معانی میں ڈوب کر نئی راہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس کی صحیح تاویل Interpretation سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ حتی کہ جن لوگوں کو علم میں وثوق و گہرائی حاصل ہے وہ

بھی کہتے ہیں۔﴿كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ہمارا اس پر بس ایمان ہے۔ پہلا گروہ اس آیت میں ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی اور ان متشابہات کا مفہوم ومراد نہیں جان سکتا۔ جبکہ دوسرا ﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ کو بھی ساتھ ملاتا ہے اور پھر وقف کرتا ہے۔ اس طرح ان کے نزدیک راسخ فی العلم بھی انہیں جان سکتے ہیں۔

تیسری رائے یہ ہے جو ان دونوں گروہوں کی نسبت زیادہ معتدل اور بہتر ہے۔ جس کے مطابق آیات متشابہات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ وہ آیات جن کی تاویل، اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً: صفات الٰہی، حروف مقطعات، قیامت کے آنے کا وقت وغیرہ۔

۲۔ وہ آیات جن کے جاننے کے لئے انسان کے پاس ذرائع ہوں۔ مثلاً: قوامیس، سائنس کی پیشین گوئیاں وغیرہ۔

۳۔ وہ آیات جن کا علم انسان کو نہیں بلکہ صرف راسخ علماء ہی کو ہے۔ عام لوگ اس کی حقیقت یا معنی ومفہوم نہیں جان سکتے۔ آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ کیا تھا جب آپ ﷺ نے ابن عباسؓ کے حق میں دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَ عَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ"۔ اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا کر اور تأویل سکھا دے۔

یہ نقطۂ نگاہ بلا شبہ معتدل ہے مگر جہاں تک اللہ کی ذات وصفات اور قیامت کے وقت کا علم ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس سے آگاہ وآشنا نہیں۔ اسی لئے سرور کائنات دعا میں فرمایا کرتے تھے: أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ لَا أُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ"۔ تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنی مدح وثناء بیان کی ہے۔ میں تیری تعریف کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ وقت قیامت کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا: "مَا الْمَسْؤُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ"۔ سوال کنندہ کی طرح سوال کردہ بھی زیادہ نہیں جانتا۔

مسئلہ اسماء وصفات: بہر حال ان صفات کے بارے میں علماء سلف کا نکتہ نظر یہ ہے کہ صفات کی کنایۃً یا اشارۃً گفتگو یا تاویل کرنا، بنیادی عقائد میں ان مباحث کو چھیڑ کر مزید اختلافات کو ہوا دینا ہوگا جو بالآخر گمراہی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ ماضی میں ہوا۔ ان متشابہات کا معنی ومفہوم کیا ہے؟ اللہ پر ہی ان کی مراد چھوڑ کر بس ایمان لانا چاہیئے۔ ان صفات میں کیا ہم:

- اللہ کی کسی صفت کو کسی سے تشبیہ دے سکتے ہیں؟
- اللہ کی کسی صفت کو کسی سے بطور مثال پیش کر سکتے ہیں؟

- اللہ کو تمام صفات سے عاری قرار دے سکتے ہیں؟
- اللہ کی ان صفات کا کوئی حتمی معنی و مراد بیان کر سکتے ہیں؟

مختصر جواب یہ ہے کہ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾(الشوری:۱۱) ۔اس کے مثل کوئی شے نہیں۔اس لئے امام مالکؒ نے ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝﴾ (طہ:۵) کہ استوی کیسا ہوتا ہے؟ کے سوال پر جواب دینے سے قبل تھوڑی دیر سر جھکایا اور پسینہ سے شرابور چہرہ کو اٹھاتے ہوئے فرمایا:

"اَلِاسْتِوَاءُ غَيْرُ مَجْهُولٍ، وَالْكَيْفُ غَيْرُ مَعْقُولٍ، وَالإِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ، وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ۔"۔استواء غیر معلوم ہے مگر اس کی کیفیت سمجھی نہیں جاسکتی۔اس پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے بارے میں پوچھنا بدعت ہے۔ (الحلیۃ ۶/۳۲۵)۔

امام مالکؒ کا یہ سخت جواب اس لئے بھی ہے کہ ایسے سوال تو صحابہ رسول ﷺ نے نہیں پوچھے تھے۔انہیں اس شخص کے سوال پر بہت تکلیف ہوئی اور پھر اپنا یہی مشہور قول ارشاد فرمایا جو بعد کے علماء نے اسماء وصفات کے لئے میزان بنالیا۔جس کا مطلب ہے کہ استواء تو لغت عربی میں معلوم ہے جیسے کہتے ہیں اِسْتَوَى عَلَى فُلَانٍ: عَلَا عَلَيْهِ عُلُوًّا خَاصًّا ۔وہ اس پر ایک خاص بلندی پر چڑھ گیا۔البتہ اس کی کیفیت عقل کے ذریعے جاننی ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالی کی صفات کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا۔

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾(البقرہ:۲۵۵) جو کچھ ان کے سامنے ہیں اور جو کچھ پیچھے وہ اسے بھی جانتا ہے اور اس کے علم کا احاطہ وہ نہیں کر سکتے مگر جتنا اللہ خود چاہے۔

اس لئے جب عقلی اور نقلی طور پر ہم اسے جان ہی نہیں سکتے تو یہی فرض ہے کہ ہم اس بحث میں نہ ہی پڑیں کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں اس لئے عقلی اور نقلی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس سلسلے میں خاموشی بہتر ہے۔صرف ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے اور اللہ تعالی نے خود اپنی کتاب میں یہ بات سات بار دہرائی ہے جسے مسلمان صبح وشام اپنی تلاوت میں پڑھتے ہیں اس لئے استوی علی العرش کی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا ہی غلط ہے۔صحابہ رسول ﷺ نے جو اس امت کے افضل اور علم شریعت سیکھنے میں سب سے زیادہ حریص لوگ تھے کبھی ایسا سوال نہیں کیا۔ہاں ایسے سوال ضرور کئے ہیں جن کا جواب دینا آپ ﷺ کے لئے ممکن تھا۔تو یہ سوال کسی عالم سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اہل زیغ کا رجحان: خیر جن سے معدوم ہو ان سے خیر کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے۔وہ ٹیڑھ پن کی وجہ سے اللہ، اس کے

رسول اور دین کی ہر بات کو ٹیڑھا ہی دیکھتے ہیں۔مثلاً:

۱۔اللہ تعالی کی ہستی کے بارے میں ان کا وہم یہ ہے:﴿ بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰن ﴾(المائدۃ:٦٤) کہ اللہ تعالی کے دو ہاتھ ہیں اور مخلوق سے ملتے جلتے ہیں۔

۲۔کتاب اللہ سے متعلق یہ وہم کہ اس میں تضاد ہے یا تعارض۔مثلاً ایک مقام پر یہ فرمایا:

﴿مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ﴾(النساء: ٧٩) جو بھلائی تجھے پہنچے وہ اللہ کی طرف سے اور جو برائی تجھے پہنچے تو وہ تمہاری طرف سے ہے۔

اور کسی دوسری جگہ یہ فرمایا:

﴿اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ (النساء: ٧٨) اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے ان سے کہئے! کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

۳۔رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ وہم:

﴿فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝﴾ (یونس:٩٤) پھر ہم نے جو آپ کی طرف اتارا ہے تو اگر آپ کسی شک میں ہیں تو ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کتاب کو پڑھتے چلے آئے ہیں۔یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے اس لئے شک کرنے والوں میں سے نہ ہوئیے۔

اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اترنے والے قرآن کے بارے میں مشکوک تھے۔

راسخ علماء کا موقف: وہ علماء جنہیں علم میں پختگی اور گہرائی حاصل ہے انہیں راسخ کہتے ہیں۔وہ اس اختلاف یا متشابہات میں پڑے بغیر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی اس کتاب میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ حق ہے۔ان کا ایمان ہے کہ اس کتاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے:

﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۝﴾(النساء:٨٢) کیا بھلا وہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بے شمار اختلاف پاتے۔

ان علماء کا کام یہ ہے کہ اگر قرآن مجید میں کوئی متشابہ آیت آ جائے تو وہ اسے محکم کی طرف لوٹائیں تا کہ دونوں محکم ہو جائیں۔ مثلاً: وہ **پہلی مثال** کے بارے میں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ ہیں اور وہ ایسے ہیں جو اللہ تعالی ہی کی عظمت وجلال کے لائق ہیں اور کسی مخلوق کے دو ہاتھ ویسے نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کوئی مخلوق نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ (الشوری:۱۱) اس جیسی کوئی ہستی نہیں وہی ہے جو سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔

دوسری مثال کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ نیکی اور برائی دونوں اللہ تعالی کی تقدیر سے متعلق ہیں مگر نیکی کا سبب اللہ تعالی کا اپنے بندے پر فضل وکرم ہی ہوا کرتا ہے۔ رہی برائی تو اس کا سبب انسان کا اپنا فعل ہے۔ جیسے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (الشوری: ۳۰) جو بھی تمہیں مصیبت پہنچتی ہے تو اس وجہ سے جو تمہارے کرتوت ہیں اور بہت سے وہ مٹا دیتا ہے۔

برائی کی نسبت بندے کی طرف ایسی ہے جیسے کسی شے کی نسبت اس کے سبب کی طرف کر دی جائے نہ کہ اس کے مقدر کی طرف۔ مثلاً کسی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اب اس حادثے کا سبب وہ ڈرائیور ہے نہ کہ گاڑی بنانے والا۔ اسی طرح یہاں بھی دونوں آیات کو الگ الگ رکھ کر ان کے مابین اختلاف کا وہم ختم ہو سکتا ہے۔

تیسری مثال کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو نازل شدہ وحی اور کتاب کے بارے میں کبھی شک نہیں ہو بلکہ انہیں وحی اور کتاب کے نزول کا سب سے زیادہ علم ویقین تھا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (یونس:۱۰۴) آپ فرمایئے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی بھی شک میں مبتلا ہو تو سنو! میں پھر ان خداؤں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ تعالی کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو........

مراد یہ ہے اگر تم خود مشکوک و باطل کی عبادت میں ڈٹے ہوئے ہو جس کی کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ تو میں اللہ تعالی کی عبادت کے بارے میں کیوں کوئی شک کروں مجھے تو یقین کامل ہے۔ اس لئے میں ان خداؤں کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں کھل کر ان کا انکار کرتا ہوں۔

متشابہات کی حکمتیں اور فوائد: ماہرین علوم القرآن نے متشابہات کی بہت سی حکمتیں اور فوائد بیان کیے ہیں:

- امام زرکشیؒ کہتے ہیں کہ متشابہات کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ علماء کو قرآن پر زیادہ غور وخوض کا موقع میسر آ جاتا ہے جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔

- مؤمن کی آزمائش ہوتی ہے کہ وہ ان کی تصدیق کرتا ہے یا تحریف، متشابہ کو پکڑتا ہے یا محکمات کو۔ اگر وہ یہ مانتا ہے کہ سارا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور برحق ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں تو پھر وہ اس امتحان میں کامیاب ہے اور اگر ان میں کسی ایک پر اسے شک ہے تو وہ اپنے عقیدے اور عمل میں منحرف ہے پھر وہ متشابہ آیات سے ہی اپنی غذا لیتا ہے۔

- قرآن کے معجزہ ہونے کے اسرار و رموز کی اس علم میں وضاحت ہوتی ہے اور قرآن بڑی عظیم کتاب لگتی ہے۔

- کجی اور ٹیڑھ پن ان متشابہات کی مختلف توجیہات سے پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ ایک عاقل اور صاحب علم اپنے ایمان کو بچانے کی فکر کرتا ہے۔ وہ ان کا کوئی حتمی معنی مقرر نہیں کرتا۔

☆☆☆☆☆

مکر و فریب کے جال

دوسری جنگ عظیم کے بعد یہودی ایسی قوم تھی جو خائف ہوئی کہ مستقبل میں کہیں ایک دوسرا ہٹلر پیدا نہ ہو جائے۔
چنانچہ اس نے یورپ و نارتھ امریکہ میں خوب پیسہ بہا کر اس کے مذہبی نظام کو تہ و بالا کر دیا۔
چرچ بکے، کنبہ ٹوٹا اور دیکھتے ہی دیکھتے ذرائع ابلاغ نے اپنی فلموں، ڈراموں اور گانوں
میں عیسائی تہذیب و اخلاق کا جنازہ نکال دیا، ارتداد بھی عام ہو گیا۔ یہ تھا بدلہ
جو یہودیوں نے عیسائیوں سے ترقی کے نام پر لیا۔ ان سے فراغت
کے بعد اب اس قوم کا رخ مسلمانوں کی طرف ہو گیا ہے کہ انہیں
بھی ترقی کے نام پر دین سے بدکاؤ اور یہ بھی عیسائیوں
کے ساتھ مل کر ایک ہی حمام میں ننگے ہو جائیں۔
مگر شاطر یہودی خود کو یہودیت سے تعصب کی حد تک جوڑے بیٹھا ہے۔ اور اپنی نسل کے اخلاقی زوال سے بچاؤ کی
تدبیر یا اس کے ضیاع کی پوری حفاظت کر رہا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سوالات

۱۔محکم ومتشابہ کا لغوی واصطلاحی معنی لکھئے۔

۲۔متشابہات کے بارے میں علماء کی آراء کا ذکر کیجئے۔اور علماء سلف کا اس بارے میں نقطۂ نظر کیا ہے؟اسے واضح کیجئے۔

۳۔اسماء وصفات اللہ کے بارے میں آپ کیا رائے دے سکتے ہیں؟

۴۔اہل زیغ اور راسخ فی العلم کا جامع تعارف کرائیے۔ان کے اپنے اپنے موقف میں کہاں تک صداقت ہے؟

۵۔قرآن مجید میں متشابہات باقی کیوں؟اس کی کیا حکمت ہے؟

مشق

۱۔آیت ﴿لاتدرکه الأبصار وهو يدرك الأبصار وهو اللطيف الخبير ۝﴾ کو تفسیر احسن البیان، تفہیم القرآن اور تفسیر ابن کثیر کی روشنی میں مطالعہ کیجئے۔اور اس پر ایک نوٹ لکھئے۔

۲۔محکم اور متشابہ کے موضوع پر کتاب "علوم القرآن" مؤلفہ صبحی صالح کو پڑھئے اور اس پر ایک تبصرہ لکھئے۔

۳۔﴿هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات ۝﴾[آل عمران]اس آیت کی تفسیر درج ذیل تفاسیر سے پڑھ کر محکم،متشابہ اور تاویل کے معنی کو لکھئے۔آیت کا خلاصہ پیش کر کے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو تاویلات باطلہ سے کس طرح محفوظ کر لیا ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ۲۔ تفسیر احسن البیان

۳۔ تفہیم القرآن ۴۔ ترجمان القرآن

۵۔ تفسیر ماجدی

☆☆☆☆☆

اَلأُمُّ مَدْرَسَةٌ إِذَا أَعْدَدْتَهَا أَعْدَدتَّ شَعْباً طَيِّبَ الأَعْرَاقِ

ماں ایک مدرسہ ہے جب تم اسے تیار کر دو تو یوں سمجھو تم نے پاکیزہ نسل تیار کر دی

الأُمُّ نَبْتٌ إِنْ تَعَاهَدَهُ الْحَيَا بِالرَّىِّ أَوْرَقَ أَيَّمَا إِيْرَاقِ

ماں تو ایک خودرو پودا ہے جب تم اسے حیا کے پانی سے سیراب کر دو تو پھر اس کے نکھار و بہار کا کیا کہنا

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

باب:15

علم اسباب نزول

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

تعریف: اسباب نزول سے مراد وہ واقعات، حوادث اور سوالات ہیں جو کسی آیت یا چند آیات کے نزول کا باعث بنے۔ مثلاً قریش نے آنحضرت ﷺ سے روح، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا تو ان کے جواب میں سورۃ کہف نازل ہوئی۔ ایسا بھی ہوا کہ آنحضرت ﷺ یا صحابہؓ کے دل میں کوئی خیال آیا اور جلد ہی اس کے مطابق کوئی آیت یا آیات نازل ہو گئیں اور وہ آرزو ان کا سبب نزول بن گئی۔ مثلاً: آپ ﷺ کا بار بار آسمان کی طرف چہرہ مبارک کو کرنا تا کہ قبلہ تبدیل ہو جائے اور پھر قبلہ تبدیل ہو گیا۔ سیدنا عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: یارسول اللہ! اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلی بناتے تو اچھا ہوتا۔ اسی وقت آیت ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ (البقرة:۱۲۵) نازل ہوئی۔

سبب نزول کی بنیاد پر آیات کی تقسیم: سبب نزول کی بنا پر قرآنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

① وہ آیات جو بغیر کسی سبب کے نازل ہوئیں۔ مثلاً: انبیاء کے قصے، مستقبل کے واقعات، قیامت کی منظر کشی اور عذاب وثواب کے ذکر پر مشتمل آیات۔ قرآن مجید کا غالب حصہ انہی آیات کا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ○﴾ (التوبة:۷۵) یہ آیت کچھ منافقین کے حالات بیان کرنے کے لئے شروع میں نازل ہوئی۔

② وہ آیات جن کے نزول کا کوئی نہ کوئی سبب تھا۔ مثلاً: احکام واخلاقیات کی زیادہ تر آیات۔ اس سبب میں:

☆...... یا تو کوئی سوال ہوتا جس کا جواب اللہ تعالیٰ مرحمت فرماتے جیسے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ (البقرة:۱۸۹) لوگ آپ سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورت کے بارے میں پوچھتے ہیں؟ کہئے کہ یہ لوگوں کے مقرر اوقات کے لئے اور حج کے لئے ہیں۔

☆...... یا نزول کا سبب کوئی حادثہ ہوتا مگر اس کے لئے وضاحت وتنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ﴾ (التوبة:۶۵)

منافق شخص کے بارے میں یہ آیات اتریں جس نے غزوہ تبوک میں کسی محفل میں یہ زبان درازی کی: ہم نے پیٹ کا شوقین، زبان کا جھوٹا

اور وقت لڑائی انتہائی بزدل انسان اپنے ان قراء جیسا کسی کو نہیں پایا۔ اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رسول تھے۔ آپ ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو یہ منافق معذرت کرتا ہوا حاضر ہوا تو آپ ﷺ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا: ﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ (التوبہ:٦٥)

☆...... یا کوئی ایسا کام ہوا ہو جس کا حکم معلوم نہ ہو ۔جیسے:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ﴾ (المجادلۃ:١) یقیناً سن لی اللہ نے اس عورت کی بات جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی جناب میں وہ شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو کو سن رہا تھا بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اہمیت اور فوائد: علم اسباب نزول، قرآن فہمی کے حوالے سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے فوائد علماء کے مندرجہ ذیل اقوال سے ظاہر ہیں۔

- امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "سبب نزول کے جان لینے سے آیت کا مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ فَإِنَّ الْعِلْمَ بِالسَّبَبِ، يُوْرِثُ الْعِلْمَ بِالْمُسَبَّبِ"۔
- علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے "جو شخص قرآن سمجھنا چاہتا ہے اس کے لئے اسباب نزول کا جاننا ضروری ہے"۔
- امام واحدیؒ لکھتے ہیں: "قرآن میں ایسی آیات ہیں کہ اگر ان سے متعلق واقعہ یا سبب معلوم نہ ہو تو ان کا مطلب سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا"۔
- شیخ ابوالفتح القشیریؒ کہتے ہیں: "سبب نزول کا بیان قرآن کے معانی سمجھنے کا ایک قابل اعتماد طریقہ ہے"۔
- علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں: "بعض محققین علماء نے کہا ہے کہ جو شخص نزول سے واقف نہ ہو، اس کے لئے تفسیر قرآن جائز ہی نہیں"۔

ان اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ اگر آیات کا سبب نزول معلوم نہ ہو تو اس کا مطلب پوری طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اور مفسر آیت کے معنی بیان کرنے میں سنگین غلطی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ:

① اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کیسے نازل ہوا؟ ﴿یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (المنافقون:٨)

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

صحیح بخاری (۴۹۰۰) میں ہے: زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی منافق سے یہی کہتے ہوئے سنا۔ وہ أعــــز سے مراد اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو لے رہا تھا اور أذل سے رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو۔ زید نے اس کی اطلاع اپنے چچا کو دے دی۔ جنھوں نے رسول اکرم ﷺ کو بھی بتادیا۔ آپ ﷺ نے زید کو بلوا بھیجا جنھوں نے بتایا کہ میں نے خود اس سے یہ بات سنی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلوا بھیجا انہوں نے قسمیں اٹھالیں کہ ہم نے کہا ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی باتیں سننے کے بعد انہیں سچا سمجھ لیا۔ پھر اللہ تعالی نے زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے یہ آیات اتار دیں تب رسول اکرم ﷺ کے لئے معاملہ واضح ہوگیا۔

② اسکے علاوہ سبب نزول سے لاعلمی کی بناء پر پیدا ہونے والے شبہات شدید اختلاف کا باعث بن سکتے ہیں۔ ایک بار سیدنا عمرؓ نے بہت غور وفکر کے بعد رائے دی کہ جس امت کا نبی ایک ہو اور اس کا قبلہ ایک ہو اس میں اختلاف پیدا ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ اس پر ابن عباسؓ نے کہا: امیر المؤمنین! قرآن ہمارے سامنے نازل ہوا ہم نے اسے پڑھا اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کیسے اور کن حالات میں نازل ہوا۔ لیکن وہ وقت دور نہیں کہ ہمارے بعد کے لوگ قرآن پڑھیں گے اور ان کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ وہ کن حالات میں اور کس موقع پر نازل ہوا ہے۔ ایسی صورت میں باہمی اختلاف پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے۔ سیدنا عمرؓ نے پہلے تو انہیں جھڑک دیا لیکن ان کے جانے کے بعد غور کیا تو محسوس ہوا کہ ابن عباسؓ کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ فوراً کسی کو بھیج کر انہیں بلوایا اور کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ (الموافقات ۳، ۳۴۷)

③ کبھی اللہ تعالی خود ہی رسول اکرم ﷺ کا دفاع فرما کر آیات نازل فرما دیتے ہیں۔ مثلاً: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ (الفرقان: ۳۲)

اسی طرح آیات افک میں حرم رسول کے تقدس کا دفاع کرتے ہوئے افتراپردازوں کے غلیظ وتوہین آمیز الفاظ کو رد کیا۔

④ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کسی عنایت کرنے کا کوئی سبب بنا دیتا ہے تا کہ افراد امت کو آسانی ہو۔ اس کی مثال تیمّم کی آیت کا نزول ہے۔ صحیح بخاری (۳۳۴، ۳۶۷) میں ہے:

آیت کا صحیح فہم، سبب کے صحیح علم سے ہوتا ہے۔ مثلاً: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرة: ۱۵۸) یہاں طواف

سے مراد سعی ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ ارشاد **فلا جناح علیه** سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سعی کا انتہائی حکم مباح کی قسم سے ہوسکتا ہے۔

صحیح بخاری (۱۲۷۸) میں عاصم بن سلیمان سے روایت ہے:

میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفا و مروۃ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ہم سمجھتے تھے کہ ان کے درمیان سعی کرنا جاہلی عادات میں سے ہے۔ اسلام جب آیا تو پھر ہم ان کے بارے میں خاموش رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِاللّٰهِ ---اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ---﴾ (البقرۃ:۱۵۸)

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نفی، سعی کے اصل حکم کی وضاحت کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ حرج کی نفی کے لئے ہے جس کی وجہ سے وہ رک گئے تھے۔ اس لئے کہ وہ سمجھے تھے کہ ان کے درمیان سعی جاہلی دور کی عادات ہیں۔ باقی اصل حکم تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ** سے واضح ہو جاتا ہے۔

اسباب نزول کی روایات: اسباب نزول کا علم صحابہ کرام کی روایات سے حاصل ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان میں مندرجہ ذیل مسائل پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً:

ا: جب روایات ایک دوسرے سے ٹکراتی ہوں

- کبھی ایک ہی آیت کے سبب نزول میں متعدد روایات ہوتی ہیں اور وہ باہم ٹکراتی ہیں۔ اس موقع پر کیا کیا جائے؟

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ دو صحیح روایات کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا لیکن اگر دو روایات میں ایک روایت صحیح ہو اور دوسری ضعیف یا موضوع تو اس کا سیدھا سادھا اصول یہ ہے کہ صحیح کو لے لیا جائے اور ضعیف یا موضوع کو ترک کر دیا جائے۔ مثلاً:

﴿وَالضُّحٰى O وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى O مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى O﴾ (الضحی:۳-۱) اس کے سبب نزول کی دو روایات ہیں۔

پہلی روایت: الاسود بن قیس سے صحیح سند کے ساتھ صحیح بخاری (۴۹۵۰) میں ہے:

اسود نے جندب بن سفیانؓ سے سنا جو کہہ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ دو یا تین رات قیام نہ فرما سکے۔ ایک خاتون آپ سے کہنے لگی: محمد! مجھے لگتا ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں خیر باد کہہ دیا ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیات اتاریں۔

دوسری روایت: امام طبرانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ نے حفصؒ بن میسرہ سے۔۔۔جن کی نانی اماں آپ ﷺ کی خادمہ تھیں۔۔۔ بیان کیا ہے:

ایک پلا آپ ﷺ کے گھر میں آیا۔ چار پائی کے نیچے اس نے جگہ بنائی اور بیٹھ گیا اور وہیں وہ مر بھی گیا۔ آپ ﷺ چار دن تک منتظر رہے مگر آپ پر وحی نازل نہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خولہ! اللہ کے رسول کے گھر میں کیا ہوگیا ہے۔ جبریلؑ میرے پاس نہیں آرہے۔ میں نے جی میں کہا! میں ذرا گھر کو جھاڑتی پونچھتی ہوں۔ جھاڑو لے کر میں نے چار پائی کے نیچے مارا تو وہاں سے پلا نکلا، اور وہ بھی مرا ہوا۔ پھر آپ ﷺ کی حالت یوں ہوگئی کہ آپ وحی کے اترنے پر تھر تھرا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ آیت ﴿وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝﴾ نازل ہوئی۔ (فتح الباری ۸/۷۱۰)

یہ عجیب وغریب حدیث اور سند کے اعتبار سے منقطع روایت امام بخاریؒ کی صحیح روایت کا مقابل نہیں ہوسکتی۔ لہذا صحیح بخاریؒ کی روایت کو ہم اختیار کریں گے اور طبرانیؒ وغیرہ کی روایت کو چھوڑ دیں گے۔

■ جہاں صحیح اور حسن روایات آپس میں ٹکراتی ہوں۔ تو پھر حقیقت حال معلوم کی جائے۔ اس ٹکراؤ (تعارض) کی بے شمار صورتیں ہیں۔ چند ایک یہ ہیں۔

(ا) دو روایتوں میں ایک روایت کے الفاظ یوں ہوں۔ سَبَبُ نُزُوْلِ هَذِهِ الآيَةِ كَذَا ۔ اس آیت کے نزول کا سبب اس طرح ہے یا کسی واقعہ کو سنا کر آیت ذکر کر دی جائے اور کہا جائے: فنزلت الآية۔ پھر یہ آیت اتری۔ اور وہ اسے پڑھ کر سنا دے۔

جبکہ دوسری روایت میں عبارت کے الفاظ یوں ہوں: " نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِي كَذَا "۔ یہ آیت فلاں حکم کے لئے اتری ہے۔ یا فلاں حکم کو شامل کرتی ہے۔ تو اس صورت میں الفاظ کی بنیاد پر پہلی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ پہلی روایت میں سبب نزول بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسری میں نہیں۔

(ب) کبھی دونوں روایتیں قوت کے اعتبار سے ایک ہی درجہ کی ہوتی ہیں۔ مثلاً: دونوں صحیح ہیں یا دونوں حسن ہیں۔ مگر دونوں کا بیان کردہ سبب نزول ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس صورت میں کسی اور دلیل کی وجہ سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دے دی جائے گی۔ مثلاً: ایک روایت کا راوی اس واقعہ کے وقت اپنی حاضری وموجودگی کا کہتا ہے جبکہ دوسرا صرف روایت کرتا ہے۔ مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ....﴾ (الاسراء: ۸۵) کے سبب نزول میں دو روایتیں ہیں۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

پہلی روایت: امام بخاریؒ (۲۷۹۴) اپنی سند صحیح کے ساتھ عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں:

ایک مرتبہ میں کسی کھیت میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ کھجور کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ چند یہودی وہاں سے گزرے، آپ کو دیکھتے ہی ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس نبی سے روح کے بارے میں پوچھو۔ آپ ﷺ سے انہوں نے آ کر روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ انہیں جواب دیے بغیر خاموش رہے۔ میں نے آپ ﷺ کی حالت دیکھ کر جان لیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور آپ پر وحی اتری۔ تو فرمایا: وَيَسْـأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ......

دوسری روایت: امام ترمذیؒ اپنی سنن میں (۳۱۴۰) ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں:

قریش مکہ نے یہود سے کہا۔ کوئی ایسا سوال ہمیں دو کہ ہم بھی محمد سے پوچھ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو انہوں نے پوچھا۔ آپ ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ...

پہلی روایت میں سیدنا ابن مسعودؓ کا یہود کے سوال کے وقت حاضر ہونا مذکور ہے جب کہ ابن عباسؓ کی روایت یہ ذکر نہیں کرتی کہ قریش کے سوال کے وقت ابن عباسؓ موجود تھے۔ اس بناء پر پہلی روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دی جائے گی۔

ج) کبھی سند کے اعتبار سے دو روایتیں صحیح ہوتی ہیں اور دوسری طرف دونوں واقعات کے درمیان وقت و زمانے کا فرق بھی نہ ہو۔ یعنی دونوں واقعات کے بعد ہی یہ آیت اتری ہو۔ اس صورت میں ہر واقعہ سبب نزول شمار ہوگا۔ مثلاً: ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآء ---اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْن﴾ (النور:٦-٩) ان آیات کا سبب نزول دو مختلف روایتیں ہیں۔

پہلی روایت: صحیح بخاری (۴۲۳) میں ہے کہ سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں:

عویمرؓ عجلانی اپنے قبیلہ کے سردار عاصم بن عدیؓ کے پاس آئے اور کہا: آپ کی کیا رائے ہے اگر کوئی اپنی بیوی کسی اجنبی مرد کے پاس پائے۔ غیرت میں آ کر آدمی اگر اس اجنبی کو قتل کر دے تو تم اس کے بدلے میں اسے قتل کر دو گے؟ یا وہ کیا کرے؟ عاصمؓ! تم جاؤ اور رسول اکرم ﷺ سے اس کی وضاحت چاہو۔ عاصمؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہی سوال کر ڈالا۔ آپ ﷺ نے اس سوال کو سخت ناپسند فرمایا۔ عاصمؓ نے واپس آ کر عویمرؓ کو بتایا کہ آپ ﷺ نے سوال ہی ناپسند کیا ہے۔ عویمرؓ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

نے کہا۔ بخدا میں باز نہیں آؤں گا جب تک کہ آپ ﷺ سے اس بارے میں خود دریافت نہ کرلوں۔ آئے اور عرض کی۔ اللہ کے رسول! ایک شخص اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ مشغول پاتا ہے۔ کیا وہ اجنبی کو قتل کردے؟ اگر ایسا کرے تو کیا آپ اس کے بدلے میں اسے قتل کرڈالیں گے۔ یا وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: عویمرؓ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں آیات اتاری ہیں۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کو بلا کر لعان کرنے کو کہا جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا طریقہ ہے۔ لعان کے بعد عویمرؓ نے کہا: اللہ کے رسول! اگر میں اس کو روکوں تو یہ ظلم ہوگا۔ چنانچہ عویمرؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ اس طرح دو لعان کرنے والوں کے لئے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ وہ لعان کے بعد اپنی بیوی کو طلاق بھی دے۔

دوسری روایت: صحیح بخاری (۴۷۴۶) میں آیات لعان کا سبب نزول حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے:

ہلالؓ بن امیہ نے آپ ﷺ کی موجودگی میں ہی اپنی بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگادی۔ آپؐ نے فرمایا: مدعی کو گواہ پیش کرنا ہوگا ورنہ کوڑے پڑیں گے۔ ہلال نے عرض کی: یارسول اللہ! ایک آدمی اپنی بیوی کو کسی آدمی کے ساتھ مشغول پائے اور دوسری طرف وہی گواہوں کو تلاش کرتا پھرے۔ آپ ﷺ یہی فرماتے رہے کہ تم مدعی ہو اس لئے گواہ پیش کرو۔ ہلال نے عرض کی: اللہ کے رسول! خدا گواہ ہے کہ میں اپنے اس دعوے میں سچا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا رب میری سچائی کی تصدیق میں کچھ نہ کچھ آسمان سے اتار دے گا جو کم از کم کوڑوں کی سزا سے مجھے بچا سکے۔ اتنے میں جبریلؑ یہ آیات لیکر اترے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ---اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (النور:٦) آپ ﷺ نے ہلالؓ اور اس کی بیوی کو بلوا بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل یہ تو ضرور جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے۔ تو کیا تم میں کوئی توبہ کرنا چاہتا ہے؟۔ وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے ان آیات کے مطابق حلفیہ بیان دے دیا کہ وہ سچی ہے۔ اس کا خاوند الزام لگانے میں جھوٹا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان جدائی کرادی"۔

یہ دونوں روایات صحیح بخاری کی ہیں۔ پہلی روایت عویمرؓ عجلانی کے بارے میں سبب نزول کو بتاتی ہے جبکہ دوسری ہلال بن امیہؓ کے بارے میں۔ ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ دونوں روایات میں واقعات گو الگ الگ ہیں مگر معاملہ ایک ہی ہے۔ اس لئے قذف کے حکم کو عام کردیا گیا۔ لہذا دونوں واقعات کو ہی صحیح گردانتے ہوئے کہا جائے گا کہ یہ دو حادثے یکے بعد دیگرے ہوئے اور اللہ نے آیات لعان نازل کرکے اس مسئلے کا حل بتادیا۔

جب لفظ عام ہو اور سبب خاص ہو: جب کسی خاص واقعہ یا سوال کے جواب یا کسی مشکل کے حل کے لئے ایک یا چند آیات نازل ہوں مگر ان میں لفظ یا حکم، عام ہو نیز مستقبل میں بھی ایسی صورت حال پیش آسکتی ہو تو علماء تفسیر نے یہ اصول: "اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ

الـلَّـفْـظِ لَا بِـخُـصُوْصِ السَّبَبِ"۔متعارف کرایا کہ خاص سبب کی بجائے لفظ کے عام مفہوم کو معتبر سمجھا جائے۔یعنی جب کوئی آیت کسی خاص سبب کے لئے نازل ہوئی مگر اس کے الفاظ عام ہیں تو اس کا حکم بھی اپنے سبب کی وجہ سے عام ہوگا کیونکہ قرآن مجید عام شریعت کو لے کر نازل ہوا ہے اور ساری امت کے لئے ہے۔مثلاً ربو ،رجم اور ظہار وغیرہ کے احکام۔اب اگر کوئی یہ کہے کہ ان آیات کا حکم تو آپ ﷺ کے زمانے میں فلاں مجرم یا مجرمہ کے لئے تھا۔تو یہ بات درست نہ ہوگی بلکہ یہ قرآن مجید کا عام حکم ہے اور ہمیشہ کے لئے نافذ العمل ہے۔

مصادر اسباب نزول: آیت کا سبب جاننے کے لئے حسب ذیل کتب سے مدد لی جاسکتی ہے۔

❶ **کتب تفسیر:** تفاسیر کو دیکھئے جن میں مفسرین کرام آیات کے اسباب النزول بھی لکھتے ہیں۔مثلاً:تفسیر ابن کثیر،تفسیر ابن جریر طبری۔وغیرہ۔اگر وہاں اختلاف نظر آئے تو مندرجہ بالا اصولوں کو لاگو کیجئے۔

❷ **کتب حدیث:** کتب حدیث کے مختلف ابواب میں کتاب التفسیر کے نام سے بھی ایک باب ہوتا ہے۔جس میں اسباب نزول کی روایات بھی نقل کی جاتی ہیں۔اس کی مثال صحیح بخاریؒ میں موجود باب التفسیر ہے۔

اسباب نزول جاننے کا بنیادی قاعدہ: کسی آیت کا سبب نزول جاننے کے لئے صحیح روایات درکار ہوتی ہیں جو سبب نزول سے آگاہ کرتی ہوں۔وہی روایت مقبول ہوگی جو نبی کریم ﷺ سے یا صحابہؓ سے متصل صحیح یا حسن سند کے ساتھ منقول ہو۔کیونکہ صحابہ کرامؓ ہر وقت نبی کریم کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔

امام واحدیؒ کا قول ہے: قرآن کریم کے اسباب نزول کی بابت بجز ان لوگوں کی ہدایت اور سماعی بیان کے جنہوں نے قرآن کو بچشم خود دیکھا اور اسباب النزول میں درک پیدا کیا اور اس علم کی تحقیق کی ہے۔کوئی دوسری بات کہنا ہرگز جائز نہیں"۔(الاتقان ۱/۷۵)

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:"اس ذات کی قسم!جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔اللہ کے کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی"۔(الاتقان ۱/۹)

سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

خدا کی قسم!میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو،میدانی علاقہ میں اتری یا پہاڑ پر۔(الاتقان)

☆☆☆☆☆

سوالات

۱۔ اسباب نزول سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کرتے ہوئے چند مثالیں بھی دیجئے۔

۲۔ علماء نے سبب نزول کی بنیاد پر آیات کی جو تقسیم کی ہے اسے لکھئے۔

۳۔ اسباب نزول کی معرفت کے بعد ایک مفسر یا عالم کو کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

۴۔ کیا سبب نزول جانے بغیر کسی آیت کی تفسیر یا مطالب کو بیان کرنے میں سنگین غلطی کا ارتکاب ممکن ہے؟ تفصیلی نوٹ لکھئے۔

۷۔ "العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب" کا مفہوم مثال دے کر واضح کیجئے۔

مشق

۱۔ مطبوعہ تفاسیر میں سے سورۂ نساء کی آیت ۵۱۔۵۲ کے اسباب نزول کو تلاش کیجئے۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر سے سورۂ الزمر کی آیت ۵۳ کے اسباب نزول تلاش کیجئے۔

۳۔ تفہیم القرآن، تدبر قرآن، احسن البیان اور تفسیر ابن کثیر میں سے سورۂ النساء کی آیت نمبر ۱۵ اور سورۂ النور کی آیت ۲ کے اسباب نزول پر ایک تبصرہ لکھئے۔

۴۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں سے پانچ آیات کے اسباب نزول تلاش کیجئے۔

۵۔ اسباب نزول میں روایات کو کس طرح جمع کر کے بات کو مدلل کیا جاتا ہے۔

۶۔ اسباب نزول پر جو کتب لکھی گئی ہیں ان کی فہرست مع مؤلفین کے نام لائبریری سے تلاش کیجئے۔

☆☆☆☆☆

قصص و واقعات میں قرآنی تعلیم و تربیت کا اتنا عمدہ اسلوب نمایاں ہے کہ سامعین اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

یہ ایسا کامیاب تعلیمی و تربیتی اسلوب ہے جسے ہر زمان و مکان میں مربی، مصلح، ادباء اور معلم حضرات

اپناتے رہے۔ قرآن کریم اپنے قصوں میں عقیدہ جیسے مسائل کو حق و باطل کے

درمیان بطور ایک معرکہ کے پیش کرتا ہے اس کے باوجود پھر بھی

اس کا اسلوب وعظ و نصیحت، انتہائی معتبر اور ممتاز ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

باب:16

علم تفسیر

لغوی معنی: تفسیر (ف س ر) سے نکلا ہے جس کے معنی ظاہر کرنا، کھول کر بیان کرنا اور بے حجاب کرنا ہیں۔

اصطلاحی معنی: تفسیر سے مراد قرآن مجید کے معانی کو واضح کرنا ہے۔ ابوحیان اندلسیؒ علم تفسیر کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں:

تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کے تلفظ، ان کے مفہوم، ان کے احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کے وہ حامل ہوتے ہیں۔ (البحر المحیط ۱/۴)

امام بدرالدین زرکشیؒ (م:۷۹۴ھ) نے علم تفسیر کی تعریف البرھان میں یوں بیان کی ہے:

تفسیر ایسا علم ہے جس کی مدد سے اللہ کی کتاب جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی کا فہم حاصل ہو، اس کے معانی سے واقفیت ہو، اس کے احکام نکالے جائیں اور حکمتیں بیان کی جائیں۔

الاتقان میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے علم تفسیر کی حسب ذیل تعریف بیان کی ہے:

تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، اسباب النزول، آیات مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفصل، حلال و حرام، وعد و عید، امر و نہی، عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

مختصراً تفسیر ایسا علم ہے جس کی مدد سے انسانی استطاعت کی حد تک رسول اکرم ﷺ پر نازل شدہ کلام الٰہی یعنی قرآن مجید کے معانی، مطالب، احکام، مسائل کو واضح کرنے کی اور مراد الٰہی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تاویل: قرآن مجید میں تفسیر کے لئے لفظ "تاویل" بھی استعمال ہوا ہے۔ علماء سلف اس لفظ کا استعمال بکثرت کرتے۔ مگر بعد کے علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ آیا یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے؟

لغت میں: لغوی طور پر تاویل "اَوْلَ" سے نکلا ہے جس کے معنی ایسی حقیقت کی طرف رجوع کرنا، واپس لانا یا لوٹانا کے ہیں جس کی طرف کلام اشارہ کر رہا ہو۔ جیسے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾۔

اصطلاح میں: کسی کلام کی تشریح و توضیح کرنا تاویل ہے۔ تاویل الکلام سے مراد: تعبیر، بیان، عمل، ثبوت، انجام اور تحقیق وغیرہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہیں۔اسی معنی میں یہ آیت ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ...﴾ (الأعراف:٥٣) وہ اس کی حقیقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

اور یہ دعا بھی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ تَأْوِيْلَ الْكِتَابِ۔اے اللہ! اسے کتاب کی تاویل یعنی مراد، بیان یا وضاحت سکھادے۔

امام ابن عیینہؒ فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ هِیَ تَأْوِيْلُ الاَمْرِ وَالنَّهْيِ أَيْ عَمَلَهُ وَالْقِيَامَ بِهِ فِي الْحَقِيْقَةِ۔سنت درحقیقت امر و نہی پر عمل کرنے اور اسے قائم کرنے کا نام ہے۔

علماء کی اکثریت کا کہنا ہے کہ تاویل اور تفسیر دونوں ہم معنی ہیں۔جن میں ابوعبید، مجاہد اور ابن جریر الطبری بھی شامل ہیں۔ابن جریر نے تو اپنی تفسیر کا نام بھی (جَامِعُ الْبَيَانِ فِي تَأْوِيْلِ آيِ الْقُرْآنِ) رکھا ہے۔اس لئے وہ ہر آیت کی تفسیر کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں: اخْتَلَفَ أَهْلُ التَّأْوِيْلِ یا اَلْقَوْلُ فِي تَأْوِيْلِ الآيَةِ۔ایک اور رائے ہے: کہ تاویل کا لفظ کئی لحاظ سے تفسیر سے بالکل ہی مختلف معنی رکھتا ہے۔امام راغب اصفہانیؒ کے نزدیک تفسیر سے مراد کلام الٰہی اور کلام انسانی دونوں کی تشریح کرنا ہے جبکہ تاویل صرف کتب الٰہیہ کی تشریح کا نام ہے۔امام منصورؒ کہتے ہیں: تفسیر، قرآن کی مراد کو قطعی طور پر متعین کرنے کا نام ہے جبکہ تاویل الفاظ قرآن کے زیر احتمال معانی میں سے کسی ایک کو غیر یقینی طور پر معین کرنے کا نام ہے۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ مفسرین ان دونوں الفاظ کا فرق نہ جان سکے۔وہ یہ سمجھتے رہے کہ تفسیر کا تعلق نص اور اس سے ماخوذ مفہوم سے ہے جبکہ تاویل نص کی گہرائی میں اترنے کا نام ہے۔یا پھر لفظ قرآن کے مختلف محتمل معانی کی وضاحت کو کہتے ہیں۔بعض نے تفسیر اسے کہا جو بذریعہ روایت ہو اور تاویل وہ جو بذریعہ درایت ہو۔

ان تمام آراء میں سب سے بہتر رائے امام ابوعبیدؒ کی ہے کیونکہ قرآن وسنت میں تفسیر کی جگہ تاویل کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔مثلاً: ارشاد باری ہے: ﴿...وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ...﴾ (ال عمران:٧) اور دعائے رسول بھی ہم پڑھ آئے ہیں: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ تَأْوِيْلَ الْكِتَابِ۔

فقہ وعقائد کے صحیح احکام تک رسائی کا نام بھی تاویل ہے تاکہ عام مسلمان کو ان احکام کی تمام حدود و قیود کا علم ہو سکے۔رسائی اگر

برعکس ہو تو نتیجہ غلط ہو سکتا ہے جسے تأویل فاسد کہا جاتا ہے جیسے ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝ ﴾ (النساء:۱۲۵) میں خلیل سے مراد فقیر لینا اور اصلی معنی نامناسب کہنا، تأویل فاسد ہے۔

نوٹ: تاویل کا علم ایک بیش بہا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو تاویل الاحادیث کا علم عطا کیا تھا۔ ابن عباسؓ کے لئے حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ قرآن مجید کی تفسیر و تأویل کا علم انہیں عطا ہو۔ آپ ﷺ کی اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ ابن عباسؓ کے تفسیری اقوال میں قرآنی الفاظ کی وضاحت و معانی کا تعین بہت سادہ اور عام فہم انداز میں کیا گیا ہے۔ تفسیر میں جزمی طور پر مراد الٰہی تک نہیں پہنچا جا سکتا اِلا یہ کہ صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ سے اس کی تفسیر منقول ہو یا صحابہ کرام سے جو نزول وحی کے وقت موجود تھے اور انہوں نے حوادث و واقعات کا مکمل احاطہ کیا ہو یا اشکال کے وقت انہوں نے آپ ﷺ کی طرف اس کے مفہوم کے لئے رجوع کیا ہو۔ قرآن کا لفظ یا عبارت ایک سے زائد مفہوم کے اگر متحمل ہوں تو پھر ان کی تفسیر یا تاویل انتہائی احتیاط اور ٹھوس دلائل کی محتاج ہے۔ بصورت دیگر خود ساختہ نظریہ و تخیل کی ترجمانی ہوگی نہ کہ خدمت قرآن۔ اس میں مفسر کی اپنی اجتہادی کوشش جو لفظ قرآن کی بذریعہ لغت عرب صحیح معرفت ہو، سیاق و سباق کے مطابق اس کا استعمال وہ کرے اور اسالیب عرب کی معرفت کے بعد معانی کا استنباط وغیرہ بھی۔ امام زرکشی لکھتے ہیں:

> وَكَانَ السَّبَبُ فِي اصْطِلَاحِ كَثِيرٍ عَلَى التَّفْرِقَةِ بَيْنَ التَّفْسِيرِ وَالتَّأْوِيلِ، اَلتَّمْيِيزُ بَيْنَ الْمَنْقُوْلِ وَالْمُسْتَنْبَطِ، لِيُحِيْلَ عَلَى الاعْتِمَادِ فِي الْمَنْقُولِ، وَعَلَى النَّظَرِ فِي الْمُسْتَنْبَطِ۔ (البرہان۲/۱۷۲) بہت سے علماء کے ہاں تفسیر و تاویل کی اصطلاح میں اختلاف کا سبب منقول و مستنبط کے درمیان امتیاز کرنا تھا تا کہ منقول پر اعتماد ہو اور مستنبط پر غور۔

معتزلہ نے **تأویل سے مراد:** لفظ کو اس کے اصل معنی سے پھیر کر دوسرے معنی کی طرف لے جانا لیا ہے۔ یہ اس صورت میں تو جائز ہے جب کوئی ایسی دلیل یا قرینہ موجود ہو جو ظاہری معنی مراد لینے سے روکتا ہو۔ تأویل کی یہ اجازت عام الفاظ میں تو دی جا سکتی تھی۔ مگر قرآن مجید میں وارد صفات الٰہی کے مرادی معنی لینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس سے تو مخلوق خدا سے تشبیہ ہو جاتی ہے جو رب کریم کی ذات اقدس کے حق میں تنقیص ہے۔ اس کی تنزیہ و تقدیس کے بارے میں صحیح نکتہ نظر یہی ہے کہ جس طرح اس نے اپنا تعارف کرایا ہے اسے ویسا ہی لیا جائے کوئی تأویل مشابہت اور کیفیت والی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس جیسی کوئی شے ہے ہی نہیں۔ اور ﴿ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَالَ ﴾۔ اللہ کو متعارف کرانے کے لئے مثالیں مت دیا کرو۔ ایسا کرنا اصل معنی کو دوسرے معنی کی طرف پھیرنا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

یہی تأویلی اور مرادی معنی آج متعدد تراجم قرآن اور تفاسیر میں بخوبی نوٹ کیا جاسکتا ہے۔جن سے مترجمین اور مفسرین کے رجحانات کا بھی علم ہوتا ہے اور قرآن کریم سے دشمنی رکھنے والوں کا بھی۔ یہ منہج فتنہ ابھارنے کا اگر نہ بھی ہو تو کم از کم اپنی من مانی تأویل اور سلف صالحین کے منہج سے ہٹا ہوا ہے۔جیسے:

﴿ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ سے مراد جلوہ افروز ہونا۔یا ﴿جَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ﴾ سے مراد تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا یا بعض صحیح احادیث جن میں اللہ تعالی کی صفات بیان ہوئی ہیں ان کا محض عقلی معنی لینا نہ کہ اصل۔سوال یہ ہے کہ پھر اس سے مراد کیا ہے؟ اس کا سیدھا سادھا جواب یہی ہے کہ ہمیں اس کا معاملہ اللہ تعالی پر چھوڑ دینا چاہئے۔اسلاف امت نے ان سب آیات واحادیث کا ایسا ظاہری معنی لیا ہے جو اس کی ذات جلیل کو زیبا ہے، تاکہ مشابہت وکیفیت کے بغیر خالق ومخلوق کی صفات میں فرق ہوسکے۔اس لئے کہ یہ سب صفات باری تعالی ہیں جنہیں بلاتمثیل ماننا اور اللہ تعالی کو منزہ وپاک سمجھنا ضروری ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

مَا جَهِلَ النَّاسُ وَلَا اخْتَلَفُوْا إِلَّا لِتَرْكِهِمْ لِسَانَ الْعَرَبِ، وَمَيْلِهِمْ إِلٰی لِسَانِ أَرْسَطَاطَالِيْسَ۔ لوگ دین سے جاہل تبھی ہوئے اور اختلاف میں تبھی پڑے جب انہوں نے عربی زبان ترک کردی اور ارسطو فلسفی کی زبان کے شوقین بنے۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَنْزِلِ الْقُرْآنُ وَلَا أَتَتِ السُّنَّةُ إِلَّا عَلَى مُصْطَلَحِ الْعَرَبِ وَمَذَاهِبِهِمْ فِي الْمُحَاوَرَةِ وَالتَّخَاطُبِ وَالِاحْتِجَاجِ وَالِاسْتِدْلَالِ، لَا عَلَى مُصْطَلَحِ الْيُوْنَانِ، وَلِكُلِّ قَوْمٍ لُغَةٌ وَاصْطِلَاحٌ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾۔ (صون المنطق والکلام:۱۵) قرآن اترا اور سنت رسول گویا ہوئی تو اہل عرب کی اصطلاحات میں، ان کی طرز گفتگو اور انداز تخاطب میں، ان کے طریقہ احتجاج اور استدلال میں۔نہ کہ یونانی فلسفہ واصطلاحات میں۔ہر قوم کی اپنی لغت اور اصطلاحات ہوا کرتی ہیں انہی میں ان کی کتب کو سمجھنا چاہئے۔اللہ تعالی فرماتے ہیں: ہم نے کسی بھی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرسکے۔

تفسیر اور اصول تفسیر کا ارتقاء: قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی علم تفسیر کا آغاز ہو چکا تھا۔قرآن نے اپنی تفسیر بعض مقامات پر خود کی نیز نبی اکرم ﷺ بھی قرآن کے اولین مفسر وشارح تھے۔زبانی تفسیر کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے عمل میں بھی ان آیات کو سمویا۔آپ ﷺ کے اخلاق وسیرت بھی تفسیر قرآن تھے۔آپ ﷺ نے صرف ان حصوں کی تفسیر فرمائی جنہیں سمجھنا

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

صحابہؓ کے لئے مشکل تھا۔ یہ مشکل اس وقت پیش آتی جہاں آیات کی فصاحت و بلاغت صحابہ کرامؓ کی علمی حد سے زائد ہوتی اور نا قابل فہم بھی۔ مثلاً: مجمل، مشکل، متشابہ آیات اور بعض اصطلاحات وغیرہ۔ جن کی تفسیر کے لئے وہ نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

لَمْ یَکُنِ النَّبِیُّ ﷺ یُفَسِّرُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْآنِ إِلا آیَاتٌ تُعَدُّ، عَلَّمَهُنَّ إِیَّاهُ جِبْرِیْلُ۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی چند گنی چنی آیات کی تشریح کی ہے جنہیں جبریل امین نے آپ ﷺ کو سکھایا تھا۔ (تفسیر القرطبی ۱/۳۱)

دراصل مسلمانوں سے مطلوب یہ تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی اتباع واطاعت میں کوئی کمی یا کوتاہی نہ کریں تاکہ قرآن کی صحیح عملی تفسیر کا خود بخود انہیں ادراک ہوتا جائے۔ صحابہ رسول اس سے بھی آگاہ تھے کہ آپ ﷺ کے اخلاق وسیرت سبھی قرآن مجید کی تعلیمات کا عکس ہیں۔ اسی لئے امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْ صَحَّ مِنْ ذَلِكَ قَلِیْلٌ جِدًّا بَلْ أَصْلُ الْمَرْفُوْعِ مِنْهُ فِی غَایَةِ الْقِلَّةِ۔ آپ ﷺ سے تفسیر بہت کم ہی ثابت ہے بلکہ مرفوع تفسیر تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ (الاتقان: ۲/۱۷۹)

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بے شمار عرب وعجم حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جنکی اکثریت عربی زبان سے ناواقف تھی۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ اپنی مقدس کتاب کو جانیں اور اس کے علوم جیسے: اسباب نزول، مکی و مدنی وغیرہ سے واقف ہوں۔ چنانچہ ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کے ان حصوں کی تفسیر بیان کردی جائے جنہیں نبی اکرم ﷺ نے بیان نہیں کیا۔ صحابہؓ کا یہی منہج رہا کہ وہ سب سے پہلے تفسیر کے لئے اقوال نبی اکرم ﷺ کو دیکھتے ورنہ وہ خود اس کے مطالب بیان کرتے۔

دور تابعین کرام میں تفسیر کی ضرورت اور بڑھ گئی۔ اس نسل نے بالمشافہہ صحابہ کرامؓ سے تفسیر کا علم سیکھا۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ آیات کی تفسیر کرتے وقت سب سے پہلے احادیث نبویہ کو دیکھتے۔ پھر اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے اور آخری درجے پر اپنے اجتہاد سے کام لیتے۔ اس دور میں تفسیر کے پہلو بہ پہلو بہت سی موقوف و اسرائیلی روایات بھی شامل ہوگئیں۔ ایسی بحثیں شروع ہوگئیں جنہیں صحابہ کرامؓ نے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔

تبع تابعین کا دور آیا تو اسرائیلیات کی بھرمار ہوگئی۔ فرقہ بندی نے جنم لیا جن میں بالخصوص معتزلی، جہمی اور قدری افکار ونظریات نے تفسیری اختلافات کا دروازہ اور کشادہ کردیا۔ تفسیر میں جعلی روایات کی کثرت ہوئی مگر صحیح نقل وروایت کا سلسلہ بھی اپنی آن بان

کے ساتھ جاری رہا۔عدم احتیاط سے جعلی روایات کی دیومالائی کہانیاں اور داستانیں جزوتفسیر بن گئیں۔انہی روایات کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کو یہ فرمانا پڑا: ثَلَاثَةٌ لَیْسَ لَهَا أَصْلٌ: اَلتَّفْسِیْرُ، وَالْمَلَاحِمُ وَالْمَغَازِیْ۔تین علوم ایسے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں۔ تفسیر، جنگیں اور غزوات۔ان تفاسیر میں کلبی اور مقاتل بن سلیمان کی تفاسیر سرفہرست ہیں۔امام احمدؒ فرماتے ہیں: فِیْ تَفْسِیْرِ الْكَلْبِیِّ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ كِذْبٌ۔تفسیر کلبی شروع تا آخر جھوٹ کا پلندہ ہے۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کہنا ہے:

إِنَّ النَّقْلَ عَنْ بَنِی إِسْرَائِیْلَ دَسِیْسَةٌ دَخَلَتْ فِی دِیْنِنَا۔اسرائیلی روایات ہمارے دین میں در آئی سازش ہے۔

(الفوز الکبیر: ۵)

الحمد للہ علمائے اسلاف کی محنت اور تحقیق سے تفسیری روایات میں ضعیف و موضوع حصہ غالب نہ ہوسکا۔جس کا تدارک عہد صحابہ میں روایت کے ذریعے ہوا اور احتیاط یہ برتی گئی کہ ہر روایت کی تفتیش ہو اور ہر ایک کی تفسیر کو میزان صحت قرار نہ دیا جائے۔

معتزلی حضرات اس فلسفے کے حامی تھے کہ احکام شریعت میں تعارض اور تضاد ہے۔اس سوچ نے ذرا قدم بڑھائے تو صفات الٰہی کی نفی کر ڈالی اور اسی نے خبر واحد کے غیر یقینی علم ہونے کا مسئلہ چھیڑا۔آیات قرآنیہ کی عجیب وغریب تأویلات کیں۔حقیقت کو مجاز کا معنی دیا۔صحیح عقائد واحادیث کا خون کیا۔متفقہ مسائل کو متنازعہ بنایا مگر خود بھی مسائل کی گتھیوں کو سلجھا نہ سکے بلکہ ہمہ وقت پیچیدگی وابہام ہی ان کے مقدر میں رہی جو جدال ومباحثہ کی ایسی برائی ہے جس کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔آزاد خیال مقلدین ومحققین اسی مدرسہ فکر کی بخشیش ہیں۔دوسری طرف اس برائی نے بہت سے خدا ترس لوگوں کو رجوع الی الحق کی توفیق دی۔امام ابوالحسن اشعری نے الإِبَانَةُ عَنْ أُصُوْلِ الدِّیَانَةِ لکھ کر علم کلام کے منہج اور اشاعرہ کے عقائد سے رجوع کرلیا۔فخر الدین رازی کی تفسیر پر یہ تبصرہ اسی لئے تو کیا گیا: فِیْهِ كُلُّ شَیْءٍ إِلَّا التَّفْسِیْرُ۔اس میں سب کچھ ہے سوائے تفسیر کے۔انہیں بھی خود بصد افسوس یہ کہنا پڑا: فلاسفہ کے تمام مناہج سمجھنے اور علم کلام کے سارے اصول جانچنے اور اپنانے کے باوجود میں ان میں وہ فائدہ نہیں پاسکا جو قرآن کریم میں پایا ہے۔(عیون الأنباء ۲/۲۶)

ضرورت تفسیر: اس لئے قرآن کی صحیح تفسیر کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے۔اس کی مزید وجوہات یہ ہیں:

① قرآن میں فصاحت وبلاغت، حکمت اور اوصاف کلام کا ایک ایک چمن کھلا ہوا ہے۔اس کی جامعیت، ہمہ گیری اور وسعت کا کچھ ٹھکانہ نہیں۔اس لئے اس کی عربی ذوق اور عربیت کے مطابق تشریح وتفسیر نہایت ضروری ہے۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

فرماتے ہیں: ہرفن کے ماہرین کی یہ عادت ہوا کرتی ہے کہ وہ کسی بھی علم مثلاً طب یا حساب کی کتاب کو پڑھتے ہیں اور اس کی وضاحت وشرح بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالی کے اس کلام کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں ہو کہ وہ بغیر تفسیر (یا بغیر ماہرین) کے سمجھا جائے جب کہ یہ مقدس کتاب انسان کو تباہی سے بچاتی، اسے اخروی نجات دلاتی اور دنیاوی زندگی میں اسے سعادت مند بناتی ہے۔

② آزاد خیال لوگوں نے اور غیر مسلم متعصبین نے قرآن کریم کے بعض الفاظ کے معانی کو اپنی لغات کے ذریعے تلاش کر کے کئی لحاظ سے قرآن کریم کو محرف کرنے اور اہل اسلام کو ملزم بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ مثلاً: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ﴾ (الانفال: ٦٠) میں لفظ ترھبون کو نکال کر قرآن کریم اور اہل اسلام کو دہشت گرد قرار دینے کی کوششیں جہاں عالمی سطح پر کی جارہی ہیں وہاں اپنی اپنی پارلیمنٹ میں بھی ایسی قرار دادیں پاس کر کے مسلمانوں کے لئے عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔ مزید برآں مطبوعہ تراجم میں بیشتر تراجم بھی عربیت سے نابلد یا الفاظ قرآنی کے عمیق معانی ومطالب سے محروم ہیں۔

③ قرآن میں کچھ باتیں مجمل بھی کی گئی ہیں۔ جن کی وضاحت کے لئے تفسیر بہت ضروری ہے تا کہ عوام پر اس کے عقدے کھل سکیں۔ اس کے علاوہ قوانین واحکام کی تفصیلی صورت، حدود وقیود، ان پر رضا مندی واطمینان، اور ان کا نفاذ اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کی صحیح تفسیر بیان کی جائے۔

④ عصر حاضر میں جب عجمی مسلمان زیادہ تعداد میں ہیں اور عربی زبان وادب سے واقفیت کم ہو چکی ہے۔ تو اس دور میں تفسیر کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے تا کہ کتاب الٰہی کے احکامات اور الفاظ کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے عجمی مسلمانوں کی رہنمائی کی جاسکے۔

۵۔ مذاہب باطلہ اور منحرفین نے تحریف اور تضلیل سے احادیث گھڑ کے تفسیر میں شامل کر دی ہیں اور ان کے عجیب وغریب مطالب بیان کر کے رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو متہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ایسی تفاسیر سے آگاہ ہونا اور صحیح منہج کو سمجھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

تفسیر قرآن کی شرائط: قرآن پاک میں بغیر کسی علم کے بات کرنے میں سخت وعید کے باوجود بھی اگر کوئی جرأت کرتا ہے تو علماء تفسیر نے مفسر کے لئے کچھ شرطیں عائد کی ہیں تا کہ جو تفسیر کرنا چاہے وہ اس وعید سے نکل آئے اور اہل تفسیر میں اس کا شمار

ہو۔تعجب اس بات پر نہیں ہوتا کہ کوئی مفسر بن جائے بلکہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں ہر کوئی اپنی عقل بگھارنے لگے۔حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کے کلام میں کس طرح زبان چل جاتی ہے۔کون ہے آج جو کسی بھی آیت کی تفسیر کے لئے اپنی زبان تو کھولتا ہے مگر یہی آیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پیش کی جاتی تو وہ یہ فرماتے:

أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِيْ، وأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِيْ، إِذا قُلتُ فِي الْقُرآنِ بِرَأْيِيْ أَوْ بِمَا لَا أَعْلَمُ۔ کون سی زمین مجھے برداشت کرے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اگر میں قرآن کریم کے بارے میں اپنی رائے دوں اور وہ کہوں جو میں جانتا ہی نہیں۔

قرآن پاک کی تلاوت کرنا سب کا حق ہے مگر تفسیر قرآن کرنا ہر ایک کا حق نہیں۔جیسے میڈیکل کی کتب ہر کوئی پڑھ سکتا ہے مگر ہر کوئی پڑھنے کے بعد مریضوں کا علاج معالجہ شروع نہیں کر دیتا۔یہی وجہ ہے کہ ہم ایسی حکیموں اور ڈاکٹروں کے خلاف شور مچاتے ہیں کہ حکومت ان کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دے جو لوگوں کی زندگی سے کھیلتے ہیں۔مگر ایسی جری نام نہاد مفسرین کے بارے میں ہم خاموش رہتے ہیں جب کہ ان میں مفسر کی ایک شرط تک نہیں پائی جاتی۔

تفسیر کی اقسام

موجودہ دور میں تعلیم کی غرض سے بعض جامعات میں تفسیر کی تقسیم دو طرح سے کی گئی ہے۔

❶ جدید تقسیم ❷ مشہور تقسیم

جدید تقسیم کے مطابق تفسیر کی تین اقسام ہیں۔

ا۔ **تفسیر تحلیلی:** اس میں قرآنی آیات کو گرائمر کے ضابطوں کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے اور صرفی ونحوی مباحث سے قرآنی آیات والفاظ کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔اسے حقیقتاً تفسیر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تفسیر کی لغوی اور اصطلاحی دونوں تعریفات اس پر منطبق نہیں ہوتیں۔

۲۔ **تفسیر موضوعی:** اس قسم میں ایک ہی موضوع سے متعلق قرآنی آیات کو جمع کر کے ان کی تفسیر کی جاتی ہے۔جیسے احکام کی آیات کو اکٹھا کر کے ان کی تفسیر کرنا اسی طرح آیات ایمانیات، آیات توحید، آیات اخلاق، آیات معاشرت، آیات معیشت وغیرہ۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

۳۔تفسیر مقارن: اس قسم میں قرآن مجید کی بعض مخصوص آیات کو لے کر مختلف مفسرین کی لکھی ہوئی تفسیری آراء کا باہمی موازنہ کیا جاتا ہے جن میں بنیادی طور پر ان آیات کے بارے میں ہر مفسر کے عقیدہ، مذہبی میلان اور اس کے مؤقف ودلائل کو سمجھا جاتا ہے۔

مشہور تقسیم کے مطابق بھی تفسیر کی تین اقسام ہیں۔

❶ **تفسیر بالماثور:** ماثور کا لفظ اثر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب اسلاف کا وہ تفسیری منہج ہے جو آثار یعنی آیات، احادیث اور اقوال صحابہ سے لیا گیا ہو۔ اسے تفسیر بالروایہ یا تفسیر منقول بھی کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وہ تفسیر جس میں صحت اور قبولیت کے بکثرت دلائل ہوں۔

۲۔ وہ تفسیر جس میں صحت اور قبولیت کے دلائل بکثرت نہ ہوں۔ اس کا سبب مذاہب باطلہ کا وضعی اور انحرافی کردار، نیز اصحاب رسول کے اقوال کا بلا سند روایت ہونا جس سے روایت خلط ملط ہوگئی اور صحیح وغیر صحیح میں تمیز کرنا مفسر کے لئے مشکل ہو گیا۔ اس لئے ایسی تفسیر کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی کوئی پایہ کا مفسر اسے سوائے تحقیق کرنے یا اس کی ضلالت سے آگاہ کرنے کے بیان کرے گا۔

اس تفسیر بالماثور کے بنیادی مصادر یہ رہے ہیں:

i) **تفسیر قرآن از قرآن:** قرآن کی تفسیر قرآن سے۔ اس لئے کہ قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔ اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا یعنی قرآن کا ایک حصہ اگر مجمل ہے تو دوسرا حصہ اس کی تفسیر کرتا ہے۔ جہاں اختصار ہے تو دوسرا مقام اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ یہ طریقہ سب سے زیادہ مؤثر اور بہترین ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے وہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی مراد کیا ہے اگر وہ اس مراد کو قرآن مجید میں ہی دوسرے مقام پر واضح فرما دے تو پھر کیوں نہ اسے ترجیح دی جائے۔ قرآن مجید میں پیش کی گئی یہ تفسیر پانچ انداز کی ہے۔

ل) **اجمال کی تفسیر:** اس سے مراد ہے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ایک بات کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ اس کی تفصیل بتا دی جاتی ہے۔ مثلاً ﴿.. أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ..﴾ (المائدہ:۱) تمہارے لئے چوپائے مویشی حلال کر دئے گئے ہیں۔ یہ ایک مجمل آیت ہے جس میں حرام کئے ہوئے جانوروں کی تفصیل نہیں ملتی۔ اس آیت کی تفسیر ایک اور آیت یوں پیش کرتی ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَ أَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ... ﴾ (المائدہ: ۳) تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام کر دیا گیا ہے۔ گلا گھٹ کر مرنے والی، چوٹ کھا کر مرنے والی، بلندی سے گر کر مرنے والی، ٹکر کھا کر مرنے والی اور جسے کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا ہو اور جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو، سب حرام کر دئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ تم پانسوں کے ذریعے قسمت معلوم کرو، یہ سب گناہ ہیں۔

اسی طرح یہ آیت: ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝﴾ (یونس:٦٢) سنو! اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ اولیاء اللہ کون ہیں؟ اس کی تفسیر اللہ تعالی نے اگلی آیت میں فرما دی: ﴿اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝﴾ (یونس:٦٣) وہ جو صاحب ایمان ہوں اور اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

ب) **الفاظ کی تفسیر:** اس سے مراد ہے کہ قرآن میں پائے جانے والے مفرد الفاظ کی تفسیر چند دوسری آیات سے ہو۔ مثلاً:

﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ ۝﴾ (الفاتحہ:٥) میں **الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ** کی تفسیر اگلی آیت میں یوں فرما دی۔ ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلَا الضَّآلِّينَ ۝﴾ (الفاتحہ:٦)

اسی طرح آیت: ﴿وَمَآ أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ۝﴾ (الطارق:٢) میں والطارق کی تفسیر دوسری آیت میں کر دی گئی ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۝﴾ (الطارق:٣)

ایک اور مثال: ﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ ۝﴾ (البقرہ:٣٧) میں لفظ **کلمات** سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر ایک دوسری آیت میں یوں ملتی ہے۔ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾ (الاعراف:٢٣) دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

ج) **مطلق کی مقید سے تفسیر:** اس سے مراد قرآن کی وہ آیات یا کلمات ہیں جن میں ایک حکم عام دیا گیا مگر دوسری آیت اس

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

حکم کو مقید کر دیتی ہے۔ مثلاً:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ.﴾ (المائدہ:۳) تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون اور خنزیر کا گوشت۔

اس آیت سے یہ حکم عام ملتا ہے کہ ہر طرح کا خون حرام ہے۔ لیکن دوسری آیت اس خون کو مقید کرتی ہے۔

﴿قُلْ لَّآ أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ إِلَّآ أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (الأنعام:۱۴۵)

کہہ دیجئے! جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اس میں سے میں کھانے والے پر ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو۔

دم مسفوح سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا خون نہیں بلکہ ''بہایا ہوا خون'' حرام ہے۔

د) **عام کی خاص سے تفسیر**: اس سے مراد قرآن میں پایا جانے والا حکم عام، جسے مخصوص حالات کے پیش نظر خاص کر دیا جائے۔ مثلاً: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْٓءٍ ..﴾ (البقرۃ:۲۲۸) اور طلاق یافتہ اپنا انتظار کریں تین حیض تک۔

اس آیت میں تمام مطلقہ عورتوں پر ایک ہی عدت فرض کی گئی ہے جو کہ تین قروء ہے۔ لیکن ایک اور آیت میں اس حکم کو مخصوص حالات کے تحت خاص کر دیا گیا ہے:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا...﴾ (الاحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر لو۔ پھر انہیں طلاق دو اس سے پہلے کہ تم انہیں چھوؤ۔ تو تمہارے لئے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں۔

اس آیت نے پہلے حکم عام کو چند مخصوص حالات کے پیش نظر خاص کر دیا اور بتایا کہ وہ عورتیں جن کو ہاتھ لگانے سے پہلے ان کے شوہر طلاق دے دیں تو ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں ہے۔

ر) **ان آیات کو جمع کر کے تفسیر کرنا جن میں اختلاف کا وہم ہو**: قرآن پاک کی چند آیات ایسی ہیں کہ ان کو اگر الگ الگ پڑھا جائے تو ان میں اختلاف محسوس ہوتا ہے لیکن اگر ان آیات کو جمع کر کے پڑھا جائے تو وہ اختلاف ختم ہو جائے گا۔ مثلاً:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝﴾ (آل عمران:۵۹)

بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی ہے جیسے آدم علیہ السلام کی ہے۔ انہیں اللہ نے مٹی سے پیدا فرمایا پھر حکم

دیا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَآئِكَةِ إِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ۝﴾ (الحجر:۲۸) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں سڑے ہوئے گارے کی کھنکتی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝﴾ (الرحمن:١٤) انسان کو کھنکتی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح تھی۔

ان آیات میں بظاہر یہ لگتا ہے کہ کہیں انسان کی تخلیق تراب سے بتائی، کہیں طین کا ذکر ہے، کہیں ﴿صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ۝﴾ (الحجر:٣٣) کا اور کہیں ﴿... صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝﴾۔ لیکن اگر ان آیات کو جمع کر کے غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تخلیق آدم کے یہ مختلف مراحل ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝﴾ (نوح:١٤) سے ذکر فرمایا۔ اس لئے ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ii) تفسیر قرآن، سنت سے: اگر قرآن میں سے تفسیر نہ ملے تو پھر تفسیر بالماثور کا دوسرا مصدر یا مرحلہ احادیث نبویہ ﷺ سے قرآن کی تفسیر کرنا ہے کیونکہ یہ احادیث قرآن کی شارح اور اس کی وضاحت کرنے والی ہیں۔ کوئی لغت یا عقل اس سے بہتر تفسیر نہیں کر سکتی۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے:

> كُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ مِمَّا فَهِمَهُ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَائِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝﴾ (النساء: ١٠٥) وقال: ﴿... وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ (النحل:٤٤) وقال تعالى: ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (النحل:٦٤) ولهذا قال رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا إِنَّمَا أُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (سنن ابی داود:۴۶۰۴، ومسند احمد ۴/۱۳۱) يعني السنة۔ آپ ﷺ نے جو بھی فیصلے یا حکم دئے وہ قرآن مجید سے ہی سمجھ کر دئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان ایسے فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سجھائے اور خائنوں کی طرف سے جھگڑالو نہیں بننا۔ یہ ارشاد: اور یہ قرآن ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو کھول کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے شاید کہ لوگ سوچیں۔ اور یہ ارشاد: ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی کہ آپ انہیں جس اختلاف میں وہ پڑتے ہیں کھول کھول کر بیان کردیں: یہ ہدایت ہے اور جو ایمان رکھتے ہیں ان کے لئے باعث رحمت بھی۔ اسی لئے تو

AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ ﷺ نے فرمایا تھا: بے شک میں کتاب اور اس جیسی کے ساتھ اور چیز بھی دیا گیا ہوں۔ یعنی سنت۔(الفتاوی الکبری:۱۹۵/۷)

کیونکہ اپنی زبان میں بھی لکھی ہوئی کتب اہل زبان کو سمجھ نہیں آتیں۔ محض صرف زبان کی معرفت کا نام فہم نہیں ہوتا بلکہ الفاظ کے معانی کی بحث وتدقیق بھی ضروری ہوتی ہے اور یہ ایسی وہبی شے ہے جو اللہ تعالی کتاب کے درجہ اور قوت تالیف کے مطابق ہی افراد کو عطا کرتا ہے۔ ورنہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی اہل زبان تھے۔ حسانؒ بن عطیہ فرماتے ہیں:

رسول اکرم ﷺ پر قرآن کریم کی وحی نازل ہوتی پھر جبریل امین قرآن کی تفسیر کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں سنت لے کر حاضر ہوتے۔(تفسیر قرطبی ۳۷/۱)

نبی اکرم ﷺ کو مبعوث فرمانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ قرآن کی تشریح وتفسیر بیان کریں۔ تفسیر وتشریح کا یہ طریقہ بتانا بھی اللہ تعالی نے ذمہ لیا تھا﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ یہی بیان۔۔تفسیر وتشریح یا سنت وحدیث کی صورت میں آپ ﷺ پر نازل ہوتا تھا جیسے قرآن نازل ہوتا، فرق اتنا تھا کہ قرآن تلاوت ہوتا ہے اور سنت تلاوت نہیں ہوتی۔ اس لئے قرآن کریم میں اگر تفسیر نہ ملے تو سنت سے ہی تفسیر کو لینا چاہئے۔ صحابہ کرام نے بھی یہی سمجھا۔ آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا: آپ کیسے فیصلے کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا: کتاب اللہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ پھر میں سنت رسول اللہ ﷺ سے فیصلے کروں گا۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا: اگر سنت میں نہ پاؤ تو؟ پھر عرض کی: میں اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا: اللہ تعالی کا شکر جس نے رسول کے قاصد کو وہ فہم وتوفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول خوش ہو۔(مسانید وسنن، سند جید)۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (الجمعہ:۲) وہی تو ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ لوگ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

یہ وہ ذمہ داریاں ہیں جو تلاوت کتاب، تعلیم کتاب، تعلیم سنت، تزکیہ نفس کی صورت میں آپ ﷺ کی تھیں جنہیں آپ ﷺ نے احسن طریقے سے نبھایا۔ بالخصوص تعلیم قرآن کی بھاری ذمہ داری کو آپ ﷺ نے خوب ادا کیا۔ مثلاً:

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ... ﴾ (یونس:٢٦) جنہوں نے نیکی کی ان کے لئے حسنی ہے اور زیادہ بھی۔ یہ روایت ابوموسیٰؓ اور ابی بن کعبؓ، رسول اکرم ﷺ نے زِيَادَةٌ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے مراد اللہ تعالی کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ٦/١٩٤٥، حدیث:١٠٣٤١)، (تفسیر ابن جریر الطبری ١٥/٦٩، حدیث:١٧٦٣٣) صحیح مسلم (١٨١،٤٤٩) میں صہیب بن سنانؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر حجاب کھول دیا جائے گا اور اہل جنت اپنے رب کی طرف نظر اٹھا کر جو لذت وخوشی محسوس کریں گے اس سے بڑھ کر انہیں کوئی شے محبوب نہ ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اسی طرح یہ ارشاد:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ ﴾ (الأنفال:٦٠) اس آیت کی تفسیر میں آپ ﷺ نے فرمایا: قوۃ سے مراد رمی تیر اندازی، میزائل سازی، یا کوئی بھی ایسی چیز جو دشمن کو نشانہ بنا سکے...ہے۔ (صحیح مسلم:٤٩٤٦)

قرآن پاک میں بیشتر احکام اجمالاً بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً: روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ۔ اجبکہ احادیث میں ان کی وضاحت کی گئی۔ مثلاً: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ... ﴾ (البقرۃ:٤٣) آپ ﷺ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ۔ نماز اس طرح پڑھو جیسا مجھے پڑھتا دیکھو۔ یہی حال صوم، اور حج وغیرہ کی تفصیلات کا ہے۔ ان توضیحات کو لیتے وقت یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ صرف صحیح وحسن احادیث کو لیا جائے اور ضعیف احادیث کو شامل نہ کیا جائے جن میں مراسیل اور منقطع بھی داخل ہیں۔ صحابہ رسول نے آپ سے اسی طرح تفسیر سیکھی کہ دس آیات کا علم وعمل سیکھنے کے بعد اگلی آیات شروع کرتے۔ یا ابن عمرؓ جیسے سورہ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھتے اور یاد کرتے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علم طب، حساب اور انجینئرنگ میں جب تک کتب کو اچھی طرح نہ کھنگال لیں وہ آگے نہیں بڑھ پاتے مگر قرآن کریم کے بارے میں یہ سوچنا کہ صحابہ نے آپ ﷺ سے اسے معمولی سا سیکھا ہے جس کی دلیل یہ ہو کہ آپ ﷺ سے بہت کم تفسیر منقول ہے؟ یاد رکھئے! احکام شرعیہ، ایمانیات اور اخلاقیات کی نبوی تفاسیر کو قبول کرنا فرض ہے جو ہر تفسیر پر مقدم ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلسُّنَّةُ تُفَسِّرُ الْقُرْآنَ وَتُبَيِّنُهُ۔ سنت (حدیث) قرآن کی تفسیر وتشریح کرتی ہے۔

جیسے ﴿غير المغضوب عليهم ﴾ سے مراد یہودی لیا اور ﴿ولا الضالين﴾ سے نصاری۔

(iii) **اقوال صحابہؓ سے تفسیر:** اگر قرآن کریم سے یا سنت رسول سے تفسیر نہ ملے تو پھر صحابہ کرام کے اقوال بھی تفسیر کے

لئے لئے جاسکتے ہیں۔ بالخصوص ان صحابہ کے جو صاحب علم اور متخصص فی التفسیر تھے جیسے خلفاء راشدین اور دیگر علماء صحابہ۔ اس لئے کہ قرآن کریم ان کی زبان، زمانہ اور انہی کے مخصوص حالات میں نازل ہوا۔ انبیاء کے بعد طلب حق میں ان سے سچی اور مخلص جماعت کوئی نہیں۔ نیز خواہشات نفس سے محفوظ اور ایسی مخالفت سے ان کے دل پاک تھے جو انسان میں حق و باطل کے درمیان تمیز کو چھین لیتے ہیں۔ امام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں:

"صحابہؓ میں سے جو حضرات قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے مثلاً سیدنا عثمانؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، وغیرہ۔ انہوں نے ہمیں احادیث کے ذریعے بتایا کہ جب وہ آپ ﷺ سے دس آیات سیکھتے تو ان سے اس وقت تک آگے نہ پڑھتے جب تک کہ ان آیات کی تمام علمی و عملی باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں"۔

صحابہ کرامؓ سے جو تفسیری اقوال ملتے ہیں ان کے چند نمونے یہ ہیں:

● ......﴿ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ ﴾(النساء: ۲) سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت میں موجود الفاظ "حوبا کبیرا" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: "حوبا كبيرا يعني إِثْمًا عَظِيْمًا"۔

● ...... ﴿ ذٰلِكَ أَدْنٰى أَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ ﴾(النساء: ۳) سیدنا ابن عباسؓ نے "ألا تعولوا" کی تفسیر "ألا تميلوا" بیان کی۔

اس ضمن میں جن دس صحابہ کرامؓ کو خاص شہرت ملی ان میں خلفاء اربعہ۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبادلہ ثلاثہ عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ اور ابوموسیٰ الاشعریؓ شامل ہیں۔

تفسیر صحابہ کو قبول کرنے کے اصول: تفسیر صحابہ قبول کرنے کے لئے چند اصول پیش نظر رہنے چاہئیں:

۱۔ صحابہ کرامؓ جس تفسیر پر اتفاق کرلیں تو وہ صحیح تفسیر ہے۔

۲۔ قرآن کے بارے میں ان کا فہم مضمون اور دلالت دوسروں کی نسبت زیادہ کامل ہے۔ خاص طور پر خلفاء اربعہ اور حضرات ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، اور سیدہ عائشہؓ و ام سلمہؓ کا۔ لیکن اگر بالفرض صحابہؓ کا کوئی قول یا تفسیر، قرآن یا سنت ثابتہ کے خلاف ہو تو ترجیح ہر صورت میں قرآن و سنت ہی کو ہوگی۔

۳۔ اگر کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف کریں (جو شاذ و نادر ہے)۔ تو جس صحابیؓ کی رائے مصالح شرعیہ اور عامة المسلمین کے حق میں زیادہ مفید ہو اسے قبول کرلیا جائے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ان کے اقوال حجت کیوں؟ اقوال صحابہؓ کی حجیت کا یہی مطلب ہے کہ صحابہؓ عام معاملات میں حتی الامکان کتاب وسنت سے الگ نہیں ہوتے بلکہ اکثر وبیشتر نصوص نبویہ یعنی احادیث کو ہی تلاش کرتے اور ان پر عمل کی کوشش کرتے تھے۔ سیدنا عمرؓ نقل روایات میں متشدد تھے اس لئے کہ جو چیز شرعاً حجت ہو اس کے متعلق ایسا تثبت اور شدت یقیناً ضروری ہے۔ مزید یہ کہ صحابہ کرامؓ تو رسول اکرم ﷺ کی عملی اور اخلاقی زندگی کا نمونہ تھے اور تفسیر، عقائد، اخلاق اور فقہیات میں آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کے ہی پابند تھے۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کو اسی نگاہ ہی سے دیکھنا چاہئے کیونکہ انہوں نے قرآن اور نزول قرآن کے ماحول کا مشاہدہ کیا۔

iv) **اقوال تابعینؒ سے تفسیر قرآن:** تابعین، جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کیا۔ ان کے اقوال تفسیر قرآن میں تیسرے درجے کے حامل اور خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ عہد نبوی کے قریب کے لوگ تھے۔ ان کے زمانے میں ابھی عربی زبان اتنی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے یہ اپنے بعد والوں کی نسبت فہم قرآن میں زیادہ صائب تھے۔ قرآن کی تفسیر میں اقوال تابعین کا حجت ہونے یا نہ ہونے پر علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کا جواب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے یہ دیا ہے:

> تابعین کے اقوال فقہ کی فروع میں جب حجت نہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہونگے لیکن اگر وہ کسی بات پر اجماع کرلیں تو اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اختلاف کی صورت میں ان کے اقوال ایک دوسرے پر ترجیح نہیں پاسکتے اور نہ ہی بعد والوں پر۔ ایسی صورت میں قرآن وسنت کی لغت یا عام لغت عرب یا اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

> یہ بھی فرماتے ہیں: جو بھی صحابہ وتابعین کے تفسیری منہج سے ہٹ کر ان سے الگ موقف اختیار کرتا ہے وہ اپنی اس کوشش میں خطا کار اور بدعتی ہوگا۔ ہاں اگر وہ اپنی اس تفسیر میں مجتہد ہو تو پھر اس کی خطا معاف ہوسکتی ہے۔ باقی ان کے قول کی مخالفت کرکے جو اپنی تفسیر ان کے برعکس کرتا ہے تو اس نے دلیل اور مدلول دونوں میں ٹھوکر کھائی۔ (مجموعۃ الفتاوی)

تابعین میں سے جو افراد تفسیر قرآن کے حوالے سے مشہور ہوئے انکے نام یہ ہیں: مجاہدؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ تفسیر بالماثور ایک مسلمہ فن ہے جو اکیلا ناکافی ہے۔ یعنی احادیث، اقوال صحابہ اور تابعین کے اقوال کی روایات کے باوجود مفسر کو ضرور دوسرے علوم وفنون سے مستفید ہو کر انتہائی غور وتدبر سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا پڑتی ہے۔ ایسی تفسیر کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ تفسیر بالماثور سے ٹکراتی نہ ہو۔

تفسیر ماثور میں اختلاف کے اسباب: تفسیر ماثور میں بھی اختلاف دیکھنے میں آیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا اصول وضوابط

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہوں گے جن کی روشنی میں اس پیدا شدہ اختلاف کا حل مل سکے؟۔علماء نے ایسے اختلاف کی تین اقسام اور ان کا حل یہ بتایا ہے:

قسم اول: ایسی روایات اس تفسیر میں ملتی ہیں جن کا اپنا فائدہ ہے مگر اس اختلاف سے آیت کے معنی ومفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد **وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ** (الإسراء: ٢٣) سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: قضی بمعنی أمر کے ہے۔مجاہد فرماتے ہیں یہ بمعنی وصی کے ہے اور ربیع بن انس فرماتے ہیں: قَضٰی بمعنی أَوْجَبَ کے ہے۔

قسم دوم: آیت کے ایک لفظ میں دو معنوں کا احتمال ہو تو پھر تفسیر کے لئے آیت کے دونوں معنی ہی لے لئے جاتے ہیں کیونکہ الفاظ قرآن میں معنوی لچک اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔یہی اقوال کے مابین جمع کی صورت ہے کہ دونوں معنی لے کر ان کی مثالیں دے دی جائیں تا کہ آیت کی مراد کے ساتھ معنوی نوع بھی نمایاں ہو۔مثلاً:

﴿ وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ o وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَلٰکِنَّہٗٓ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ ھَوٰہُ ﴾(الأعراف: ١٧٥، ١٧٦) ان پر اس شخص کی خبر پڑھئے جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دے رکھا تھا مگر وہ اس سے نکل بھاگا پھر وہ شیطان کی پیروی میں لگ گیا اور بہکے ہوؤوں میں سے ہو گیا۔اگر ہم چاہتے تو اسے ان کے ذریعے سے بلند مرتبہ عطا کرتے مگر وہ زمین ہی کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: یہ آدمی بنو اسرائیل کا کوئی فرد ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں: وہ کوئی یمنی ہے ایک اور قول یہ بھی ہے کہ وہ بلقاء کا رہنے والا تھا۔ان تمام اقوال میں موافقت یوں پیدا ہو سکتی ہے اگر آیت کا یہی احتمال ہم لے لیں۔کیونکہ اس میں کوئی تضاد نہیں اور ہر ایک کا قول بطور مثال بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔

ایک اور مثال: ﴿وَکَاْسًا دِھَاقًا﴾ (النبأ: ٣٤) ابن عباسؓ فرماتے ہیں: دھاق سے مراد بھرا ہوا ہے۔مجاہدؒ پے در پے کے معنی کرتے ہیں اور عکرمہؒ صاف وشفاف کا معنی۔یہ اقوال ایک دوسرے کی نفی نہیں کر رہے اور تمام معنی مراد لئے جا سکتے ہیں یوں ہر قول معنی کی ایک نوع بھی ہو سکتا ہے۔

قسم ثالث: لفظ ومعنی کا اختلاف: مثلاً ایک آیت بیک وقت دو متضاد معنوں کی محتمل نہیں ہو سکتی۔ایسی صورت میں سیاق کو دیکھ کر آیت کا ترجیحی معنی لیا جائے گا۔مثلاً: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد:

﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾ (البقرة:١٧٣) بے شک تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ پر جو بھی پکارا جائے حرام ہیں۔ تو جو بھی مجبور کر دیا گیا بشرطیکہ وہ چاہنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اللہ تعالی غفور رحیم ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یعنی مردار کے کھانے کا شوقین نہ ہو اور نہ ہی اس کے کھانے میں وہ حد سے زیادہ بڑھے۔ دوسرا متضاد معنی یہ بھی لیا گیا ہے کہ امام کے خلاف خروج کرنے والا نہ ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ سفر میں اس کا نافرمان ہو۔ ان دونوں معنوں میں ظاہر ہے پہلا معنی ہی ترجیح پائے گا کیونکہ دوسرے معنی کی آیت میں کوئی دلیل نہیں۔

دوسری مثال: ﴿... أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ...﴾ (البقرة:٢٣٧) یا معاف کر دے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گانٹھ ہے۔ سیدنا علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں: اس سے مراد خاوند ہے۔ اور سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد ولی ہے۔ ترجیحی معنی پہلا ہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی معنی وارد ہوا ہے۔

ان اقسام کے علاوہ ایک آیت کی ایک سے زیادہ قراءتوں کی وجہ سے اختلاف جیسے ﴿سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا﴾ کو امام قتادہ نے شد کے ساتھ پڑھا ہے جو بمعنی سُدَّتْ کے ہوگا اور کسی نے اسے ﴿سكِرَت﴾ بغیر شد کے تو پھر اس کا معنی سُحِرَت ہوگا۔ یا

جن میں قرآن کے کسی لفظ کے معانی ایک سے زائد ہوں۔ جیسے اشتراک لغوی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ لغت میں کچھ کلمات کے ایک سے زائد معانی ہوا کرتے ہیں۔ جیسے لفظ قسورۃ ہے۔ یہ تیر انداز کو بھی کہتے ہیں اور شیر کو بھی۔ یا لفظ نکاح ہے اس سے مراد عقد بھی ہے اور وطی بھی۔ اسے طرح لفظ قروء ہے لغت میں یہ بمعنی حیض کے بھی ہے اور طہر کے بھی۔ علماء اسے فطری اختلاف کہتے ہیں۔ یا

اعراب کا اختلاف کیونکہ اعراب کا اثر بھی قرآن کی تفسیر پر پڑتا ہے جیسے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ میں الراسخون پر اختلاف ہوا۔ اگر اس کا عطف لفظ جلالت پر کرتے ہیں تو معنی یہ ہوگا کہ راسخ فی العلم بھی اس کا معنی جانتے ہیں اور اگر اسے مبتدا اور ﴿يقولون آمنا به﴾ کو اس کی خبر بناتے ہیں تو پھر یہ معنی ہوگا کہ راسخ فی العلم نہیں جانتے۔

کتب تفسیر میں اختلاف: کتب تفسیر میں عموماً اختلاف دو قسم کا ہے:

ا۔ اختلاف تنوع: ایسا اختلاف جس میں کوئی تناقض یا تضاد نہیں بلکہ نئے انداز فکر کا ہے۔ یہ ایسا اختلاف ہے جیسے اللہ تعالی اپنی یا رسول کی یا کتاب کی مختلف صفات بیان کر دے جس میں ہر اسم اپنی صفت کی خبر دے دے۔ یہ بھی امکان ہے کہ اس تفسیر میں ہر

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

مفسر حق پر ہو۔ایسا اختلاف مفسرین صحابہ وتابعین اور دیگر ائمہ میں بھی عام تھا۔مثلاً بعض مفسرین نے:﴿ **اهدنا الصراط المستقيم** ﴾ کا مطلب کتاب اللہ یا کتاب اللہ کی اتباع کا لیا ہے اور کچھ دین اسلام لیتے ہیں اور بعض اہل السنۃ والجماعۃ لیتے ہیں اور کچھ عبادت کے طریقے یا خوف ورجاء اور اللہ تعالی سے محبت کے طریقے اور اس کے احکام کو ماننے اور نواہی سے بچنے، کتاب وسنت کی پیروی کرنے یا اللہ تعالی کی اطاعت کرنے کو کہتے ہیں۔سب جانتے ہیں جس کا نام رکھا جاتا ہے وہ ایک ہوتا ہے مگر اس کی صفات وغیرہ متنوع ہوسکتی ہیں۔جیسے محمد کہا جائے تو وہی احمد بھی ہیں، حاشر، وماحی بھی اور عاقب وخاتم المرسلین بھی۔ وہی نبی رحمت بھی ہیں اور نبی ملحمہ بھی۔اسی طرح قرآن کہا جائے تو وہ فرقان بھی ہے اور نور، شفاء، ذکر، حکیم اور الکتاب بھی۔اسی طرح اللہ تعالی کے اسماء حسنی کو لے لیجئے۔بہت سے تراجم وتفاسیر ایسے ہی ہیں۔

۲۔مفسر کسی بھی لفظ کا متعین یا تمثیلاً ایسا معنی پیش کرے جو تعریفی یا حصری (restricted) ہو مثلاً ایک عجمی یہ پوچھے کہ ما الخبز ؟ تو ایک رغیف (bread) کی طرف اشارہ کرکے کہہ دیا جائے یہ ہے جس سے مقصود وہی روٹی نہیں ہوتی بلکہ اس روٹی کے وجود کو متعین کرنا ہے۔مفسر جب یہ بتائے کہ ﴿ **فمنهم ظالم لنفسه** ﴾ یا صالحین اور ظالمین سے مراد کیا ہے تو وہ حسب حاجت ہی بتائے گا کہ ظالم اسے کہتے ہیں جس کی نماز رہ جائے جو وضو اچھی طرح نہیں کرتا یا جو ارکان کو پورا نہ کرے۔اور مقتصد وہ ہے جو وقت پر اور حکم کے مطابق ہی نماز پڑھے وغیرہ۔سیدنا ابن عباسؓ فرمایا کرتے :تفسیر قرآن کی چار صورتیں ہیں :

> **ایک وہ جسے عرب اپنے کلام سے جانتے ہیں۔دوسری وہ جو جاہل بھی سمجھتا ہے اور ایک وہ جسے علماء ہی جانتے ہیں اور چوتھی تفسیر وہ جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اس کے علم کا اگر کوئی دعوی کرتا ہے تو وہ جھوٹا انسان ہے۔**

پھر یہ کہ اس اختلاف کی نوعیت وحقیقت سوائے راجح، مرجوح یا مباح اور مستحب کے اور کچھ نہیں۔جیسے دیگر مسائل فقہیہ میں ائمہ اربعہ احترام باہمی کے ساتھ مختلف فیہ ہوتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کی تفسیر کا بھی یہی حال ہے۔ہوتا یوں ہے کہ تفسیر میں مختلف اقوال صحابہ ہوتے ہیں جو آیت کے مختلف احتمالات کی وجہ سے تنوع پیدا کردیتے ہیں جسے عام آدمی اختلاف سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ ان کا فائدہ یہ ہے کہ استخراج مسائل میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور فکر ونظر کی مزید راہیں کھلتی ہیں جس سے جمود ٹوٹتا ہے۔

تفسیر بالماثور کی یہ چاروں اقسام محدثانہ تفاسیر کہلاتی ہیں۔گو یہ بدعات اور غلو سے خالی ہیں مگر قصص کے بیان میں صحت اسانید

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کا خیال نہیں رکھا گیا اور آثار بھی اسرائیلیات کی لپیٹ میں آ گئے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں نسبتاً کافی محتاط رہے مگر پھر بھی ان کی تفسیر میں ایسے آثار آ گئے جو مناسب تھا کہ نہ آتے۔ اس تفسیر کی تخریج احادیث وآثار نے اسے اب نکھار دیا ہے۔

تفسیر کلمات میں اختلاف کا اصولی حل: ایسے قرآنی کلمات جو ایک سے زائد معنی کے محتمل ہوں تو؟ ان کے صحیح معنوی انتخاب کے لئے ذیلی اصول پیش نظر رکھ کر ان شاء اللہ تفسیری کج روی سے محفوظ رہا جا سکتا ہے:

☆......قرآن مجید میں وارد الفاظ وکلمات اپنے سیاق وسباق کے مطابق جن شرعی یا لغوی مفاہیم کا تقاضا کرتے ہوں ان سے قرآن کی تفسیر کی جائے۔ یہی حکم الٰہی ہے: ﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰہُ ؕ ﴾(النساء:١٠٥) ہم نے آپ کی طرف کتاب، حق کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سجھائے۔ اسی طرح یہ ارشاد ﴿ اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴾(الزخرف:٣) ہم نے اسے عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یہ ارشاد ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ ؕ ﴾(إبراهيم:٤) ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں تاکہ وہ انہیں بیان کرے۔

☆......اگر شرعی ولغوی معنی میں اختلاف ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ وہ معنی لیا جائے گا جس کا شریعت تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید شریعت کو بیان کرنے کے لئے نازل ہوا ہے نہ کہ لغت کو بیان کرنے کے لئے الا یہ کہ وہاں کوئی دلیل ہو تو پھر لغوی معنی کو ترجیح دی جا سکتی ہے اور اسے ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں یہ ارشاد ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا ﴾(التوبة:٨٤) صلاۃ: لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔ شرع میں یہاں اس کا معنی میت کے لئے مخصوص حالت میں برائے دعا کھڑا ہونا ہے۔ تو یہاں شرعی معنی مقدم ہوگا کیونکہ یہی متکلم کا مقصود ہے اور مخاطب کو بھی اسی کی تنبیہ کی جا رہی ہے باقی ان کے لئے دعا کرنے سے منع فرمانا تو وہ دوسری دلیل سے ہو سکتا ہے نہ کہ اس آیت سے۔

☆......ایک اور مثال جس میں دو مختلف معنی ہیں مگر لغوی معنی مقدم کیا گیا ہے۔ جیسے: ﴿ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ ﴾(التوبۃ:۱۰۳) صلاۃ سے مراد یہاں دعا ہے۔ جس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث (۲۴۹۲) ہے۔ ابن ابی اوفیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے پاس جب کسی کے صدقہ کا مال لایا جاتا تو آپ انہیں دعا دیتے۔ آپ ﷺ کے پاس میرے والد بھی اپنا صدقہ لے کر گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِيْ أَوْفٰى۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

☆......رہی وہ مثالیں جن میں شرعی اور معنوی معنی دونوں پائے جاتے ہوں تو وہ بکثرت ہیں جیسے: سماء، أرض، صدق و کذب، حجر و انسان۔ وغیرہ۔

❷ **تفسیر بالرائے**: تفسیر کی یہ دوسری قسم اجتہادی تفسیر کہلاتی ہے۔ یا اسے تفسیر درایت یا تفسیر معقول بھی کہتے ہیں۔ اس سے مراد قرآن کی تفسیر، احادیث اور اقوال صحابہؓ و تابعینؒ کی بجائے زیادہ تر اپنے اجتہاد اور رائے کی بنا پر کرنا ہے۔ یہ رائے دو قسم کی ہو سکتی ہے۔

i) رائے محمود: اس سے مراد وہ تفسیر ہے جو قرآن وسنت سے مستمد ہو۔ یعنی جس میں مفسر، اپنی رائے کا اظہار کرنے سے قبل تفسیر بالماثور کی طرف رجوع کر چکا ہو اس نے کوشش کی ہو کہ اولاً قرآن کی تفسیر قرآن میں ڈھونڈے، وہاں نہ ملے تو اسے احادیث صحیحہ میں تلاش کرے۔ پھر بھی تفسیر نہ ملے تو یکے بعد دیگرے اقوال صحابہؓ اور اقوال تابعین کی طرف رجوع کرے۔ جہاں کوئی ایسا صحیح قول مل گیا جو اس آیت کی تفسیر میں ہو، اسے لے لے۔ جب کہیں بھی اس آیت کی تفسیر نہ ملے تو پھر قرآن وسنت کے مطالب، مفاہیم اور مقاصد کی روشنی میں آیات کی تفسیر کرے اور اپنی عقل ورائے سے کام لے کر تفسیر کر ڈالے۔ یہ تفسیر محمود یعنی پسندیدہ کہلائے گی اس لئے کہ مقصد قرآن کو وہ پورا کر رہی ہوتی ہے۔ اسے تفسیر بالدرایہ بھی کہتے ہیں۔ علماء ایسی تفسیر کو جائز سمجھتے ہیں جن کے یہ دلائل ہیں:

☆......اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ أَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ أَقْفَالُهَا﴾ کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

یہ غور وفکر اور تدبر بغیر اسلامی مفاہیم کے نہ ہو اور نہ ہی مقاصد شریعت سے ہٹا ہوا ہو۔ ایسی صورت میں یہ محمود رائے ہوگی۔

☆......آپ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں یہ دعا فرمائی تھی: اللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وعَلِّمْهُ التَّأوِيلَ۔ اللہ! انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کا معنی سکھا دے۔ یہ بھی محمود رائے کی طرف اشارہ ہے۔

☆......صحابہ رسول بھی تفسیر میں مختلف وجود میں اختلاف رکھتے تھے۔ اس کی وجہ ان کا معنی ومفہوم سمجھنے میں اپنا اپنا اجتہاد تھا۔

ii) رائے مذموم: جو مفسر تفسیر کے لئے نہ قرآن سے رجوع کرے، نہ حدیث سے اور نہ اقوال صحابہؓ اور تابعینؒ سے، تو پھر

اس کے ذہن میں کیا ہوسکتا ہے؟ یا تو وہ خود پسندی، خواہش نفس، بدعت وخرافات اور تعلّی کا شکار ہے یا پھر جاہل وعدم صلاحیت کا مالک ہے۔ ایسے افراد کا عقیدہ غلط اور بلاسند ہوتا ہے۔ اپنا مخصوص ذہن لے کر مخصوص آیات کا انتخاب کر کے اپنی دل پسند تفسیر کرتے ہیں تا کہ ان کے مذموم مقاصد کو سند شرعی مل سکے۔ یہ تفسیر، تفسیر مذموم اور حرام ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے:

فَأَمَّا تَفْسِيْرُ الْقُرْآنِ بِمُجَرَّدِ الرَّأْيِ فَحَرَامٌ۔ تفسیر قرآن محض رائے سے کرنا حرام ہے۔

شریعت کا کوئی صحیح عالم اسے پسند نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی پر ایسی بات کہنا ہے جو اس نے نہیں کہی۔ اور جس کا اس مفسر کو علم ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے: جو قرآن پاک میں بغیر علم کے کوئی بات کہتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔ (سنن ترمذی) اور یہ حدیث بھی: جس نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی رائے دی وہ صحیح بھی ہو اس نے خطا کی۔ (سنن ترمذی)۔ تاج الدین شہرستانی (م: ۵۴۸ھ) نے کوشش کی کہ تفسیر قرآن میں فلسفہ اور حکمت کو بھی جمع کردیں۔ چنانچہ جب وہ آیات کی تفسیر کو فلسفہ اور حکمت کے قوانین کے مطابق کرنے لگے تو ظہیر الدین بیہقی نے انہیں کہا:

هَذَا عَدُوْلٌ عَنِ الصَّوَابِ، وَالْقُرْآنُ لَا يُفَسَّرُ إِلَّا بِتَأْوِيْلِ السَّلَفِ وَالتَّابِعِيْنَ، وَالْحِكْمَةُ بِمَعْزِلٍ عَنْ تَفْسِيْرِ الْقُرْآنِ، خُصُوصًا مَا كُنْتَ تُؤَوِّلُهُ، وَلَا تُجْمَعُ بَيْنَ الشَّرِيْعَةِ وَالْحِكْمَةِ أَحْسَنَ مِمَّا جَمَعَهُ الْغَزَالِيُّ، فَامْتَلأَ غَضَبًا۔ یہ راستی سے ہٹا ہوا انداز ہے۔ قرآن کی تفسیر وہی ہونی چاہئے جو سلف اور تابعین میں رہی۔ حکمت کا تفسیر قرآن سے کیا تعلق؟ بالخصوص جو آپ معنی لے رہے ہیں۔ آپ غزالی سے بہتر طریقہ نہیں اپنا سکتے جنہوں نے شریعت اور حکمت کو باحسن یکجا کردیا ہے۔ شہرستانی یہ بات سن کر غصے سے بھڑک اٹھے۔

سیدنا عمرؒ بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو یہ جواب دیا جس نے خواہشات یا جومن کہے اس کا سوال کیا تھا:

عَلَيْكَ بِدِيْنِ الصَّبِيِّ الَّذِيْ فِي الْكُتَّابِ والأَعْرَابِ، والْهَ عَمَّا سِوَاهُمَا۔ تم بچے کا طریقہ ہی اپناؤ جس کا ہر لمحہ کتابت سیکھنے میں اور بدوؤں میں گذرتا ہے اور باقی تمام اشغال سے بے پرواہ ہوجاؤ۔ یعنی اسے ذہنی طور پر انہوں نے نابالغ کہا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

مَا قَلَّتِ الآثَارُ فِي قَوْمٍ إِلَّا ظَهَرَتْ فِيْهِمُ الأَهْوَاءُ، وَلَا قَلَّتِ الْعُلَمَاءُ إِلَّا ظَهَرَ فِي النَّاسِ الْجَفَاءُ۔ جب کبھی بھی آثار واحادیث کسی قوم میں کم ہوئیں وہاں اہواء خواہشات نفس ڈیرہ ڈال دیتے ہیں اور جب کہیں علماء کی کمی ہوئی وہاں لوگوں کے مزاج میں ظلم رچ بس جاتا ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ الدِّیْنَ بِالْکَلَامِ تَزَنْدَقَ۔ جس نے دین کو علم کلام کے ذریعے سمجھنا چاہا وہ زندیق بنا۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَکْثَرُ النَّاسِ شَکًّا بِالْمَوتِ أَھْلُ الْکَلَامِ۔ موت کے بارے میں شاکی افراد میں زیادہ تر یہی فلسفی اور کلامی لوگ ہی ہوتے ہیں۔

امام خطابیؒ نے علم الکلام کے بارے میں اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا ہے:

حِجَجٌ تَھَافَتُ کَالزُّجَاجِ تَخَالُھَا حقًّا، وَکُلٌّ کاسِرٌ مَکْسُوْرٌ

بکھری حجتیں ہیں شیشے کی مانند جنہیں تم حق سمجھتے ہو مگر درحقیقت یہ سب ٹوٹی پھوٹی ہیں۔

❸ تفسیر اشاری یا باطنی

اس تفسیر کا دارومدار روایت، رائے یا علم واجتہاد پر نہیں بلکہ الفاظ قرآنی کا جو ظاہری معنی ومفہوم مراد ہے اس سے ہٹ کر یا ترک کر کے اپنے خیال یا فکر کے مطابق جو پوشیدہ معنی مفسر لے اسے تفسیر اشاری یا باطنی کہتے ہیں۔ ایسے معانی روافض اور صوفیا کرام کے ہاں عام رائج ہیں۔ بظاہر اس تفسیر کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے کم اور انہونی چیزوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے۔ عام عقائد واعمال میں بھی یہی اشارے ان کے ہاں چلتے ہیں جو ان روافض وصوفیاء کو سوجھتے یا خواب میں بتائے جاتے ہیں۔ مثلاً أَلَآ إِنَّ أَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ سنو! اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس آیت میں ولی کا اشاری معنی جو زبان زد صوفیاء ہے وہ انسان ہے جو بہت پہنچا ہوا ہو اور جس سے خوارق عادت کرامات ظاہر ہوتی ہوں، جو انہونی کو ہونی کر دے۔ اس لئے ایسے اولیاء کے دس طبقات بنا رکھے ہیں جو غوث، ولی، قطب، ابدال، دستگیر، مشکل کشا، داتا، امام غائب جیسے مناصب کے ذریعے نظام دنیا سنبھالے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب مناصب، عطا کنندہ سمیت ایک اہم راز ہیں جن کی حقیقت سوائے صدری نسخوں کے اور کوئی نہیں۔ اس لئے مسئلہ ولایت دونوں کے ہاں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ دونوں کے ہاں ولی کی افضلیت یا ولایت کا عموماً اشاری یا باطنی معنی یہ لیا جاتا ہے کہ ولایت ایک طویل مگر مسلسل مشقت کی عبادت وریاضت کا نام ہے جو ولی کو مدتوں بعد نصیب ہوتا ہے جبکہ نبوت ایک وہبی چیز ہے جو ولایت جیسی قربانیاں نہیں چاہتی۔ وہ تو اس کے برعکس محض بیٹھے بٹھائے سکون سے نصیب ہو جاتی ہے۔ اس لئے ولایت، نبوت سے افضل ہے۔ **امامت بالاتر است از رتبہ پیغمبری۔**

(حیات القلوب ۳/۱۰۱ از علامہ باقر مجلسی) اسی تعریف کے عملی مظاہرے خانقاہوں، مزاروں، درگاہوں، عرسوں اور چہلموں پر ہی ہوتے ہیں۔ جس نے رسول کے ساتھ عشق کے اضافے کے بعد اس کی اطاعت کی اہمیت ہر اعتبار سے کم کردی ہے۔ اور بقول سیدنا علی رضی اللہ عنہ أتباع کل ناعق ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے لگ جانے والے۔ ولی کی اس تعریف کا یہ تکلف کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی اگر قرآن مجید میں اسی آیت کو ذرا مزید لیا جاتا جہاں اللہ تعالی نے ولی کی تعریف فرمادی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ (یونس: ۶۲، ۶۳) سنو! اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور رب کی نافرمانی سے پرہیز کرتے ہیں۔

جن افراد میں یہی دو نشانیاں ایمان اور تقوی ہوں گے وہی صحیح معنوں میں اولیاء اللہ ہیں۔

اشاری اور باطنی تفسیر کے چند نمونے: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے فتاوی (۷/۱۲۷) میں یہ نمونے موجود ہیں جو قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

صلاۃ سے مراد وہ نماز نہیں جو پڑھی جاتی ہے یا یہ وہ نماز ہے جو عوام کے لئے ہے مگر خواص کے لئے صلاۃ سے مراد۔ ہمارے اسرار کو جاننا، صیام سے مراد ہمارے اسرار کو چھپانا اور حج کرنے سے مراد ہمارے مقدس مشائخ کی زیارت کرنا ہے۔

جنت دراصل دنیا میں خواص کا لذتوں سے متمتع ہونے کا نام ہے اور نار سے مراد اپنے آپ کو شریعت کا پابند کرنا اور اس کے بوجھوں تلے لانا ہے۔ جن انبیاء کرام کو آپ ﷺ نے شب معراج دیکھا وہ آسمان کے ستارے ہیں۔ جس آدم کو آپ ﷺ ملے وہ چاند ہے، یوسف زہرہ ستارہ ہے اور ادریس سورج۔ سیدنا علیؓ باطنی علم کے شہوار تھے۔ ابوبکرؓ ظاہری علم کے۔ جب کہ اہل السنۃ کا اتفاق ہے کہ سیدنا ابوبکر شریعت کے تمام باطنی وظاہری علوم کے گل سرسبد تھے۔

﴿... وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِيْ إِمَامٍ مُبِيْنٍ ۝﴾ (یس: ۱۲) امام سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔۔ ﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِيْ لَهَبٍ وَتَبَّ ۝﴾ (المسد: ۱) دونوں ہاتھوں سے مراد (نعوذ باللہ) سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ﴿... فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ ...﴾ (التوبة: ۱۲) سے مراد طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما ہیں۔ ﴿... وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ ...﴾ (الإسراء: ۶۰) سے مراد خاندان بنوامیہ ہے۔ (نعوذ باللہ)

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ﴾ (التوبۃ:۱۲۳) میں کفار سے مراد۔انسان کا اپنا نفس ہے۔باطنی صوفیاء کے ہاں ﴿اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ ... ﴾ (النازعات:۱۷) میں فرعون سے مراد انسان کا اپنا نفس ہے۔اور﴿... إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ... ﴾ (البقرۃ:۶۷) سے مراد نفس ہے۔یہ بقرہ سے مراد (نعوذ باللہ) سیدہ عائشہ ؓ کو بھی لیتے ہیں۔﴿... فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ... ﴾ (طہ:۱۲) سے مراد دنیا وآخرت کا ترک کرنا ہے۔﴿ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ۝ ﴾ (طہ:۴۱) میں تم ہو جاؤں اور تم میں ہو جاؤ۔﴿... وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت: ۶۹) اللہ تعالی نیک لوگوں میں چمکتا ہے۔

معنویت سے عاری یہ تفسیر اکثر اوقات قرآن کے مقاصد سے ہٹی ہوئی اور صوفیانہ موشگافیوں سے پر ہوتی ہے جسے وہی جان سکتا ہے جو باطنی مزاج کے ساتھ تصوف ورفض پر دسترس رکھتا ہو۔واضح سی بات ہے کہ ایسا باطنی یا اشاری علم اگر شریعت کے ظاہری علم کے خلاف ہے تو پھر یہ یا تو جہالت وگمراہی ہے یا پھر زندیقیت والحاد۔قرآن تو پھر کھیل تماشا بن گیا۔ایسے معانی کے بعد کون قرآن کے شرعی احکام سمجھے گا؟ اور کیا یہ تفسیر مسلمانوں کو باہم مل بیٹھنے دے گی؟ شرعاً کوئی مسلمان باطنی علم پر ایمان لانے کا مکلّف نہیں ہاں اسے علم غیب پر ایمان لانے کا ضرور کہا گیا ہے۔اس لئے قرآن وحدیث کی تفسیر صحابہ وتابعین کے ظاہری علم سے ہٹ کر کرنا گویا اللہ تعالی پر افتراء باندھنا، کلام اللہ میں تحریف کا ارتکاب کرنا اور الحاد کو دعوت دینا ہے۔سنن الترمذی (۲۹۵۰) میں یہ ارشاد رسول ﷺ ہے:

> مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔جس نے قرآن مجید میں بغیر علم کے کوئی بات کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔

خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

> أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِيْ وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِيْ إِذَا قُلْتُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَمْ أَعْلَمْ۔(الفتاوی الکبری۷/۱۹۹) کونسی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا جب میں کتاب اللہ کے بارے میں ایسی بات کہہ دوں جو میں نہیں جانتا۔

کتب تفسیر اشاری وباطنی: ان کتب میں بعض مؤلفین نے قدیم وجدید باطنی تفاسیر کی طرح تفسیر کا تو دعوی کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کفریہ عقائد لئے پھرتی ہیں۔بعض اشاری تفاسیر ایسی ہیں جن میں لفظ کے ظاہری معنی سے ہٹ کر دوسرے معانی لئے گئے ہیں ان میں کچھ تو صحیح ہوتے ہیں اور کچھ خطأ سے پر۔ایسی کتب درج ذیل ہیں:

تفسیر نیسابوری: یہ دراصل امام رازی کی تفسیر کا اختصار ہے جس میں صوفی تفسیر اور ان کی وجدانیات کو نمایاں کیا گیا

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

ہے۔مؤلف تفسیر آیت کے بعد واضح عبارت میں یہ تک نہیں بتاتے کہ یہ اشارہ کس کا ہے بس اشاری معنی بتا دیتے ہیں جیسے ﴿إن اللّٰه يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ وہ لکھتے ہیں: تأویل: گائے ذبح کرنا یہ اشارہ ہے کہ نفس بہیمی کو ذبح کیا جائے کیونکہ اس کے ذبح میں ہی قلب روحانی کی حیات ہے۔اور یہی جہاد اکبر ہے کہ موتوا قبل أن تموتوا۔مرجاؤ اس سے پہلے کہ تم مرو۔

تفسیر تستری: یہ محمد بن سہل التستری (م:۳۸۳ھ) کی تفسیر ہے۔یہ گو مکمل تفسیر نہیں مگر اس میں صوفی وجدانیات اور اشارات و خیالات ہیں۔بسم اللہ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں: بسملہ میں باء سے مراد بہاء اللہ ہے اور سین سے سناء اللہ، میم سے مجد اللہ، اور اللہ اسم اعظم ہے جس نے تمام اسماء کو گھیر رکھا ہے۔اس میں الف لام کو بھی بیان کیا اور بتایا کہ لفظ اللہ: حرف مکنی ہے جو غیب سے غیب کی طرف جا رہا ہے اور ایک راز سے راز کی طرف۔جو ایک حقیقت کی حقیقت ہے اور حقیقت کی طرف ہے۔یہ نمونہ تفسیر ہے۔

تفسیر **الفتوحات المکیه**: از ابن عربی: محی الدین ابن عربی (م:۶۳۸ھ) صوفی، المعروف بہ شیخ الاکبر کی یہ تالیف ہے۔انہوں نے اپنی تفسیر کا آغاز ہی رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب اس موضوع حدیث سے کیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

> مَا مِنَ الْقُرآنِ آيَةٌ إِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ۔قرآن کی کوئی آیت نہیں مگر اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

پھر لکھتے ہیں: میں اس حدیث سے یہ سمجھا کہ ظاہر سے مراد اس کی تفسیر ہے اور باطن سے مراد اس کی تاویل، اور حد وہ ہے جہاں کلام کے معنی سے ماخوذ علم جا کر ختم ہو جائے اور مطلع وہ جس کی طرف اس لفظ کے ذریعے سے بلندی پر چڑھا جائے تا کہ ملکِ علام کے شہود یعنی حاضری پر وہ مطلع ہو۔ان کی تفسیر کا ایک نمونہ یہ ہے:

﴿ولسليمٰن الريح..﴾ یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے عملی عقل کو مسخر کر دیا۔جو سینے میں نفس کے عرش پر متمکن ہو گئے۔خواہشات کی ہوا اپنی رفتار میں عاصفہ ہوتی ہے وہ پھر اس کے حکم سے اس بدن کے طرف چلتی ہے جو اطاعت اور ادب کا تربیت یافتہ ہوتا ہے۔

تفسیر آلوسی: علامہ محمد آلوسی (م:۱۲۷۰ھ) کی روح المعانی کے نام سے یہ تفسیر تیس جلدوں میں ہے۔یہ تفسیر ماثور، معقول اور اشاری کا مجموعہ ہے۔

تفاسیر اشاری کے یہ نمونے، ظاہر ہے مراد الٰہی نہیں ہیں بلکہ دلی رجحانات ہیں ان کا مطالعہ قاری کو یہی باور کرواتا ہے کہ کتاب

وسنت یا دین اسلام محض سوانح اور واردات قلبیہ کا نام ہے نیز دینی معاملات محض تخیلات ہیں۔اس لئے اسلامی تعلیمات کا یا عربی لغت کا پابند ہونا ضروری نہیں۔مزید برآں ریاضتوں کے ذریعے وصل خدا پا لینے والے شرعی پابندی کے مکلّف نہیں۔ بتایئے! ایسی طریقت، شریعت کا تحفظ کہاں کرسکتی ہے؟

تفسیر از لغت عرب کیا ایک اہم مصدر ہے؟: بعض مفسرین میں لغت عرب سے تفاسیر کرنے کا رجحان بھی غالب نظر آتا ہے۔ یہ تفسیر اس وقت تو قبول کی جاسکتی ہے جب قرآن وحدیث یا اقوال صحابہؓ میں اس آیت کی تفسیر موجود نہ ہو۔ اور معروف ومتداول، رائج اور شائع معنوں کے مطابق ہو۔لیکن یہ ظلم ہوگا کہ ان تمام ذرائع کو ترک کر کے صرف لغت عرب کا سہارا لیا جائے۔ یہی وجہ ہے تفسیر بالرائے شاذ ہونے کی وجہ سے مردود قرار پاتی ہے اور عام عرب کے فہم سے بھی باہر ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو عربی زبان میں وسعت ہے۔اس میں حقیقت، مجاز، استعارہ اور کنایہ کے پائے جانے کی وجہ سے کسی بھی لفظ کے لئے یہ قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ لفظ سے جو معنی ہم مراد لے رہے ہیں کیا واقعی متکلم کا مقصود بھی یہی ہے۔ پھر ائمہ لغت تو عادتاً یہ کرتے ہیں کہ وہ تمام مستعمل معانی کو جمع کر دیتے ہیں اور حقیقی وغیر حقیقی معنی میں امتیاز تک نہیں کرتے۔غرضیکہ لغت کا یہ پورا کارخانہ اول تا آخر ظنی ہی ظنی ہے۔

لغت کے تغیرات میں محاورات کی صبح وشام تبدیلی نے دال اور مدلول یعنی لفظ اور اس کے معنی میں شکوک واوہام کی اور بھی کئی راہیں کھول دی ہیں۔اس لئے لغت کو کتاب وسنت کی صف میں کھڑا کرنا مشکل ہے۔ یہ قاعدہ ہے کہ اگر ائمہ لغت کی تصریحات، شرعی منقولات سے متعارض ہوں تو ترجیح، منقولات شرعیہ کو ہوگی۔

مزید یہ کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کبارؓ، لغت عربی کو آج کے متجددین ومجتہدین سے بہتر سمجھتے تھے۔اس لئے بلحاظ لغت انہی کو ہی فوقیت حاصل ہوگی۔ اسی طرح ائمہ لغت کو تقوی وخیر میں وہ مقام حاصل نہیں جو فقہاء ومحدثین کو حاصل ہے۔ ان کے استشہادات جس قسم کے اشعار اور استعارات سے پر ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علم دین کی مجالس میں ان کی حیثیت دو کوڑی کے برابر بھی نہیں۔ چاہے وہ زمخشری اور جاحظ جیسے لغت وادب کے امام ہی کیوں نہ ہوں۔

پھر ائمہ لغت نے جو معانی بیان کیے ہیں ان کی کوئی سند نہیں۔ اصمعی، ابن الانباری، مبرد، جاحظ وزمخشری لفظ کے معنی کا اپنا اپنا سماع تو ذکر کر دیتے ہیں مگر اس کی سند کیا ہے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔جس پر کم از کم بوقت ضرورت تنقید تو کی جاسکے اور غلط اور صحیح

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

میں امتیاز کیا جا سکے۔ کیا آج کے بعض مفسرین کے ہاں ائمہ لغت کا یہ سماع تو اتر کا مقام رکھے اور ائمہ حدیث کی اسانید کمزور اور ناقابل اعتبار ٹھہریں۔ایں چہ بوالعجبی است۔

لغت عرب، سنت کی مقابل نہیں: علوم لغت کو ان کی انتہائی اہمیت کے باوجود علوم سنت کا مدمقابل نہیں گردانا جا سکتا۔ جس لغت پر احوال وحوادث کا اثر ہو، جس کی نقل غیر موثوق ذرائع سے ہو، وہ یقیناً کسی طرح بھی سنت رسول ﷺ اور آثار سلف کی حریف بننے کی اہل نہیں۔ یہ دعویٰ آج کے علمی انحطاط کے دور میں کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زمخشری، جاحظ اور دیگر ائمہ معتزلہ نے بعض احادیث پر اپنے اپنے ادوار میں تنقید کی جرأت تو کی مگر انکار حدیث کا حوصلہ ان حضرات کو کبھی نہیں ہوا۔

کتب لغت بہرحال کتب لغت ہیں۔ان سے الفاظ کا معنوی حل تو مل سکتا ہے مگر وہ قرآنی تصورات کی وضاحت سے بہرصورت قاصر ہیں۔ جن لوگوں نے محض لغت کے سہارے پر تفسیر کی ہے انہوں نے قرآن کا مفہوم متعین کرنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ زمخشری کا اعتزال، علم سے متصف تھا جب کہ آج کا اعتزال، عقل پر اعتماد، علم سے عاری اور تلبیس ابلیس میں شاطر نظر آتا ہے۔ جس طرح پہلے دور میں قرآن کو اسرائیلیات کے لئے تختہ مشق بنانے کی کوشش کی گئی اسی طرح آج کے دور میں لغت کی آڑ میں انکار وتحقیر حدیث اور قرآن کے من مانے مفاہیم کے ذریعے لادینی افکار ونظریات کو اپنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تفسیر القرآن سرسید کی ہو یا بیان القرآن پرویز کی ان دونوں کی اساس بھی اس قسم کے نظریات پر رکھی گئی ہے۔ علامہ طبریؒ لکھتے ہیں:

> مفردات قرآن کے معانی معلوم کرنے کے لئے لغت کی طرف تو رجوع کیا جا سکتا ہے مگر کسی آیت کے مفہوم کو متعین کرنے کے لئے بہرحال وحی الٰہی اور سنت کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں۔(مقدمہ تفسیر طبری)

تفسیر اور اسرائیلی روایات: اسرائیلیات سے مراد وہ اخبار وواقعات ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں سے (زیادہ) اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچے ہیں۔ان واقعات کی تین قسمیں ہیں:

① **پہلی قسم:** وہ جنہیں اسلام نے برقرار رکھا اور گواہی دی کہ یہ سچی خبر ہے۔ جیسے صحیح بخاری (۴۸۱۱) میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی حبر (عالم) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! ہم اپنے ہاں پاتے ہیں کہ اللہ تعالی تمام آسمانوں کو ایک انگلی پر، تمام زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی وپانی کے نیچے ثری کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک اور انگلی پر کرلے گا۔ اور پھر فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ۔ حبر کی اس بات کو سن کر رسول اکرم ﷺ اس قدر مسکرائے کہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

آپ ﷺ کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں کیونکہ وہ تصدیق تھی۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْأَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾ (الزمر: ٦٧) نہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ جبکہ ساری زمین روز قیامت اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، اللہ تعالی پاک ہے اور بلند تر ہے ان سے جنہیں وہ اس کا شریک بناتے ہیں۔

وہ اسرائیلی روایات بھی سچی ہیں جو قرآن وسنت سے ہم آہنگ ہیں مثلاً: غرقابی فرعون یا سیدنا موسیٰ کا طور پر تشریف لانا۔

② **دوسری قسم**: ایسی اسرائیلی روایات جن کو اسلام نے ناپسند کیا اور ان کے باطل ہونے کی شہادت دی۔ مثلاً اہل کتاب کا یہ کہنا: سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جادو کا علم خود سیکھا اور کفر کیا تھا۔ قرآن کہتا ہے: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا ...﴾ (البقرۃ: ١٠٢) سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیطان صفت لوگ خود اس کے مرتکب ہوئے۔

یا یہ روایت کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کیا۔ یا اسے مختلف طریقوں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ جب کہ قرآن انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم گردانتا ہے۔ یا وہ حدیث جسے امام بخاری نے اپنی صحیح (۱۴۳۵) میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے یہود کہا کرتے اگر آدمی اپنی بیوی سے پیچھے کی جانب سے جماع کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے تو یہ آیت اتری ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ...﴾ (البقرۃ: ٢٢٣): حرث کیا ہے؟ اور انسانیت کیا ہے؟ اس آیت نے واضح کر دیا۔

③ **تیسری قسم**: وہ اسرائیلی روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت بالکل خاموش ہیں۔ جیسے کہ تورات وغیرہ کے احکام۔ ایسی روایات کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی تعلیم ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے۔ نہ ان کی تصدیق کی جائے اور نہ ہی تکذیب۔ صحیح بخاری (۴۴۸۵) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے مگر مسلمانوں کے سامنے اس کی تفسیر عربی میں کرتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب بلکہ تم سب مسلمان یہ کہو: ﴿... وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِيْ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ ...﴾ (العنکبوت: ٤٦) کہو! ہم ایمان لائے اس پر جو اتارا گیا ہماری طرف اور جو اتارا گیا تمہاری طرف۔ ہاں ان کو نقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ یہ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

معاملہ بین بین ہے۔اگر تصدیق کی جاتی ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ بات محرف ہو اور اگر تکذیب کی جاتی ہے تو ممکن ہے کہ وہ بات کسی حد تک سچی ہو۔ ہاں عبرانی زبان کی معرفت کے بعد اس روایت کو مزید جانچا جا سکتا ہے۔امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں انہی اصولوں کو سامنے رکھ کر اسرائیلیات کو پرکھا ہے۔

ابتداءً چند مفسرین کے ہاں ایسی اسرائیلیات، ان کی تفاسیر میں در آئیں۔بعض اہل کتاب حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔انہوں نے قرآن مجید کو پڑھا اور سمجھا تو پچھلی قوموں کے واقعات قرآن میں پائے جو ان کی سابقہ مذہبی کتب میں موجود تھے۔مگر جیسا کہ قرآن بھی شاہد ہے کہ اہل کتاب نے ان واقعات میں بہت سے سابقے اور لاحقے شامل کر دیے تھے۔ چنانچہ یہ نومسلم ان شنیدہ واقعات کی تفاصیل اہل اسلام کے سامنے بیان کرتے جو بعد میں کتب تفاسیر میں آتے گئے۔

تجزیہ: کیا یہ واقعات درست مانے جائیں۔یا اسرائیلیات سمجھ کر رد کر دیے جائیں؟ ان تینوں اقسام کو ہم سامنے رکھ کر کہہ سکتے ہیں۔روایات کی پہلی قسم تو قابل قبول ہے۔دوسری قطعاً قبول نہیں کی جا سکتی۔جبکہ تیسری کو اگر قبول بھی کر لیا جائے تو بھی اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔اس لئے کہ ہماری شریعت اب مکمل ہے اسے ان سہاروں کی ضرورت نہیں۔نیز یہ روایات شرعی اعتبار سے حجت نہ ہونگی۔ ہاں ہماری شریعت ان کی تائید کر دے گی نہ کہ وہ ہماری شریعت کی۔

باقی دینی معاملات میں اہل کتاب سے سوال کرنا علماء امت کے نزدیک حرام ہے۔۔مسند احمد (۳/ ۳۳۸، ۳۸۷) میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب سے کچھ بھی سوال نہ کیا کرو اس لئے کہ وہ تمہیں صحیح راہ دکھا ہی نہیں سکتے جبکہ وہ خود گم راہ ہو چکے ہیں۔ یا تم باطل کی تصدیق کرو گے یا حق کی تکذیب۔سنو! اگر موسی علیہ السلام بھی آج تمہارے درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی یہی جائز تھا کہ وہ میری ہی پیروی کریں۔

صحیح بخاری (۲۶۸۵، ۶۹۲۹) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جماعت مسلم! تم اہل کتاب سے کیسے کچھ پوچھ سکتے ہو جبکہ تمہاری وہ کتاب جسے اللہ تعالی نے تمہارے نبی پر اتارا ہے جو صرف تازہ دم اخبار الہیہ کو تمہیں پیش کر رہی ہے اور جو ابھی پرانی نہیں ہوئی۔اللہ تعالی نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل دیا تھا اسے اپنے ہاتھ سے انہوں نے لکھا۔پھر کہا: کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تا کہ وہ اس سے کچھ دنیاوی فائدہ اٹھائیں۔کیا اس نے تمہیں روکا نہیں کہ ان سے سوال کرنے سے تمہارے پاس علم حقیقی نہیں آئے گا۔تو کیوں؟ بخدا ہم نے تو یہ نہیں دیکھا کہ ان کا کوئی فرد تم سے جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کے بارے میں پوچھتا ہو؟

اسرائیلیات کے بارے میں علماء کا موقف: کیا ایسی روایات بیان کی جائیں؟ اس بارے میں علماء مفسرین کا اختلاف ہے اور تین انداز سے ہے۔

۱۔ کچھ مفسرین نے تو ان روایات کو اسانید سمیت اپنی تفاسیر میں خوب استعمال کیا ہے یہ سوچتے ہوئے کہ جب سند روایت کر دی تو اب ہماری ذمہ داری نہیں۔ امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں یہی اصول اپنایا ہے۔

۲۔ بعض نے ان روایات کا بکثرت استعمال کیا جن کا غالب حصہ اسانید سے خالی ہے۔ یہ حاطب لیل تھے جیسے امام بغویؒ کی تفسیر کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابنؒ تیمیہ فرماتے ہیں: ان کی یہ کتاب ثعلبی کی کتاب کا اختصار ہے مگر انہوں نے اپنی اس تفسیر کو موضوع احادیث اور بدعی آراء سے بچالیا ہے۔ ثعلبیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: وہ حاطب لیل تھے اپنی تفسیر میں انہوں نے ہر وہ بات لکھ دی ہے جو صحیح تھی، ضعیف تھی یا موضوع تھی۔ (فتاوی ۱۳/۳۰۴)

۳۔ مفسرین میں کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسرائیلیات کا بہت ذکر کیا اور ان میں بعض کا تعاقب بھی کرتے ہوئے ان کے ضعیف یا منکر ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ انداز ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر کا ہے۔

۴۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسرائیلیات کو رد کرنے میں بڑی شدت سے کام لیا ہے بلکہ اپنی تفسیر میں اسرائیلیات کی بو تک نہیں آنے دی۔ جیسے علامہ رشید رضا کی تفسیر۔

یہ بھی یاد رہے کہ اہل سنت کی مسلمہ تفاسیر میں صحیح احادیث کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں۔ اس لئے مشکل یہ ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں مستند صحیح حدیث مل جائے۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر اس کی شاہد ہے۔ علمائے تفسیر نے احادیث کے بعد آثار اور ان میں پھر اسرائیلیات کا ذخیرہ بھی جمع کر دیا ہے۔ اس تمام ذخیرہ ومواد کو ائمہ حدیث کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق پرکھ کر ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ علماء متقدمین کا اس معاملہ میں یہی معمول رہا تھا۔ ہاں اسرائیلیات کی تائید اگر نصوص سے ہو جائے تو انہیں نصوص کی تائید سمجھنا چاہئے ورنہ ان سے کچھ ثابت کرنا یا انہیں حجت سمجھنا درست نہیں۔

چند مفسر صحابہ وتابعین: صحابہ کرام کی ایک قابل قدر تعداد تفسیر قرآن میں مشہور تھی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان میں خلفاء اربعہ کو بھی شامل کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پہلے تین خلفاء امور خلافت میں مصروف رہے جس کی وجہ سے ان کی تفسیری روایات زیادہ نہیں نیز دیگر مفسر صحابہ بھی موجود تھے۔ اہم مفسر صحابہ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا علیؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ، اور تابعین میں مجاہدؒ، عکرمہؒ، قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ، وغیرہ ہیں۔ ان کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: خلیفہ راشد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ رسول اکرم ﷺ کے چچا زاد ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے عیالدار چچا سے سیدنا علیؓ کو ان کے بچپن میں ہی اپنی پرورش میں لے لیا تھا۔ پھر ان سے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کردی۔ سب سے پہلے بچے تھے جو آپ ﷺ کے گھر والوں میں آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔ سیدنا علیؓ کی کنیت ابوتراب اور ابوالحسن تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی اور اکثر غزوات میں جھنڈا انہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں گھر کی دیکھ بھال کے لئے غزوہ تبوک میں جانے سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے روکا: أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (صحیح بخاری: ۶۲۱۸)۔ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے بن جاؤ جیسے ہارون علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھے بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

دو گروپ ان کی دیندار شخصیت، قرابت داری رسول کی وجہ سے فتنے کا شکار ہوگئے ہیں۔ ناصبی اور روافض۔ ناصبیوں۔۔عبداللہ بن اباض کی طرف منسوب۔۔ نے ان کی مخالفت پر قسم کھا رکھی ہے اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ ان کے مناقب کو بیان ہی نہ کریں۔ انہوں نے اپنے مخالف اہل قبلہ کو کافر کہا اور مرتکب کبیرہ کو موحد نہ کہ مومن۔ کیونکہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔ دوسری طرف روافض ان سے اپنی مزعومہ محبت میں غلو کا شکار ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ لی ہیں جن کی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو ضرورت ہی نہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ باتیں ان کے مناقب نہیں بلکہ مثالب ہیں۔ اہل سنت کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو سے پاک بڑا معتدل نکتہ نظر ہے۔

شجاعت، پاکیزگی نفس اور علمی ذکاء میں لاثانی تھے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے، امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بعض بڑے مشکل فیصلوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے۔ جیسے نحوی کسی لاینحل گرامر کے مسئلے میں کہا کرتے ہیں: قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَهَا۔ یہ تو ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے کوئی ابوالحسن نہیں۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہی مروی ہے۔ فرماتے ہیں: لوگو! کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے پوچھ لو، بخدا کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ وہ رات کو اتری یا دن کو۔ سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں: جب ہمیں علی رضی اللہ عنہ کی **Stamped** بات مل جاتی تو ہم پھر اس سے نکلتے نہیں تھے۔ یہ بھی ان کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے کہ میں نے جو کچھ بھی تفسیر قرآن کا علم حاصل کیا ہے وہ بھی سیدنا علیؓ سے ہی سیکھا ہے۔ اس شوری کے ممبر تھے جنہیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کی تعیین کے لئے تجویز کیا تھا۔ انہیں خلیفہ بننے کی آفر سیدنا عبدالرحمن بن

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

عوف نے کی مگر چند شروط کی وجہ سے وہ اسے قبول نہ کر سکے۔ پھر سیدنا عثمانؓ کی بیعت ہوئی جن کی سیدنا علی اور دیگر صحابہ کرام نے بھی بیعت کی۔ پھر شہادت عثمانؓ کے بعد ان کی بیعت ہوئی۔ کوفہ میں ۱۷ رمضان سن ۴۰ ہجری کو شہید کر دئے گئے۔ تین مشہور اسانید کے ذریعے سیدنا علی کی تفسیری روایات قابل اعتماد ہیں۔

۱۔ ہشام، محمد بن سیرین سے، وہ عَبِیْدہ السلمانی سے اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے۔ یہ وہ روایات ہیں جنہیں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔

۲۔ ابن ابی الحسین، ابوالطفیل سے، وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے۔ اس سند کی روایات بھی صحیح ہیں جنہیں امام سفیان بن عیینہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

۳۔ زہری، علی بن زین العابدین سے، وہ اپنے والد حسین سے، یہ سند بہت ہی صحیح تھی مگر زین العابدین سے بہت سے دیگر ضعفاء اور کذاب لوگوں نے روایت کر کے اس کی اصل شکل کو مسخ کر دیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: آپ عبداللہ بن مسعود بن غافل، ہذیل قبیلے سے ہیں آپؓ کی والدہ ام عبد کے نام سے مشہور صحابیہ ہیں کبھی کبھی ان کی طرف بھی منسوب کئے جاتے ہیں۔ سابقین اسلام میں چھٹے فرد تھے۔ دو ہجرتیں کیں، بدر میں حاضر تھے اور بعد کی غزوات میں بھی۔

انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے خود ستر سے زائد قرآنی سورتوں کو سیکھا۔ آپ ﷺ نے انہیں شروع اسلام میں فرما دیا تھا: إنك غلام معلَّم۔ تم تو سیکھے سکھائے لڑکے ہو۔ (مسند احمد: ۱/۳۷۹، ۴۶۲) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: جو یہ چاہتا ہے کہ قرآن کو اس تازگی کے ساتھ سیکھے جس طرح قرآن اترا ہے تو وہ ابن ام عبد کی قراءت سے سیکھ لے۔ (ابن ماجہ: ۱۳۸)

صحیح بخاری (۵۰۰۰) میں ہے ابن مسعودؓ نے فرمایا: اصحاب رسول کو یہ علم ہے کہ میں کتاب اللہ کے بارے میں سب سے زیادہ جانتا ہوں بخدا! جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کتاب اللہ کی کوئی ایسی نازل کردہ سورۃ نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ کہاں اتری، اور نہ ہی کوئی ایسی آیت ہے جسے میں نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں اتری۔ اگر میں کسی کے بارے میں یہ جان لوں کہ وہ کتاب اللہ کا علم مجھ سے زیادہ رکھتا ہے تو میں اونٹ پر سوار ہو کر بھی اس کے پاس جانا پڑے تو جاؤں گا۔

ابن مسعودؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ آپ ﷺ کے نعل مبارک، وضوء کے پانی کا

برتن اور تکیہ وغیرہ اٹھانے والے خدمت گاروں میں سے تھے۔ابوموسیٰؓ اشعری فرماتے ہیں: میں اور میرا بھائی ہم دونوں یمن سے آئے۔تھوڑی دیر ہم مسجد میں ٹھہرے۔ہم نے دیکھا جس طرح ابن مسعودؓ اور ان کی والدہ بیت رسول میں آ جا رہے تھے ہمیں تو یوں محسوس ہوا کہ ابن مسعودؓ اہل بیت میں سے ہیں۔(صحیح بخاری:۲۴۶۰)

سیدنا عمرؓ بن خطاب نے انہیں کوفہ بھیجا تا کہ اہل کوفہ کو دینی امور کی تعلیم دیں اور یہ لکھا: وَقَدْ آثَرْتُكُمْ بِعَبْدِ اللّٰهِ عَلَى نَفْسِي۔ عبداللہ کو اپنے سے بڑھ کر تمہارے لئے ترجیح دی ہے۔۔ساتھ ہی سیدنا عمارؓ کو ان کا گورنر بنا کر روانہ کیا اور فرمایا: یہ دونوں اصحاب محمد ﷺ میں سے چنے ہوئے لوگ ہیں ان کا کہنا ماننا اور اقتداء کرنا۔پھر سیدنا عثمانؓ نے ابن مسعودؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا، پھر انہیں سبکدوش کر کے فرمایا کہ آپ واپس مدینہ آجائیں۔باقی عمر انہوں نے وہیں گذاری۔سن ۳۲ ہجری کو ستر سال سے زائد کی عمر میں فوت ہوئے اور بقیع میں ان کی تدفین ہوئی۔

بہت سی تفسیری روایات منقول ہیں جن کی تعداد سیدنا علیؓ کی مرویات سے زیادہ ہے۔ان کی وہی روایت زیادہ قابل اعتماد ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں بیان فرمائی ہیں۔مشہور تابعی مسروق بن الاجدعؒ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے سامنے ایک سورت پڑھتے اور دن کا بیشتر حصہ اس کی تفسیر میں اور اس کے بارے میں احادیث بیان کرنے میں صرف فرما دیتے تھے"۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرح یہ بھی رسول اکرم ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں۔ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔رسول اکرم ﷺ کی صحبت کو بچپن سے ہی انہوں نے تھاما۔ان کی پھوپھی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے تھیں۔رسول اکرم ﷺ نے ایک بار انہیں اپنے سینے سے لگایا اور دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ۔اے اللہ! اسے حکمت سکھا دے۔ایک روایت میں حکمت کی جگہ الکتاب کے لفظ آئے ہیں۔(صحیح بخاری:۳۷۵۶) آپ ﷺ نے انہیں ایک بار یہ دعا بھی دی جب وہ آپ ﷺ کے لئے وضوء کا پانی رکھ رہے تھے اَللّٰھُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (صحیح بخاری:۱۴۳)

اس دعا کی برکت سے تفسیر وحدیث کو سکھانے اور پھیلانے کی وجہ سے امت کے حبر (عالم) کہلائے۔اللہ تعالی نے انہیں علم کا شوق دے دیا، جس کی طلب میں انہوں نے ہمت وکوشش کی اور اس راہ میں آنے والی تکلیف پر صبر کیا۔اس طرح انہیں ایک ایسا علمی مقام ومرتبہ حاصل ہوگیا کہ سیدنا امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ اپنی مجالس میں بٹھاتے اور ان کی رائے لیا کرتے۔مہاجر صحابہ عرض کرتے آپ ہمارے بیٹوں کو کیوں نہیں اجازت دیتے؟ انہیں فرماتے: ذَاكُمْ فَتَى الْكُهُولِ، لَهُ

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

لِسَانٌ سَؤُوْلٌ، وَقَلْبٌ عَقُوْلٌ۔ یہ پختہ نوجوان ہے اس کی زبان علم میں بہتی ہے اور دل بڑا سمجھدار ہے۔ پھر انہیں ایک روز بلوایا ابن عباسؓ کو بھی بٹھایا تا کہ انہیں بتائیں کہ میں نے ابن عباسؓ میں کیا دیکھا ہے؟ سیدنا عمرؓ نے اہل مجلس سے پوچھا: اس سورت کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾ (النصر: ۱) حتی کہ تمام سورت ختم کی۔ کسی نے کہا: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالی ہمیں فتح نصیب فرمائے تو ہم اللہ تعالی کی حمد کریں اور استغفار کریں۔ اور کچھ خاموش رہے۔ سیدنا عمرؓ نے ابن عباسؓ سے فرمایا: کیا ان کا کہنا درست ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو بتا دی کہ جب فتح مکہ ہو جائے تو یہ علامت ہے آپ ﷺ کے آخری وقت کے قریب ہونے کی۔ لہذا حمد و تسبیح میں آپ مشغول ہو جایئے اور استغفار کیجئے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم جانتے ہو۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں فرمایا کرتے:

إِنَّكَ لَأَصْبَحُ فِتْيَانِنَا وَجْهاً، وَأَحْسَنُهُمْ خُلُقاً، وَأَفْقَهُهُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالَى۔ تم ہمارے جوانوں میں زیادہ بارونق چہرے والے ہو، اخلاق میں سب سے بہترین ہو اور کتاب اللہ کے بارے میں سب نوجوانوں سے بڑھ کر فقیہ ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لَنِعْمَ تَرْجُمَانُ الْقُرآنِ اِبْنُ عَبَّاسٍ، لَو أَدْرَكَ أَسْنَانَنَا مَا عَاشَرَهُ مِنَّا أَحَدٌ۔ قرآن کے کتنے بہترین ترجمان ہیں اگر وہ ہماری عمر پالیں تو ہم میں کوئی بھی ان کے ہم مثل نہ ہو۔

اس قول کے بعد وہ چھتیس سال زندہ رہے۔ بعد میں انہوں نے کتنا علم حاصل کیا اور بڑھایا ہوگا؟ ابو وائل کہتے ہیں: سیدنا عثمانؓ ذوالنورین نے انہیں سن ۳۵ ھ میں موسم حج کا نگران مقرر فرمایا۔ وہاں انہوں نے سورہ نور یا بقرۃ کو پڑھا پھر اس کی ایسی تفسیر فرمائی کہ مجھے خیال آیا ایسی تفسیر میں نے کبھی بھی ان سے نہیں سنی اگر اسے اہل فارس، رومی یا ترک سن لیں تو وہ بھی اسلام لے آئیں۔

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ جب ان کی شہادت ہوئی تو یہ سب کچھ چھوڑ کر حجاز واپس آ گئے اور مکہ میں رہنے لگے۔ پھر وہاں سے طائف تشریف لائے جہاں سن ۶۸ ھ میں اکہتر سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباسؓ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے:

جب رسول اکرم ﷺ فوت ہو گئے تو میں نے ایک انصاری دوست سے کہا: آ ؤ! بزرگ صحابہ سے ہم کچھ علم حاصل کر لیں۔ اس

نے مجھے کہا: يَا عَجَبًا لَّكَ يَا ابْنَ عَباسٍ! أَتَرَى النَّاسَ يَفْتَقِرُونَ إِلَيكَ وَفِي الناسِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَنْ فِيْهِم! بڑی عجیب بات ہے ابن عباس! آپ کیا سمجھتے ہیں صحابہ کی اتنی بڑی تعداد کے ہوتے ہوئے لوگ آپ کے ضرورت مند ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا اور خود اصحاب رسول کے پاس آنے جانے لگا۔ اگر مجھے کسی صحابی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ ان کے پاس حدیث رسول ہے تو میں ان کے دروازے پر آتا اور وہ قیلولہ کر رہے ہوتے تو اپنی چادر لپیٹ کر دروازے پر بیٹھ جاتا۔ اس دوران ہوا اپنی مٹی اٹھا اٹھا کر مجھ پر بکھیرتی۔ وہ جب باہر نکلتے اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو کہتے: اوہ! ارسول اللہ کے چچازاد آپ؟ خیریت! کیسے آپ آئے؟ کیوں نہ آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا؟ میں کہتا: نہیں۔ ضرورت مند میں ہوں اس لئے مجھے آنا چاہئے۔ پھر میں ان سے حدیث کے بارے میں پوچھتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

> فَعَاشَ هَذَا الرَّجُلُ الأنصارِي حَتّى رَآنِي وَقَدِ اجْتَمَعَ حَوْلِي النَّاسُ يَسْأَلُونِّي، فَيَقُول: هَذَا الفَتَى كَانَ أَعْقَلُ مِنِّي ۔ یہ انصاری صحابی زندہ رہے۔ حتی کہ انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا کہ لوگ میرے اردگرد بیٹھے علم پوچھ رہے ہیں تو یہ کہا کرتا: یہ اللہ کا بندہ مجھ سے زیادہ عقل مند تھا۔

سیدنا ابن عباسؓ کو تفسیر قرآن میں امام المفسرین ہونے کا امتیازی مقام حاصل ہے۔ اس لئے کہ سب سے زیادہ تفسیر اقوال انہی سے مروی ہیں۔ ان میں ایک بڑا حصہ ضعیف ہے جن کا جانچنا نہایت ضروری ہے۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ: سیدنا ابی بن کعبؓ انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ ستر انصار کے ساتھ بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے تھے۔ کاتب وحی بھی تھے آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ ﷺ سے پڑھنا، سننا اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ علم، ورع اور زہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے ایک بار ابی کو بلوایا اور فرمایا:

> أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ، قَالَ: آللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ؟ قَالَ: اَللّٰهُ سَمَّاكَ لِيْ، فَجَعَلَ أُبَيٌّ يَبْكِيْ۔ اللہ تعالی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن پڑھوں۔ انہوں نے عرض کی: کیا اللہ تعالی نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جی ہاں! اللہ تعالی نے مجھے تمہارا نام لے کر کہا ہے۔ ابی اس بات کو سن کر رونے لگے۔

مسروق کہتے ہیں: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں چھ لوگ ہوا کرتے۔ ان میں علی، عبداللہ، ابی، ابوموسی اور زید رضی اللہ عنہم خود ان سمیت شامل تھے۔ سیدنا فاروق اعظم نے ان کا نام سید المسلمین رکھا ہوا تھا۔ سیدنا عثان رضی اللہ عنہ نے

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

انہیں قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔

وحی لکھنے کے بعد یہ ضرور رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کے بارے میں سوالات کرتے اس طرح آپ ﷺ کی تفسیر کے بڑے اہم مفسر تھے۔ آپؓ پہلے مفسر ہیں جن کی تفسیر کتابی صورت میں مرتب ہوئی۔ (الاتقان) مدینہ منورہ میں سن ۳۶ ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

تابعین کرام میں ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی، محمد بن کعب القرظی، علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع اور عامر شعبی رحمہم اللہ خاصے مشہور مفسرین ہیں۔ ان میں مکی تابعی مفسر سیدنا ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اس لئے وہ انہی کی تفسیر کو بیان کرتے ہیں جن میں عکرمہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ شامل ہیں۔

⑤ **مجاہد بن جبر رحمہ اللہ:** یہ مشہور تابعی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد ہیں۔ قتادہؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "تفسیر کے جو علماء باقی ہیں ان میں مجاہد سب سے بڑے عالم ہیں"۔ مجاہد کہتے ہیں:

عَـرَضْـتُ الْـمُصْحَفَ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ مِنْ فَاتِحَتِهِ إِلَى خَاتِمَتِهِ، أُوْقِفُهُ كُلَّ آيَةٍ مِنْهُ وَأَسْأَلُهُ عَنْهَا ۔۔ مَـا فِـى الْقُرآنِ آيَةٌ إِلَّا وَقَدْ سَمِعْتُ فِيْهَا شَيْئاً۔ میں نے شروع تا آخر قرآن مجید کو ابن عباسؓ سے تین بار پڑھا ہر آیت پر میں رکتا اور اس کے بارے میں ان سے سوال کرتا۔۔ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں میں نے کچھ نہ کچھ سنا نہ ہو۔

ابن ملیکہؒ کہتے ہیں:

رَأَيْـتُ مُـجَـاهِـدًا سَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنْ تَفْسِيْرِ الْقُرآنِ وَمَعَهُ أَلْوَاحُهُ، قَالَ: فَيَقُوْلُ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: أُكْتُبْ۔ حَتّٰى سَـأَلَهُ عَنِ التَّفْسِيْرِ كُلِّهِ۔ میں نے مجاہد کو دیکھا وہ ابن عباس سے تفسیری سوال کر رہے تھے ان کے پاس تختیاں تھیں۔ ابن عباسؓ انہیں کہتے جاتے: لکھو۔ یہاں تک کہ انہوں نے سبھی تفسیر کے بارے میں پوچھا۔ وَلِهَـذَا كَـانَ سُـفْيَـانُ الثَّورِيُّ يَقُولُ: إِذَا جَـاءَ كَ التَّفْسِيْرُ عَنْ مُجَاهِدٍ فَحَسْبُكَ بِهِ وَأَمَّا التَّأْوِيْلُ فَشَأْنٌ آخَرُ ۔ (الفتاوی الکبری ۱۵۲/۷) اسی لئے سفیان ثوری کہا کرتے: جب تمہارے پاس مجاہد سے تفسیر آ جائے تو اسے کافی سمجھو۔ رہی تاویل تو اس کا معاملہ پھر کچھ اور ہے۔

امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ نے ان کی تفسیر پر اعتماد کیا اور اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امت، مجاہد کی امامت

اوران کی حجت پر متفق ہے۔ مکہ میں نماز کے دوران حالت سجدہ میں ان کا انتقال سن ۱۰۰ھ میں تراسی سال کی عمر میں ہوا۔

قتادۃ رحمہ اللہ: ان کا پورا نام قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری ہے۔ سن اکسٹھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ پیدائشی نابینا تھے۔علم کے حصول کے لئے سخت محنت کی، حافظہ بڑا قوی تھا۔ کہا کرتے: میں نے کبھی بات کرنے والے سے یہ نہیں کہا: ذرا دوبارہ سناؤ۔ میرے کانوں نے کوئی بھی بات سنی تو میں اسے کبھی نہیں بھولا۔ امام احمدؒ بن حنبل نے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور انہی کے علم، فقہ، معرفت اختلاف حدیث اور تفسیر کو بخوبی پھیلایا ہے اور انہیں حافظ وفقیہ کہا ہے۔ نیز لکھا ہے: شاذ ہی آپ ان سے بڑھا ہوا کسی کو پائیں گے۔ بصرہ کے بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ واسط میں ان کا انتقال سن ۱۱۷ھ میں چھپن سال کی عمر میں ہوا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ: مشہور تابعی ہیں۔ سن ۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ حبشی تھے۔ فقہ وتفسیر کو انہوں نے صحابہ کرام سے حاصل کیا۔ خصیف کہتے ہیں: تابعین میں طلاق کے مسائل کو سب سے زیادہ سعید بن المسیب جانتے تھے، حج کے عطاء بن رباح، حلال وحرام کو طاؤوس، تفسیر کو مجاہد بن جبر اور ان سب کے علم کے جامع سعید بن جبیر تھے۔ سن ۹۵ھ کو حجاج نے انہیں شہید کردیا۔

انہوں نے ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، انسؓ اور ابو مسعود البدریؓ جیسے صحابہ سے استفادہ کیا ہے۔ سفیان ثوری کہا کرتے: تفسیر کو چار علماء سے سیکھا کرو۔ سعید بن جبیر، مجاہد، عکرمہ اور ضحاک سے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار اہل کوفہ سے فرمایا: تم مجھ سے سوال کیا کرتے ہو جب کہ تم میں سعید بن جبیر جیسے علماء موجود ہیں۔ انہوں نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کی فرمائش پر ایک تفسیر بھی لکھی تھی۔ (تہذیب التہذیب ۷/ ۱۹۸)

عکرمہ رحمہ اللہ: یہ بھی مشہور تابعی اور ابن عباسؓ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے۔ سیدنا ابن عباسؓ نے انہیں نہایت محنت وشفقت سے تعلیم دی تھی۔ آپؒ نے ابن عباسؓ کے علاوہ دیگر صحابہؓ سے بھی استفادہ کیا ہے جن میں سیدنا علیؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہؓ شامل ہیں۔

مطبوعہ تفسیر کا انتخاب: تفسیر کا انتخاب بھی ایک اہم دوراہا ہے جس سے قرآن فہمی یا تو صحیح حاصل ہوتی ہے یا پھر آدمی قرآن کریم کے اصل موضوع سے ہٹ کر سوچنے اور عمل کرنے لگتا ہے۔ کیا ہی لطف ومزہ آجائے تفسیر کو سمجھنے اور جانچنے کا اگر آدمی خود قرآن کی عربی زبان سے واقف ہو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

تفسیر چار قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی قسم حلال وحرام کی تفسیر ہے جس کا جاننا ہر عاقل مسلمان کے لئے ضروری ہے کوئی معذور نہیں ہوسکتا۔ دوسری وہ

تفسیر جس کا عرب اقرار کرتے ہوں۔ تیسری وہ تفسیر جسے علماء بیان کرتے ہوں۔ اور چوتھی وہ تفسیر جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔

کچھ علماء نے تفسیر کی وہ تین اقسام بیان کی ہیں جنہیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ علماء نے جو تفسیر بیان کی ہے ظاہر ہے ان کے اپنے اپنے رجحانات، زاویے اور افکار ہیں۔ اس لئے متاخر مفسرین میں خواہ تفسیر ابن جریر، تفسیر کبیر، تفسیر الفتوحات المکیہ، تفسیر تستری، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر اور روح المعانی ہو یا اردو ترجمہ وتفاسیر میں ترجمان القرآن، تفہیم القرآن، تدبر قرآن، احسن البیان، معارف القرآن، تیسیر القرآن، تذکیر القرآن، ضیاء القرآن، تفسیر عثمانی اور کنز الایمان وغیرہ ہوں ان سب میں تفسیر کا انتخاب کرنے سے قبل ذیل کی چند باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

اپنی تفسیر میں اگر کوئی مفسر کسی خاص رجحان یا فکر میں تعصب کا شکار ہو تو ظاہر ہے اسے قرآن پر اپنی فکر کو سوار کرنے کی فکر ہے۔ جسے وہ خدمت قرآن سمجھتا ہے۔ اس بارے میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مفسرین اپنے ذہن میں پہلے سے ہی ایک خود ساختہ رائے پر جامد ہو کر اسے اپنی لفاظی میں ہی قرآن پر چسپاں کئے چلے جاتے ہیں اور اپنی تحریر میں باطل مگر سیاسی عقائد ونظریات کو چھپا دیتے ہیں کہ اکثر لوگ اس زہر کو معلوم ہی نہیں کر سکتے۔ ایسی تفاسیر سے جتنا بھی ممکن ہو بچا جائے۔ مثالیں اوپر گذر چکی ہیں جو باطنی اور اشاری تفسیر کے تعارف میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایسا مفسر، کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے منہج سے ہٹ کر اپنی تفسیر مذموم رائے پر کرتا ہے۔ ہاں اگر پہلے سے اپنے اسلامی عقائد کا علم ہو تو ان کتابوں کا مطالعہ برائے علم مضر نہیں۔ ان تمام مناہج میں تفسیر بالماثور کا منہج ہی زیادہ قوی اور قابل اعتماد ہے جس کی وجہ سنت رسول، اقوال صحابہؓ اور تابعینؒ کے تائیدی بیانات کا اس میں ہونا ہے۔ جو علم تفسیر ماثور میں ملتا ہے اور عمل کا مزہ بھی وہ ایسی غیر ماثور تفاسیر میں کہاں؟ تفسیر بالرائے میں محمود رائے کو جس طرح مقام عالی حاصل ہے اسی طرح تفسیر بالرائے مذموم کو بھی مقام نازل حاصل ہونا چاہئے۔ غالباً انہی تفاسیر کے بارے میں امام احمدؒ کا ایک بہت ہی مشہور قول ہے۔

"ثَلَاثَةُ كُتُبٍ لَيْسَ لَهَا أُصُوْلٌ، وَهِيَ الْمَغَازِي، وَالتَّفْسِيْرُ، وَالْمَلَاحِمُ "۔ یعنی تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی اصول نہیں؛ مغازی، تفسیر اور آئندہ فتنوں کی پیشین گوئیاں۔

امام ابن حجرؒ (م ۸۵۲ھ) اس قول پر اپنی رائے بھی دیتے ہیں۔

يَنْبَغِيْ أَنْ يُضَافَ إِلَيْهَا الْفَضَائِلُ، فَهَذِهِ أَوْدِيَةُ الْأَحَادِيْثِ الضَّعِيْفَةِ الْمَوْضُوْعَةِ ۔ ان تینوں کے ساتھ فضائل اعمال کی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

احادیث کا اضافہ بھی ہونا چاہئے۔ کیوں کہ یہ بھی ضعیف اور موضوع احادیث کی وادیاں ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

جس طرح حدیث کی صحت کے لئے قطعی دلائل ہوتے ہیں اسی طرح حدیث کے ضعیف اور موضوع ہونے (جھوٹا ہونے) کے بھی قطعی دلائل ہیں۔مثلاً: انہیں بدعتی وضاعین نے وضع کیا ہو اور فضائل میں غلو سے کام لیا ہو جیسے عاشوراء کے دن کی فضیلت، اس میں نماز پڑھنے کا ذکر۔تفاسیر میں اس قسم کی موضوعات بکثرت ہیں جیسا کہ مختلف سورتوں کی فضیلت میں ثعلبیؒ، واحدی اور زمخشری احادیث نقل کرتے ہیں۔ثعلبیؒ اگر چہ دیندار اور صاحب علم ہیں مگر وہ حاطب لیل ہیں سابقہ تفاسیر میں جو کچھ انہیں ملا اسے اپنی تفسیر میں بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا خواہ وہ صحیح ہو، ضعیف ہو یا موضوع۔

لہذا ایسی تفاسیر یا کتب جن میں آیات کو محرف کیا گیا ہو یا تفسیر کیلئے زیادہ تر انتخاب ضعیف یا موضوع احادیث کا کیا گیا ہو، یا اپنی مذموم رائے اس میں پرو دی ہو۔ایک مسلمان کو ان سے احتیاط ہی برتنی چاہئے اور تفسیر ماثور کے مطالعے کا اسے خوگر ہونا چاہئے۔اب آیئے! ذیل میں چند اہم عربی و اردو تفاسیر کا ہم مطالعہ کرتے ہیں:

① **تفسیر ابن جریر:** اس کا پورا نام "جَامِعُ الْبَيَانِ فِي عُلُومِ الْقُرْآنِ" ہے۔اور مصنف ابن جریر طبریؒ (۲۲۴۔۳۱۰ھ) ہیں۔طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ان کا انتقال ہوا۔عالم قراءات، امام تفسیر، ماہر حدیث، اور مورخین کے استاذ تھے۔فقہ میں بھی ایک مستقل مذہب، اقوال اور اپنے منتخبات رکھتے تھے۔ ان کے بھی اتباع اور مقلد پائے جاتے ہیں۔(طبقات المفسرین از سیوطی:۹۶) امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: مَا أَعْلَمُ عَلَى أَدِيْمِ الأَرْضِ أَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيْرٍ۔محمد بن جریر سے بڑھ کر میں اس زمیں پر کوئی عالم نہیں جانتا۔(طبقات المفسرین از داؤدی ۱۱۱/۲)۔ان کی بے شمار تصانیف ہیں جن میں کتاب القراءات، تاریخ الرجال فی الصحابۃ والتابعین، لَطِيْفُ الْقَوْلِ جس میں وہ اپنی پسندیدہ منتخبات کا ذکر کرتے ہیں جو ان کا مذہب ہیں۔اسی طرح تھذیب الآثار اور انتہائی اہم کتاب تاريخُ الأُمَمِ وَالْمُلُوْكِ وَأَخْبَارِهِمْ ہے۔

غالبًا یہ اولین تفسیر ہے جو ماثور طریقے پر لکھی گئی۔مفسرین آج بھی ان کی تفسیر کے خوشہ چیں ہیں۔اس تفسیر کے چند محاسن یہ ہیں:

۱۔اپنی تفسیر میں وہ زیادہ تر اعتماد احادیث رسول، اقوال صحابہ اور تابعین پر کرتے ہیں۔

۲۔جو روایت بیان کرتے ہیں ان کی کوشش ہوتی ہے وہ اسے سنداً بیان کریں۔

۳۔اقوال علماء کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور ترجیح بھی دیتے ہیں۔

۴۔وجوہ اعراب یعنی گرامر صرف ونحو کو بھی خوب بیان کرتے ہیں۔

۵۔آیات سے شرعی احکام کا استنباط بھی بہت باریکی سے کرتے ہیں۔

چند ضعیف روایات کے باوجود بھی یہ ایک جامع کتاب ہے۔یہ کتاب کچھ عرصہ قبل حائل کے ایک شیخ حمود بن عبید الرشید کے مکتبہ سے دستیاب ہوئی اور شیخ محمود شاکر رحمہ اللہ کی تحقیق اور تعلیق سے سورہ ابراہیم کی آیت ۲۷ تک ہوئی جو بعد میں ڈاکٹر عبداللہ عبد المحسن ترکی کی تحقیق سے ۲۶ جلدوں میں طبع ہوسکی۔علماء نے اس کتاب کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔خطیبؒ بغدادی اور امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: لَـهُ كِتَابُ التَّفْسِيْرِ لَمْ يُصَنِّفْ أَحَدٌ مِثْلَهُ۔ ان کی بے مثال تفسیر ہے اس جیسی کوئی نہ لکھ سکا۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> جو تفاسیر آج عوام وخواص کے پاس ہیں ان میں صحیح ترین تفسیر ابن جریر الطبری کی ہے کیونکہ وہ اپنی تفسیر میں علماء سلف کے اقوال ثابت شدہ اسانید سے ذکر کرتے ہیں اس کتاب میں کوئی بدعت نہیں اور نہ ہی یہ متہم لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔
> (مجموع الفتاوی ۱۳/۳۸۵)

② **تفسیر کبیر:** اس کا اصل نام "مـفـاتيـح الغيب" ہے۔۱۶ بڑی جلدوں میں یہ تفسیر ۳۲ اجزاء کی کتاب ہے۔اس کے مصنف امام رازی (م ۶۰۶ھ) ہیں۔رازیؒ معقول ومنقول دونوں کے ماہر تھے۔حاذق طبیب بھی تھے۔تفسیر بالرائے میں انتہائی جامع اور بے مثال تفسیر ہے۔امام رازیؒ اپنی تفسیر صرف سورۃ الانبیاء تک لکھ سکے۔ان کے شاگرد رشید خُوَیّی نے اسے مکمل کرنا چاہا تو وہ بھی نہ کرسکے۔ایک رائے یہ بھی ہے کہ نجم الدین قمولی نے آخر میں اسے مکمل کیا۔مگر لطف کی بات یہ ہے کہ ان سب کے اسلوب میں ذرہ برابر فرق نہیں لگتا۔اس تفسیر میں امام رازیؒ نے قرآن مجید کے انداز بیان، اس کی شان وشوکت اور ہر آیت سے متعلق فقہی احکام کو تفصیلی دلائل کے ساتھ نقل کیا ہے۔آیتوں کے درمیان موجود ربط ونظم کو بھی انتہائی دلنشیں انداز سے پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ان خصوصیات کی بناء پر تفسیر کبیر ایک انتہائی جامع تفسیر ہے۔

مجموعی حیثیت سے یہ کتاب علم کلام کی قیل وقال کا خزینہ ہے اس کے شیدائی حضرات ہی اس کتاب کی قدر وقیمت جانتے ہیں مگر کیا یہ بحثیں قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے مفید ہیں؟۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابوحیانؒ **البحر المحیط** میں لکھتے ہیں کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بہت سی چیزیں درج کردیں جن کی تفسیر میں قطعاً ضرورت نہ تھی۔ اس لئے بعض علماء نے اس پر نقد کرتے ہوئے یہاں تک کہا ہے۔"فِیْـهِ كُـلُّ شَيْءٍ إِلَّا التَّفْسِيْرُ"۔ اس تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں۔

علم کلام میں ان کے انہماک نے بعدازز مانہ اس ندامت کا اظہار بھی کروایا: لَيْتَنِي لَمْ أَشْتَغِلْ بِعِلْمِ الْكَلَامِ ۔ کاش میں علم کلام میں اپنا شغل نہ ہی رکھتا۔ (طبقات المفسرین از داؤدی۔ ۱/۲۱۵)

③ **تفسیر قرطبیؒ:** اس کا پورا نام"الجامعُ لِأَحْكَامِ الْقُرآن" ہے۔ یہ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر بن فرح القرطبیؒ کی تصنیف ہے جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا بنیادی موضوع آیات احکام سے فقہی احکام و مسائل کا استنباط کرنا ہے۔ مصنف نے آیات کی تشریح، مشکل الفاظ کی تحقیق، بلاغت وفصاحت، فقہی استدلال اور متعلقہ روایات کو جمع کیا ہے۔ اپنے شیخ محترم امام بن العربیؒ القرطبی کی تفسیر کے تمام اہم علمی وفقہی نکات کو انہوں نے اپنی اس کتاب میں سمودیا ہے۔ روزمرہ زندگی کے لئے قرآن کریم سے جو ہدایات ملتی ہیں انہیں بھی اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ نہایت مفصل اور علوم القرآن کے اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ اردو یا عربی کی بیشتر تفاسیر اسی تفسیر کی مرہون منت ہیں۔

④ **تفسیر ابن کثیرؒ:** اس کے مصنف حافظ عماد الدین ابوالفدا اءاسماعیل بن الخطیب ابوحفص عمر بن کثیرؒ ہیں۔ یہ تفسیر چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ابن کثیرؒ مفسر بھی ہیں اور جلیل القدر محدث بھی۔ انہوں نے کوشش کی کہ آیت کو ذکر کر کے بہت ہی سہل اور مختصر عبارت میں تفسیر کریں۔ اسی مقام پر اس سے متعلق دیگر آیات کو بھی جمع کردیں۔ ان کا آپس میں مقارنہ کریں۔ اس طرح تفسیر کرتے وقت وہ ایک ہی معنی کی آیات کا خوب استعمال کرتے ہیں۔ پھر ان مرفوع احادیث کو اس تفسیر میں بیان کرتے ہیں جن کا تعلق اس آیت سے ہوسکتا ہے۔ ان کے بعد اقوال صحابہ وتابعین اور علماء سلف کو پیش کرتے ہیں۔ اپنی اس تفسیر میں وہ اسرائیلی منکر روایات کو کہیں اجمال سے اور کہیں تفصیل سے بیان کر کے قاری کو متنبہ کردیتے ہیں۔ کوشش یہ بھی کی ہے کہ تفسیر میں ضعیف اور موضوع روایات کو چھانٹ کر الگ کردیں۔ جہاں مؤلف نے ضرورت محسوس کی وہاں جرح وتعدیل جیسے اصول حدیث بھی منطبق کئے ہیں۔ اسرائیلیات کے بارے میں بھی ان کا طرز عمل نہایت محتاط، صاف ستھرا اور قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ اس تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر بالروایہ کا طریقہ اپنا کر اپنی جلالت حدیث کو خوب نمایاں کیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس تفسیر میں درج ہر روایت درست ہے بلکہ اس میں صحیح بھی ہے حسن اور ضعیف بھی۔ اس کی احادیث کی تخریج ہوگئی ہے جس

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

سے اس کتاب کی اہمیت کو مزید نکھر گئی ہے۔ بہر کیف تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جریر کے بعد دیگر تفاسیر کی نسبت زیادہ محتاط اور مستند تفسیر ہے۔

⑤ **تفسیر روح المعانی:** اس کا پورا نام "رُوْحُ الْمَعَانِی تَفْسِیْرُ الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ الْمَثَانِی" ہے۔ اور یہ علامہ محمد آلوسی حنفیؒ کی تصنیف ہے۔ تیس جلدوں پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر بالکل آخری دور کی تصنیف ہے۔ سابقہ تفاسیر کے اہم مباحث کو اپنی اس تفسیر میں جمع کرنے کی انہوں نے کوشش کی ہے۔ روایت حدیث میں بھی علامہ آلوسیؒ دوسرے مفسرین کے مقابلے میں محتاط رہے ہیں۔

۶۔ **تفسیر الکشاف:** اس کے مولف جار اللہ محمود بن عمر زمخشری (۴۶۷۔۵۳۸ھ) ہیں۔ بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا اور ائمہ لغت و تفسیر میں ان کا شمار ہوا۔ تفسیر میں قرآنی اعجاز کی وجوہ کو، قرآن کے نظمی جمال اور بلاغت کو بغیر کسی زائد از ضرورت بات کے انتہائی عمدگی سے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسرائیلیات کا ذکر بھی شاذ و نادر کرتے ہیں۔ حدیث رسول سے بہت کم استشہاد لیتے ہیں بلکہ کبھی کبھار موضوع احادیث کو بالخصوص فضائل سور میں بیان کرتے ہیں۔

اپنی تفسیر میں انہوں نے جابجا معتزلی عقائد کو بڑی شدومد سے بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ آیات کی تاویل بھی انہی کے موافق کی ہے۔ اس اعتزال کو انہوں نے بڑی ہوشیاری سے اپنی تفسیر میں اس طرح پرویا ہے کہ کوئی حاذق ہی اسے سمجھ پاتا ہے۔ امام بلقینی رحمہ اللہ کو کہنا پڑا: اِسْتَخْرَجْتُ مِنَ الْکَشَّافِ اِعْتِزَالاً بِالْمَنَاقِیْشِ۔ میں نے کشاف میں اعتزال کو بے شمار بحثوں کے بعد طشت از بام کیا ہے۔ اہل السنۃ پر اپنا غیض وغضب خوب ڈھاتے ہیں اور حقارت آمیز لفظوں میں ان پر پھبتیاں کستے ہیں۔ (التفسیر والمفسرون از ذہبی ۱/۴۶۵)۔ اسی بناء بہت سے علماء نے وقت مطالعہ ان کی تفسیر سے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے۔ امام ذہبیؒ میزان الاعتدال ۵/۲۰۳) میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مَحْمُوْدُ بْنُ عُمَرَ الزَّمَخْشَرِیُّ الْمُفَسِّرُ النَّحْوِیُّ صَالِحٌ، لٰکِنَّہٗ دَعَا إِلَی الإِعْتِزَالِ أَجَارَنَا اللّٰہُ ، فَکُنْ حَذِرًا مِنْ کَشَّافِہٖ۔
> محمود بن عمر زمخشری جو مفسر، نحوی اور صالح ہیں مگر اس جار اللہ نے اپنی تفسیر میں اعتزال کی دعوت دی اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے لہذا اس کی تفسیر کشاف سے ہوشیار رہنا۔

چند اردو تفاسیر و مفسرین

① **تفسیر عثمانیؒ:** اس کا ترجمہ، مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کا ہے اور تفسیر مولانا شبیر احمدؒ مرحوم کی ہے۔ اس میں ترجمہ کے

ساتھ تفسیر کو حواشی میں اور قوسین میں لکھا ہے۔خاصی علمی تفسیر ہے جس کی اردو بھی خاصی ثقیل ہے۔فارسی،عربی اور قدیم اردو سے ناواقف حضرات اس سے بھر پور متمتع نہیں ہو سکتے۔محسوس ہوتا ہے مولانا حیاتی دیو بندی تھے جس کی بناء پر انہوں نے اپنی تفسیر کی ابتداء میں ہی استعانت نبی اور ولی کے جواز کا ذکر کر دیا ہے۔چند ایک اور مقامات بھی ہیں جہاں پر مولانا نے اس نکتہ نظر کو پرویا ہے۔سعودی حکومت نے یہ تفسیر بڑی آب و تاب کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کی مگر بعد میں اس تفسیر کے بارے میں چند معتبر علماء کے علمی وعقائدی مواخذات ونشاندہی پر اس کی اشاعت روک دی۔

② **ترجمان القرآن:** یہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصنیف ہے۔مولانا مرحوم کی اس تفسیر میں جوش وہوش اور جولانی طبع کے علاوہ صاحب علم کے ذوق کا سامان بھی موجود ہے۔یہ تفسیر انتہائی مشکل حالات سے گزرنے کے بعد صرف اٹھارہ پاروں پر منتہی ہوسکی۔مولانا کے سیاست میں عمل دخل نے تفسیر کی طباعت اور اشاعت کو بار بار روکا۔کئی باران مسودوں کو جلا دیا گیا جو مولانا نے لکھے اور متعدد باران کو ضبط بھی کیا گیا۔اس کی دو جلدیں تو مولانا کی زندگی میں ہی شائع ہوگئیں۔جبکہ تیسری جلد کا آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گئی۔بہر حال نامکمل ہونے کے باوجود یہ تفسیر انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

③ **تفہیم القرآن:** سید ابوالاعلی مودودیؒ نے یہ تفسیر محض تفہیم قرآن کے لئے لکھی جس میں بیشتر مباحث علمی،سائنسی اور مناقشاتی ندرت رکھتے ہیں۔اس کی چھ جلدیں ہیں۔یہ تفسیر اردو ادب کا شاہکار ہونے کے علاوہ نہایت آسان اور جامع ہے۔موجودہ اردو تفاسیر میں یہی ایک تفسیر ہے جس میں اصل کام نظر آتا ہے۔تفسیر میں بعض علمی مباحث کو جن آسان اور خوبصورت طریقوں،مثالوں اور دلائل سے پیش کیا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ تفسیر اردو دان طبقے کے لئے خاصی کشش رکھتی ہے۔اس تفسیر میں داعیانہ انداز غالب ہے۔قرآن کریم کے دعوتی اسلوب میں جہاں ہمدردی اور نرمی اخلاق اور الفاظ کا محتاط استعمال ہے مولانا نے اس کی ترجمانی میں کہیں کہیں جوشیلا انداز بھی اپنا لیا ہے جو قرآن کے دعوتی منہج سے ذراہٹ گیا ہے۔مولانا نے لفظی ترجمے سے ہٹ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا مگر وہاں بھی صفات الہیہ کے تأویلی معنی کو نمایاں کر گئے۔متفق علیہ احادیث کو اپنے نکتہ نظر کے مطابق صحیح نہ جانتے ہوئے محدثین امام بخاری ومسلم کی بھی انہوں نے خبر لے لی ہے۔مولاناؒ چونکہ ایک سیاسی لیڈر تھے اس لئے تفسیر میں جا بجا سیاسی رنگ بھی خاصا نظر آتا ہے۔

④ **تذکیر القرآن:** مولانا وحید الدین خان نے "تذکیر القرآن" کے نام سے دو جلدوں میں قرآن کی تفسیر لکھی ہے۔یہ تفسیر نصیحت اور تذکیر کے انداز میں ہے جو ایک عقل مند کو حقائق پیش کر کے اپنا مدعا سمجھاتی ہے۔تفسیر میں تفصیل سے پرہیز کیا گیا ہے

اور علمی بحثوں سے بھی اجتناب برتا گیا ہے۔

⑤ **تدبر قرآن:** مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس تفسیر کے مؤلف ہیں۔آٹھ جلدوں کی یہ ایک ضخیم اردو تفسیر ہے۔یہ تفسیر بہت عمدہ ہوتی اگر سلف صالح کے منہج کے مطابق لکھی جاتی۔اس لئے کہ مؤلف کا قلم اپنے مدعا کو بیان کرنے میں جاندار ہے۔تفسیر میں قرآن کی تفسیر قرآنی آیات سے کی گئی ہے مگر استشہاد کے طور پر عربی محاورات، اشعار اور لغت کو زیادہ اہمیت دی ہے جب کہ ان عربی محاورات اور اشعار کے مآخذ کا علم تک نہیں ہوتا کہ کہاں سے مستفاد ہیں۔چار ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل اس آٹھ جلدی تفسیر میں ۴۰ مقامات پر حدیث رسول سے استشہاد لیا ہے۔کتب حدیث بالخصوص صحیحین اور موطأ کا تذکرہ بھی پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ صاحب کتاب کی سیرت اور زمانہ وحالات ذکر کئے بغیر کوئی بھی تفسیر گہنی سی ہوتی ہے۔مولانا مرحوم نے اپنی تفسیر کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے گو وہ جدید سہی مگر ان میں معتزلی خیالات کی بھرپور ترجمانی کا حق ادا کردیا ہے۔اسی تجدد کا رنگ یا نتیجہ ہے کہ تفسیر میں نصوص سے استدلال کی کمی اور عقلی ترجیح نمایاں نظر آتی ہے۔نظم قرآن، آیات وسور کا باہمی ربط تدبر قرآن کی جان ہیں اور بہترین وعمدہ انداز میں اس کو واضح کیا گیا ہے۔

مولاناؒ نے بعض اجماعی مسائل کو اپنے فہم کے مطابق سخت کلامی کے ساتھ رد کیا اور متنازعہ بھی بنا دیا اور جو انداز گفتگو اس موقع پر اپنایا وہ مولانا جیسے پایہ کے عالم کو زیب نہیں دیتا۔حروف سبعہ پر بھی مولانا کو خاصا اعتراض تھا، امام زہریؒ جیسے بلند پایہ محدث وبہادر فقیہ سے مستشرقین کی طرح انہیں بھی کدتھی، رجم محصن جیسے اجماعی مسئلے سے بھی کھلا اختلاف رکھتے تھے۔احادیث رسول کو مشکوک بنانے میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔محسوس یہ ہوتا ہے کہ مزاج کی سختی نے انہیں کسی بھی عالم، فقیہ، محدث، مفسر سے استفادہ یا ان کے ذکر خیر کی سبیل نہیں دکھائی۔محض اپنی منفرد فکر کے عاشق تھے اور اسی کے راہی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کے مثبت ومنفی اثرات دونوں سے قاری کو آگاہ کرے۔آمین۔

⑥ **احسن البیان:** مولانا صلاح الدین یوسف کے تفسیری حاشیے اور برصغیر کے ممتاز عالم دین مولانا محمد جوناگڑھیؒ کے اردو ترجمے کے ساتھ یہ تفسیر "احسن البیان" کے نام سے پہلے پہل مکتبہ دار السلام ریاض سے اردو زبان میں شائع ہوئی۔ جسے بعد میں انتہائی مفید پاکر سعودی عرب کی حکومت نے عام اردو دان طبقے کے لئے عمدہ کتابت اور جلد میں شائع کردیا ہے مگر پھر بھی اس کے حواشی میں طباعتی اغلاط اور اخطا باقی ہیں۔

یہ تفسیر سلفی رجحانات کی عکاس ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ تفسیر بالمأثور کے اصولوں کے مطابق ہی اسے لکھا جائے۔آیات کے فہم

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

کے لئے تفسیری حاشئے انتہائی مختصر اور مفید ہیں۔ ابتداء میں ہی سورہ فاتحہ کی بحث چھیڑ کر ایک مقلد کو حاشیہ برنے پرے کر دیا ہے جبکہ اس کا اور بھی مقام ہوسکتا تھا۔ یہ تفسیر صرف ایک ہی ضخیم جلد میں ہے۔

۷ معارف القرآن: مولانا مفتی محمد شفیع ؒ "معارف القرآن" کے مؤلف ہیں۔ ایک طویل عرصہ کا یہ عمل آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہو سکا۔ تفسیر میں بامحاورہ ترجمہ ایک خاصے کی چیز ہے۔ جسے اگر علیحدہ شائع کر دیا جائے تو عام مسلمان اس سے بخوبی مستفید ہوسکتا ہے۔ مولانا نے اہم مسائل کے لئے باقاعدہ تبویب کر کے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ فقہی مسائل میں حنفی نقطۂ نظر کو نمایاں کیا ہے جبکہ تصوف کی آمیزش بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ مولانا مرحوم ایک معتدل عالم دین تھے اس لئے ان کی تفسیر میں کسی بھی نقطہ نکتہء نظر کو پیش کرنے میں سخت کلامی نہیں۔ وجہ یہ تھی کہ مولانا وحدت امت کے قائل تھے اور مسلکی جھنجٹ سے اہل مذاہب کو آزاد کرانے میں پیش پیش۔ مولانا مرحوم نے اپنی تفسیر میں اہم علمی نکات تفسیر مظہری اور تفسیر بغوی سے نقل کئے ہیں اور کہیں کہیں امام قرطبی کی تفسیر الجامع لأحکام القرآن سے بھی مستفید ہوئے ہیں۔

تفسیر القرآن: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ؒ نے تفسیر القرآن کے نام سے یہ مسودہ لکھا جو ان کی حیات میں تو طبع نہ ہوسکا البتہ ان کی اولاد و احفاد نے اس کی تصحیح و ترتیب کا بیڑہ اٹھا کر اسے بہت ہی مناسب سائز میں چھپوا دیا۔ اس تفسیر میں بعض ابحاث بہت ہی قیمتی اور علمی ہیں۔ روح کا مسئلہ، حلال وطیب کے اصول وضوابط، توحید و ایمانیات اور صحیح عقائد کی وضاحت اس تفسیر کی جان اور قرآن کا مقصود و مطلوب بھی ہیں مزید برآں خرافات و بدعات و تفسیری انحراف و انکار حدیث کے رجحانات کی بھی مولانا نے اچھی خبر لی ہے۔ جدید مسائل کو واضح کرنے کے لئے مولانا نے تفہیم القرآن از مولانا سید مودودیؒ سے جابجا اقتباسات بھی پیش کئے ہیں۔ یہ تفسیر چار جلدوں میں لاہور سے مکمل شائع ہوگئی ہے۔

یہ وہ مفسرین ہیں جو عہد جدید اور قدیم دونوں میں تفسیر قرآن کے حوالے سے ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ اور آج جو بھی تفسیر بیان کرتا یا لکھتا ہے اس کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ان قدیم و جدید مفسرین کی عربی و اردو تفسیر کو زیر مطالعہ رکھے۔ اصول تفسیر سے واقفیت کے بعد اس میدان میں اترے۔ بالخصوص قدیم و جدید مفسرین کے رجحانات کو پہچانے تا کہ اللہ تعالی کے کلام میں میلان طبع اور قول علی اللہ کا افتراء نہ ہو۔

نوٹ: علماء تفسیر کے مابین قرآن کریم کی تفسیر میں علمی اختلاف ہوسکتا ہے جو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن بھی۔ مگر ایک سنجیدہ اختلاف وہ فکری اختلاف ہے جس سے انحراف ٹپکتا ہو۔ خواہ کتاب وسنت پر ایمان کا دعوی ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اصولاً ایسی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

متضاد تفاسیر میں ہم کسی ایسی تفسیر کو قبول نہیں کر سکتے جو قرآن کے الفاظ یا تفسیر رسول یا سلف صالح کے مفہوم سے ہٹ کر ہو۔ ماہرین قرآن وحدیث اسے رد کرتے ہیں۔ اس لئے درست تفسیر وہی ہے جس میں اشاری، باطنی، خود رائی اور عقلی تعلّی سے ہٹ کر صرف اور صرف قرآن ورسول کے الفاظ سے کی گئی ہو۔ یا جسے کم از کم ان کے اسلوب اور انداز بیان سے استنباط کیا گیا ہو۔

انحرافی تفاسیر

یہ وہ تفاسیر ہیں جو ان حضرات کی لکھی ہیں جو مرعوب انقلاب تھے اور برصغیر میں فتنوں کو رواج دینے میں پیش پیش۔ یہ سب ایسی شہوانہ کوششیں تھیں جو غیروں کی آشیر باد لینے اور اپنے مخصوص کردار، نظریہ وعقیدہ کو پروان چڑھانے کے لئے کی گئیں۔ ایک سادہ دل مسلمان کو دین واہل دین سے متنفر اور باغی کرنے اور ذاتی سوچ پر مبنی تفسیری نکات ان کی رفعت قرار پائی۔ عربیت سے نابلد ان محررین نے قرآن کے اصل مقصد کو بے مقصد بنانے کے لئے اسے اپنی جہالت کا ہدف بنایا۔ یہ لوگ اس میں کتنے کامیاب ہوئے اور کون سے سکے ان کے ہاتھ آئے۔ وقت نے بھی بتایا کہ ماڈرن بننے کی کوشش میں اپنی چال بھی یہ لوگ بھول گئے۔ نیز سنت رسول سے کسے کد ہے اور کسے محبت؟۔ اور کس نے جھوٹی نبوت کے افسانے گھڑے اور مسیح موعود بننے کے لئے قرآنی آیات کا انحرافی معنی ومفہوم پیش کیا؟ اور کس نے بے راہروی کے سامان فراہم کئے؟۔ ایسے لوگوں کی تفاسیر کو کھنگالنے کا یہی وہ معیار وکسوٹی ہے جو مسلم کے پاس موجود ہے۔ ایسے لوگوں کی پہچان ان کی بود وباش، طرز کلام اور اخلاق وعادات سے بآسانی ہوسکتی ہے۔

غلام احمد پرویز: مرزا غلام احمد قادیانی کے اعلان مسیح موعود اور پھر نبی ہونے نے ایسے فتنہ پروروں کو شہ دی جو اس تاک میں تھے کہ اہل اسلام کا ردعمل اس جھوٹے نبی کے بارے میں کیا سامنے آتا ہے؟ انہوں نے بھی اپنے راستوں کو ہموار کرنے کے لئے سرکاری سرپرستی میں ہی آزاد منش لوگوں کو انکار حدیث وسنت کر کے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اسلاف کے کارہائے نمایاں بیکار محسوس ہوئے حتی کہ انہیں شک وشبہ کی نظر سے دیکھا۔ جدید وقتی نظاموں سے متأثر یہ لوگ قرآن کے عطا کردہ نظامہائے ابدی کو نہ سمجھ سکے۔ غلام احمد پرویز کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ تفہیم دین کے روایتی اصول سے ہٹ کر جب انہوں نے اسلام کو سائنسی، انقلابی اور اشتراکیت کے انداز میں سمجھنا چاہا تو پھر قرآن کی ہر تفسیر ہیچ، ہر عمل پست اور ہر اخلاق مولویانہ نظر آیا۔ انہوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو جب تک پرے نہیں کیا جاتا ہدف کا ملنا بڑا مشکل ہے اس لئے قدیم اسلوب سے وہ ہٹ گئے جس نے نتیجۃً ایک فکری بعد پیدا کر دیا۔

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سائنسی دور کے آغاز نے نئی نسل اور اسلامی علوم میں جو فکری بعد (Intellectual gap) پیدا کیا اس کو دور کرنے میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ اب رائج مذہبی تقلید سے نکل کر مذہب کو عقل کی بنیاد پر سمجھا یا سمجھایا جائے۔ کیونکہ پہلے لوگ دینی تعلیمات کو عقیدے کی بنیاد پر قبول کر لیتے تھے مگر سائنسی دور شروع ہوتے ہی دینی تعلیمات کو عقل کی بنیاد پر قبول کرنے کا مطالبہ ہونے لگا۔ تفہیم دین کے روایتی اصول سے ہٹ کر جب دین فہمی کا اسلوب سائنسی اور فکری اسلوب میں ڈھلا تو اس میں بلاشبہ ہمارے بہت سے علماء روایتی طرز تعلیم کے ماہر ہونے کے باوصف جدید ذہن کو متاثر و مطمئن نہ کر سکے۔ دوسری طرف جنہوں نے یہ سوچا کہ اسلام کی تعبیر اب سائنسی انداز میں اور عقلی فریم ورک کے مطابق کی جائے تو ان میں اعتدال نہ رہا یا تو وہ بہک گئے یا پھر اسلام کی تشریح وتعبیر انہوں نے عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقلی بنیاد پر کرنا چاہی جو اعتزال پسندی کی ایک ٹھنڈی آہ ہی ہے یوں ایسے لوگوں میں ایمانیات اور عقائد اسلامیہ کے بارے میں بھی شک وشبہ کی نفسیات پیدا ہو گئیں۔

مسٹر پرویز نے چاہا کہ میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کو اسلام کی نئی تعبیر بتاؤں مگر ان کی حالت نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی ہوگئی۔ جدیدیت کو بخوبی سمجھ سکے نہ اسلام کو اور نہ اسلام کی زبان کو۔ اور اگر سمجھے تو وہ بھی معمولی۔ نتیجۃً جس زبان کو زیادہ جانتے تھے ان کے لٹریچر کو پڑھا اور انہی کی طرف زیادہ مائل ہو گئے دوسری طرف اسلام کو بھی اگر سمجھنا چاہا تو اردو انگریزی تراجم کے دست نگر ومقلد ہو کر۔ عربی سے بہت ہی کم شدھ بدھ پیدا کی۔ قرآنی نصوص ہوں یا حدیث کی نصوص دونوں کی ترجمانی انگریزی عربی قوامیس سے انہوں نے کی نہ کہ علماء اسلام کی قوامیس کی۔ اور اپنی کتب میں آیات قرآنیہ یا احادیث کی جو تعبیر کی وہ شاید گولڈ زیہر اور جوزف شاخت جیسے کٹر مستشرقین کو بھی شرما دے۔ اس لئے کہ انہوں نے غیر مسلم ہوتے ہوئے عربی زبان میں اولاً مہارت پیدا کی اور پھر بہت ہی عیاری سے عربی ٹیکسٹ کے صرف ایک لفظ کو بدل کر انہوں نے مقاصد حاصل کئے مگر یہاں تو معاملہ ہی اس کے برعکس ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح ان کی تھوڑی بہت کامیابی کا سبب یہاں کے عوام کی عربی زبان سے جہالت جیسی نعمت ہے ورنہ جس نوجوان کو عربی کی شدھ بدھ ہے وہ بھی کچھ چند جملوں ہی میں بھانپ لیتا ہے کہ خرابی اور زیغ کہاں ہے۔ قرآن کی تفسیر میں ان کا اسلوب بھی من پسندی کا ہے۔ جہاں چاہا جو چاہا لکھ دیا اور جہاں آیات مطالبہ کرتی ہیں کہ ہمیں بھی سمجھایا جائے وہاں سانس رک گئی۔ یہی وہ عقلی فریم ورک تھا جو ان کی ساری فکر، تحریر اور دین فہمی میں عربی زبان سے عدم دلچسپی اور ناپختگی کی صورت میں نمایاں نظر آتا ہے۔

قادیانی تراجم: ڈاکٹر محمد عبدالحکیم نے سب سے پہلے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ سن ۱۹۰۵ء میں شائع کیا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں ڈاکٹر مرحوم قادیانی تھے پھر تائب ہو گئے اس لئے یہ ترجمہ ان کی علمی ناپختگی اور قرآنی پیغام کے منہج ابلاغ سے بالکل ہٹا

ہوا تھا۔ جس کی وجہ ان کی سابقہ تربیت اور اس کے اثرات تھے۔ مولوی محمد علی کا ترجمہ انگریزی جو ۱۹۱۷ء کو ہوا، قادیانیت کا اہم ترین ترجمہ سمجھا جاتا ہے اور یورپ و نارتھ امریکہ کی لائبریریوں میں یہی پسندیدہ ہے۔ بارہ سال بعد سن ۱۹۲۹ء میں حافظ غلام سرور کا ترجمہ بھی شائع ہوا جو محمد علی کے ترجمہ سے دقت و پختگی میں زیادہ فائق تھا۔ پھر قادیانیوں میں شیر علی کا سرکاری ترجمہ جو سن ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ خادم رحمٰن نوری نے اس میں تفسیری انداز اپنا کر سن ۱۹۶۴ء میں شائع کیا جو اغلاط اور زیغ سے پر تھا۔ ملک غلام فرید نے بھی قرآنی نص کے ترجمہ کی کوشش کی جس میں مزعوم مسیح موعود کے قادیانی لیڈر خلیفہ ثالث کی تفسیر بھی شائع کی۔ ۱۹۷۱ء میں چوہدری ظفر اللہ خان نے بھی ایک اور قادیانی ترجمہ شائع کیا۔ کیا یہ قرآن کی خدمت تھی یا ان تراجم کے ذریعے اپنی تحریفی اور دجلی خیالات کی ترجمانی مقصود تھی؟

ان تمام قادیانی تراجم میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے کہ یہ سب تراجم:

۱۔ قادیانی تحریک کا دفاع کرتے ہیں۔ جن کی کوشش ہے کہ اپنے غلط عقائد کو قرآنی تراجم میں پرو یا جائے خواہ اس میں عربی زبان اور اس کے اسلوب سے کتنا بھی صرف نظر کرنا پڑے۔ اور ایسی دور از کار تاویلات بیان کی جائیں کہ جن سے عام قاری اصل مقصد سے ہٹ جائے اور الجھ جائے۔ یہ سب تاویلات پہلے پہل مرزا غلام کی تالیفات و بیانات میں ظاہر ہوئیں جنہیں مرزا سے پہلے کسی نے نہیں اپنایا یا نہیں کہا۔ بطور خاص رسول اکرم ﷺ کا وہ پہلو جو خاتم النبیین ہونے کا ہے اور جسے ہر دور میں اہل اسلام نے اپنا اساسی عقیدہ سمجھا۔

۲۔ سیدنا ابراہیم، یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کرام کے معجزات وخوارق جو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں یہ تراجم ان سب معجزات کا انکار اس حجت و دلیل سے کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ نصوص بظاہر فطری قوانین کے عین مخالف ہیں۔ لہذا سیدنا داؤد علیہ السلام کے لئے تسخیر جبال جیسے الفاظ تو استعمال ہوئے مگر ان سے مراد ان کا ظاہری مطلب نہیں بلکہ ان سے مراد سخت جان پہاڑی لوگ ہیں۔ نیز سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہمراہ تسبیح کنندہ پہاڑ نہیں تھے بلکہ صالح افراد تھے۔ وہ اس زعم میں بھی مبتلا ہیں کہ منطق الطیر جیسا معجزہ جو اللہ تعالیٰ نے خود سیدنا سلیمان علیہ السلام کو سکھایا تھا اس سے مراد پرندوں کو سدھارنا اور ان کو پیغام رسانی کی تربیت دینا ہے۔ قصہ سلیمان علیہ السلام میں ہدہد سے مراد ایک آرمی کمانڈر ہے نہ کہ معروف پرندہ۔ انہی کے قصہ میں نملہ سے مراد انسانی قبیلے کے چند افراد ہیں نہ کہ معروف حیوان یعنی چیونٹی۔ یہی حال انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا کیا ہے۔ یہ قادیانی تراجم عالم جن کے بھی منکر ہیں۔ جس کی تعبیر وہ ارسطوئی صنف سے کرتے ہیں یا لوگوں سے چھپی مخلوق کو کہتے ہیں۔

معجزات وخوارق انبیاء کی یہ دوراز کار تاویلات یا ان کا انکار یہ قادیانی تراجم اس لئے کرتے ہیں کہ اگر وہ ان معجزات اور خوارق کو تسلیم کرلیں تو پھر لامحالہ مرزاغلام کی نبوت ثابت کرنے کی لئے ہمیں بھی معجزات بطور دلیل پیش کرنا ہوں گے۔ چونکہ ایسے معجزات سے مرزاغلام محروم تھالہذا بہتر یہی سمجھا گیا کہ ابتداء سے ہی ان کا انکار کر کے اور تحریف ترجمہ کر کے لوگوں کوسوال کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

قرآن کریم میں امر کے مختلف معانی

امر احتقار:﴿ألقوا ما أنتم ملقون﴾ ، امر انذار:﴿قل تمتعوا﴾

امر اکرام:﴿أدخلوها بسلام﴾ ، امر تکوین:﴿كن فيكون﴾

امر انعام:﴿ كلوا مما رزقكم الله﴾ ، امر تکذیب:﴿قل فأتوا بالتوراة فاتلوها﴾

امر مشورہ:﴿فانظر ماذا ترى﴾ ، امر اعتبار:﴿فانظروا إلى ثمره﴾

امر تعجب:﴿ أسمع بهم وأبصر﴾ ،

حروف ندا کی مختلف مراد

تعجب کے لئے:﴿ياحسرة على العباد﴾

ارمان وحسرت کے لئے:﴿يا ليتنى كنت ترابا﴾

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

قرآن کریم میں جناس القلب: ایک لفظ کو الٹ ترتیب سے ویسا ہی پڑھنا۔ یہ صرف دو مقامات ہیں:

﴿كل فى فلك ﴾(الانبیاء:۳۳) ﴿وربک فکبر﴾(المدثر:۳)

☆☆☆☆☆

سوالات

۱۔درج ذیل میں دو پر ایک شذرہ لکھیے۔

۱۔ تفسیر وتأویل کا لغوی واصطلاحی معنی ۲۔ تفسیر و تأویل کے معنی میں علماء کی آراء ۳۔معتزلہ کے نزدیک تأویل کا معنی

۲۔تفسیر اور علوم تفسیر کا ارتقاء کیسے ہوا؟ اس کے مراحل وادوار پر روشنی ڈالئے۔

۳۔درج ذیل میں کسی دو پر ایک جامع نوٹ لکھیے:

۱۔ تفسیر بالماثور سے کیا مراد ہے؟ ۲۔تفسیر صحابہ قبول کرنے کے فوائد ۳۔ان کی تفسیر میں اختلاف کی حقیقت۔

۴۔کسی ایک پر تبصرہ کیجئے:۔ ۱۔تفسیر بالمأثور میں پیدا شدہ اختلاف کی اقسام ۲۔کتب تفسیر میں اختلاف کی اقسام

۵۔ تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے؟اس کی اقسام مع تعریف لکھیے۔

۶۔مندرجہ ذیل میں سے دو پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے:

تفسیر اشاری یا باطنی صرف لغت عرب سے تفسیر اسرائیلی روایات کے بارے میں صحیح نکتہ نظر

۷۔ چند مشہور صحابہ وتابعین کے حالات زندگی قلم بند کیجئے اور ان کی تفسیری کاوشوں کا مختصر تذکرہ کیجئے۔

۸۔متأخر مفسرین کے بارے میں دو اہم اصولی باتیں کیا ہیں؟ان کا تذکرہ کیجئے۔

۹۔درج ذیل کتب میں دو پر ایک شذرہ لکھیے۔

۱۔ تفسیر قرطبی ۲۔ تفسیر ابن کثیر ۳۔ تفسیر ابن جریر

۱۰۔جدید اردو مفسرین میں کسی تین کے منہج ونکتہ نظر پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

۱۱۔انحرافی تفاسیر کی چند خصوصیات درج کیجئے۔

مشق

۱۔قواعد واصول تفسیر پر ایک مختصر مقالہ لکھیے۔مدد کے لئے دیکھیے:

۱۔ اصول التفسیر از امام ابن تیمیہؒ ۲۔ التفسیر والمفسرون از محمد حسین ذہبیؒ

۲۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إنا نحن نحي الموتى ونكتب ما قدموا وآثارهم وكل شئ أحصيناه في إمام مبين ۝﴾ [یٰسٓ]اس آیت کی تفسیر،تفسیر طبری،تفسیر ابن کثیر اور ترجمان القرآن میں دیکھیے۔اور ان کے ذریعے تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کے فرق کو واضح کیجئے۔

۳۔موجودہ دور میں جو جو تفسیری رجحانات ہیں کیا آپ ان پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

۴۔بیان القرآن از غلام احمد پرویز میں سورۃ الفیل کی تفسیر کا موازنہ تدبر قرآن کی سورۃ الفیل کی تفسیر سے کیجئے۔

© AL-HUDA INTERNATIONL WELFARE FOUNDATION

مصادر

١ـ القرآن الكريم

٢ـ الإتقان في علوم القرآن: للسيوطی ـ مطبعة عيسى البابي الحلبی، القاہرہ ـ ١٣٨٠

٣ـ أحسن البيان في علوم القرآن: دـ حسن الدين أحمد ـ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ١٩٩٤ء

٤ـ أسباب النزول: از أبوالحسن بن أحمد الواحدی ـ تحقيق: السيد أحمد صقر، دار الكتاب الجديد، قاہرہ ١٣٨٩

٥ـ البحر المحيط: أبوحيان محمد بن يوسف الأندلسی (٦٥٤ـ ٧٤٥) طبعة القاہرہ ١٣٠٨ (٨ مجلدات)

٦ـ البرهان في علوم القرآن: بدرالدين الزركشی ـ قاہرہ ١٣٧٦ (٤ أجزاء)

٧ـ بغية الوعاة: امام جلال الدين السيوطی، ت: أبوالفضل إبراهيم ـ القاہرة ١٣٨٤

٨ـ تاريخ أفكار وعلوم إسلامی: از راغب الطباخ ـ ترجمہ افتخار بلخی ـ اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ١٩٦٨ء

٩ـ التبيان في علوم القرآن: محمد علی الصابونی ـ مکتبہ الغزالی، بیروت ١٤٠١

١٠ـ تذكرة الحفاظ: إمام محمد بن عثمان الذهبی ـ طبعة حيدرآباد ١٣٣٤

١١ـ تفسير ابن كثير: از حافظ ابن کثیر، كتاب الشعب ـ دار الشعب، القاہرہ

١٢ـ تهذيب التهذيب: از ابن حجر عسقلانی ـ طبعة حيدرآباد ١٣٢٧

١٣ـ جامع البيان : از ابن جرير الطبری ـ قاہرة ١٣٢١ (١٠ مجلدات)

١٤ـ الجامع الصحيح: از امام محمد بن إسماعيل البخاری (بهامش فتح الباري) ـ طبعة المكتبه السلفية، القاہرہ

١٥ـ الجامع الصحيح: از امام مسلم بن الحجاج، ترتيب: محمد فؤاد عبدالباقی ـ طبعة عيسى الحلبی، القاہرہ ١٣٧٤

١٦ـ الجامع لأحكام القرآن: از أبی عبدالله القرطبی ـ مطبعة دار الكتب، المصرية ١٣٨٧

١٧ـ حسن المحاضرة: از امام سيوطی، ت: أبوالفضل إبراهيم ١٣٨١

١٨ـ خطبات بہاولپور: از ڈاکٹر حمیداللہ ـ ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

١٩ـ روح المعانی، تفسير الآلوسي (٣٠ جزاء) ـ المطبعة المنيرية، القاہرة

٢٠ـ زاد المعاد في هدى خير العباد: از امام ابن قيم الجوزية ـ القاہرة ١٣٣٤

٢١ـ السبعة في القراء ات: از ابن مجاہد، أبوبكر أحمد بن موسى (م ٣٢٤) ت: د. شوقی ضیف ـ دار المعارف قاہرہ ١٩٧٣

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

٢٢ ـ سنن الترمذي: از امام أبو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، تحقیق: أحمد محمد شاکر۔ مصطفیٰ البابی، القاہرۃ ١٣٥٦

٢٣ ـ علم القراءات اور قراء سبعہ: قاری ابوالحسن اعظمی

٢٤ ـ علوم القرآن: د. صبحی صالح۔ ترجمہ: غلام أحمد حریری۔ ملک سنز پبلشرز، فیصل آباد

٢٥ ـ لباب النقول في أسباب النزول: للسيوطي ـ المطبعۃ الثانیۃ۔ مصطفیٰ الحلبي ١٣٨٣

٢٦ ـ لسان العرب: محمد بن مكرم (م ٧١١) ـ دار صادر، بیروت

٢٧ ـ مباحث في علوم القرآن: مناع القطان۔ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ١٤٠٠

٢٨ ـ مجموع الفتاوى: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، مکتبۃ العبیکان، طبعہ اولی ١٤١٩ھ۔ الریاض

٢٩ ـ مستدرك الحاكم: محمد بن عبد الله (م ٤٠٥هـ) ـ حیدر آباد ١٣٤١

٣٠ ـ مسند أبي يعلي الموصلي: از حافظ بن علی التمیمی۔ تحقیق: حسین سلیم أسد۔ ١٤٠٤

٣١ ـ شرح مشكل الآثار: تألیف أبی جعفر الطحاوی، تحقیق: شعیب الأرناؤوط۔ مؤسسۃ الرسالہ ١٤٠٨

٣٢ ـ كتاب المصاحف: از ابن أبی داؤد (م ٣١٦ھ) تحقیق: د. محی الدین واعظ۔ وزارۃ الأوقاف، دولۃ قطر ١٤١٦

٣٣ ـ مصنف ابن أبي شيبة: از عبد اللہ بن محمد (م ٢٣٥ھ) ت: عبد الخالق الأفغانی۔ بومبائی ١٩٧٩

٣٤ ـ مفردات القرآن: از امام راغب أصفہانی ترجمہ: محمد عبدہ۔ اہل حدیث أکادمی، لاہور ١٩٧١ء

٣٥ ـ مقالات سلیمان: (جلد سوئم) مرتب: شاہ معین الدین ندوی۔ مطبع معارف، اعظم گڑھ ١٣٩١

٣٦ ـ مقدمه ابن خلدون: از عبد الرحمٰن بن خلدون (م ٨٠٨ھ)۔ طبع بیروت ١٨٨٦م

٣٧ ـ مناهل العرفان: للزرقاني، محمد عبد العظیم۔ مطبعۃ عیسیٰ الحلبی، القاہرۃ

٣٨ ـ الموافقات: أبو إسحاق الشاطبي (م ٧٩٠هـ) تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید۔ طابع محمد علی صبیح، مصر

٣٩ ـ النشر في القراء ات العشر: از ابن الجزری محمد بن محمد (م ٨٣٣ھ)، ت: محمد علی الصباغ۔ بیروت۔

٤٠ ـ مقدمه تفسير القرآن الكريم از شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ، دار ابن الجوزی، الدمام۔

٤١ ـ مجموعة الكتب الستة، طبعۃ دار السلام، الریاض۔

☆☆☆☆☆

جو لوگ قرآن کریم کی ہدایت کے بغیر جئے ان کا دور، دور جاہلیت کہلایا۔ اور جنہوں نے کتاب اللہ اور اس کے معلم کو تھاما وہ اسلامی دور کہلایا۔ ان دونوں ادوار میں فرق مادی ترقی یا جدید علوم کا نہیں بلکہ اخلاقی، تہذیبی اور توحیدی فکر کا ہے۔ جس نے ہر ایک سے کاٹ کر ایک ہی رب کی چوکھٹ پہ جھکنا، مانگنا اور جھولی پھیلانا سکھایا ہے۔ یہی انسانی ترقی کا راز ہے جسے قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں جا بجا پیش کیا ہے۔ مگر یار لوگوں نے اسے نہ سمجھا اور ہر نئے دور میں اپنے رشتہ جاہلیت کو قدیم جاہلیت سے استوار کرتے رہے۔

قرآن کریم کو سمجھنے اور سمجھانے کے بنیادی اصول اور ضابطے یہی ہیں کہ قرآن کریم کو قرآنی اور نبوی علوم سے ہی سمجھا جائے۔ یہ علوم قرآن کریم سے علیحدہ نہیں۔ انہی کی پابندی کتاب اللہ کو توراۃ وانجیل کی طرح کھیل نہیں بننے دے گی۔ اور نہ ہی تحریف کی من مانی روش کو شہ ملے گی۔ الزام تراشیوں سے بچنے اور اپنے میلانات کی اصلاح کے لئے قرآن کی صحیح خدمت تبھی ہو سکے گی۔ کوشش یہی کی ہے کہ کتاب میں انہی ضابطوں اور اصولوں کو دلائل سے پیش کر دیا جائے تاکہ قرآن کریم کا صحیح فہم ممکن ہو اور ایک علمی واعتقادی رشتہ قرآن کریم سے مزید استوار ہو۔

ISBN 978-969-8665-33-3

04010053

AL-HUDA
Publications (Pvt) Ltd.